گلزارِ دانش

سید حیدر بخش حیدری

دفتر اول

ڈاکٹر عبادت بریلوی، ایم اے، پی ایچ ڈی

مؤلفہ

سید حیدر بخش حیدری

مرتبہ

ڈاکٹر عبادت بریلوی، ام۔اے، پی ایچ۔ڈی

پروفیسر و صدرِ شعبۂ اُردو پنجاب یونیورسٹی

پرنسپل

یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

شائع کردہ

یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

گلزارِ دانش

دفترِ اوّل

گلزار دانش

فہرست

پیش لفظ

فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں سید حیدر بخش حیدری دہلوی ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ہم عصروں میں اردو نثر کی سب سے زیادہ کتابیں تالیف کیں اور نہ صرف ترجمے تک اپنے آپ کو محدود رکھا بلکہ طبع زاد کتابیں بھی لکھیں۔ وہ ایک صاحب طرز انشا پرداز بھی تھے۔ اور اس اعتبار سے ان کا ادبی مرتبہ میر امن دہلوی سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان پر ابھی تک کوئی تحقیقی اور تنقیدی کام نہیں ہوا۔ ان کی بیشتر کتابیں بھی سلیقے سے مرتب کر کے شائع نہیں کی گئیں ـــــ بلکہ بعض اہم کتابوں کے بارے میں تو یہ تک لکھ دیا گیا کہ انھوں نے یہ کتابیں لکھی ضرور تھیں لیکن اب ان کا کوئی نسخہ دنیا کے کسی کتب خانے میں موجود نہیں ہے۔

گلزار دانش ان کی ایک اہم کتاب ہے لیکن اس کے متعلق تقریباً تمام ادبی مورخوں نے یہی لکھا کہ کتاب اب ناپید ہے اور دنیا میں کہیں اس کا وجود نہیں ہے۔

سید محمد نے اس کتاب کے بارے میں، اپنی کتاب "ارباب نثر اردو" میں آج سے تقریباً چالیس سال قبل لکھا تھا:

"ہم کو اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا، اور نہ ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ حیدری نے یہ ترجمہ کس سنہ میں

تمام کیا۔ عنایت اللہ کی بہار دانش کئی سو صفحات کا ایک نیم تاریخی قصہ ہے اور اس میں بہرام شاہ اور بہرہ در بانو کے معاشقے اور جہاں دار شاہ کی مہموں اور مبارزہ طلبیوں کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ اس کا سنہ تالیف ۱۰۶۱ھ ہے اور مولف نے دیباچے میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ یہ قصہ اس کی اپنی ایجاد یا اختراع پسند طبیعت کی اپج کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس نے کسی نوجوان برہمن کی زبانی یہ حسن وعشق کی کہانی سنی تھی، جس نے اس کو فارسی میں تالیف کر دیا ہے۔ ہمارے پیش نظر اصل فارسی تالیف کا ایک نسخہ ۱۰۶۸ھ کا لکھا ہوا ہے اور یہ بھی مولوی یافعی صاحب کے کتب خانے سے حاصل ہوا۔ مگر افسوس کہ حیدری کا ترجمہ نہیں ملا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے طبع نہیں ہوا۔ حیدری کے دوسرے کارناموں کی طرح اس کو کچھ زیادہ شہرت بھی نصیب نہ ہوئی۔ یورپ کے مشہور مشرقی کتب خانے بھی اس سے خالی ہیں[۱]۔"

اور مولانا حامد حسن قادری نے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے تھے۔ اپنی کتاب "داستان تاریخ اردو" میں انھوں نے لکھا تھا:

"گلزارِ دانش، شیخ عنایت اللہ کی فارسی تصنیف بہار دانش کا اردو ترجمہ ہے۔ ترجمہ کا سنہ دریافت نہ ہوا۔ فارسی کی تصنیف ۱۶۵۱ء مطابق ۱۰۶۱ھ میں ہوئی ہے۔ یہ جہاندار شاہ اور بہرہ در بانو کا قصہ ہے۔ عنایت اللہ نے دیباچے میں لکھا ہے کہ یہ قصہ فرضی نہیں سچا واقعہ ہے۔ بہرحال حیدری کی گلزار دانش بھی اب گم ہے[۲]۔"

ان دو اہم ادبی مورخوں کے ان بیانات سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حیدری کی گلزار دانش کے متعلق گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں بھی یہی خیال عام رہا کہ حیدری نے یہ کتاب فورٹ ولیم کالج کے دوران قیام میں لکھی ضرور تھی لیکن نہ تو وہ شائع ہوئی نہ اس کا کوئی قلمی نسخہ محفوظ رہ سکا — اور اردو ادب کے مؤرخ اور محقق یہی سمجھتے رہے کہ یہ کتاب ضائع ہو گئی۔ لیکن میرا دل اس بات کو قبول نہیں کرتا تھا، اور جب بھی میں اس کے بارے میں سوچتا تھا تو میرے دل میں اس خیال کی ایک لہر سی اٹھتی تھی کہ اس کا کوئی نہ کوئی نسخہ، کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کتب خانے میں ہوگا ضرور —

---

[۱] سید محمد: ارباب نثر اردو: صفحات ۸۴-۸۵

[۲] حامد حسن قادری: داستان تاریخ اردو (آگرہ) صفحہ ۹۶

چنانچہ میں نے اس کی تلاش جاری رکھی لیکن تیس سال تک مجھے بھی اس کا سراغ نہ ملا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی مجھے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز لندن یونیورسٹی میں پانچ سال تک اردو کے استاد کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ لندن کے دوران قیام میں انگلستان اور یورپ کے دیگر کتب خانوں میں کام کرنے کے مواقع ملے۔ اور مجھے وہاں بعض عجیب وغریب اور نادر ونایاب کتابیں دستیاب ہوئیں۔ جن میں سے کچھ تو شائع ہو چکی ہیں، اور کچھ طباعت واشاعت کی مختلف منزلیں طے کر رہی ہیں۔

انھی نادر ونایاب کتابوں میں سید حیدر بخش حیدری دہلوی کی ضخیم کتاب گلزار دانش بھی ہے جس کا قلمی نسخہ مجھے یورپ کے ایک کتب خانے میں ملا ——— یہ نسخہ کس طرح دستیاب ہوا اس کی داستان نہایت دلچسپ اور لذیذ ہے ——— اسی لئے اس کو دراز تر بنا کر پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔

ہوا یوں کہ ایک روز میں برٹش میوزیم لندن میں مختلف ممالک کے کتب خانوں کی فہرستیں دیکھ رہا تھا کہ میری نظر سے ایک ایسی کیٹلاگ گذری جو ڈینش زبان میں تھی اور جس کو میں سمجھ نہیں سکتا تھا لیکن میں اس کی ورق گردانی کرتا رہا اس خیال سے کہ شاید اس میں کسی فارسی یا اردو کتاب کا نام مل جائے چنانچہ اس کیٹلاگ کے آخری حصے میں مجھے ایسے نام نظر آئے جو برعظیم پاک وہند سے تعلق رکھتے تھے۔

میں نے اس حصے کو بغور دیکھا تو مجھے اس میں ایک جگہ بہار دانش کا نام نظر آیا ایک جگہ حیدری اور گلزار دانش کا نام بھی ملا۔ لندن میں اس وقت کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ڈینش زبان سے انگریزی میں اس عبارت کا ترجمہ کرتا۔ حیدری اور گلزار دانش کے نام رومن میں چھپے ہوئے دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور یہ حیدری کی گلزار دانش کا قلمی نسخہ ہے جس کا ذکر اس کیٹلاگ میں کیا گیا ہے مجھے اس نسخے کی ایک زمانے سے تلاش تھی۔ اس لئے مجھے اس خیال سے بے حد خوشی ہوئی کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

یہ فہرست کوپن ہیگن کے شاہی کتب خانے کی تھی جس کا نام ڈینش زبان میں DET KONGLIEGE BIBLITEQUE. تھا۔ چنانچہ میں نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کتب خانے کے مہتمم صاحب کو ایک خط لکھ کر اس کتاب کے بارے میں کچھ مزید معلومات حاصل کی جائے۔ میں نے خط لکھا۔ ایک ہفتے کے اندر یہ جواب آیا کہ ہمارے کتب خانے کے ہندوستانی سیکشن میں

ایک قلمی کتاب موجود ہے لیکن یہ فارسی میں ہے۔ میں مایوس ہوگیا اور یہی قیاس کیا کہ یہ عنایت اللہ کی کتاب بہار دانش ہو گی۔ لیکن مجھے اطمینان نہیں ہوا کیونکہ کیٹلاگ میں کئی جگہ حیدری اور گلزار دانش کے نام بھی پڑھے جاتے تھے۔ اس لئے میں نے یہ سوچا کہ مجھے کوپن ہیگن جا کر اس کتاب کو دیکھنا چاہیئے چنانچہ میں نے کوپن ہیگن کا سفر کیا۔ شاہی کتب خانے میں پہنچا۔ وہ کتاب منگوائی ——— اور جب میں نے اس کو دیکھا تو میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ تو سید حیدر بخش حیدری دہلوی کی اردو کتاب گلزار دانش کی دونوں مکمل جلدیں تھیں۔ اس قلمی نسخے کو دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے دنیا کا سب سے بڑا خزانہ مل گیا ہے۔

گلزار دانش کا قلمی نسخہ خاصا ضخیم ہے۔ بڑے سائز کے پانسو ستیس (۵۳۷) اوراق پر پھیلا ہوا ہے جن میں کتابت شدہ صفحات کی کل تعداد دس سو بہتر (۱۰۷۲) ہے۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد میں دو سو باون (۲۵۲) اوراق یعنی پانسو چار (۵۰۴) صفحات ہیں۔ دوسری جلد دو سو پچاسی (۲۸۵) اوراق کی ہے۔ اس میں پانسو انھتر (۵۶۹) صفحات ہیں۔ کتاب صفحہ پانسو انھتر (۵۶۹) پر ختم ہو جاتی ہے۔ صفحہ پانسو ستر (۵۷۰) خالی ہے۔ نسخہ خوشخط لکھا ہوا ہے۔ خط روشن نستعلیق ہے۔ لیکن کاتب کا نام اور کتابت کی تاریخ درج نہیں ہے۔ اس نسخے کے آخر میں مرزا کاظم علی جوان اور رائے کھیم نرائن رند کے کہے ہوئے قطعات تاریخ درج ہیں جو مقدمے میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ جوان کے قطعے سے سال بارہ سو چودہ (۱۲۱۴ھ) اور رند کے قطعے سے سال بارہ سو پندرہ (۱۲۱۵ھ) حاصل ہوتا ہے۔ پہلے مادۂ تاریخ میں گیارہ (۱۱) کا اور دوسرے میں چار (۴) کا تخرجہ ہے۔ حیدری نے اپنے دیباچے میں تالیف کا سال بارہ سو اٹھارہ (۱۲۱۸ھ) مطابق اٹھارہ سو چار (۱۸۰۴) عیسوی بتایا ہے۔ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں اسے آخری شکل دی گئی اور اس کی کتابت کرائی گئی۔ اس ضخیم کتاب کا یقیناً یہی کتابت شدہ نسخہ ہے جو ہمیں ملا ہے اور دنیا میں اس کا یہ واحد نسخہ ہے جو ہم شائع کر رہے ہیں۔

دونوں جلدوں کے آخری صفحات پر انگریزی میں ٹامس روبک کے دستخط ہیں اور انگریزی کی یہ عبارت بھی ملتی ہے:

PRESENTED TO T. ROEBUCK BY GEORGE SWINTON ESQ CALCUTTA APRIL 1811.

روبک کے متعلق اردو ادب اور خصوصًا اردو نثر سے دلچسپی لینے والا ہر شخص جانتا ہے کہ وہ فورٹ ولیم کالج سے متعلق تھا اس نے اس کالج سے متعلق ایک جامع کتاب ANNALS OF THE COLLEGE OF FORT WILLIAM. لکھی تھی جو اب آسانی سے نہیں ملتی ــــ صرف انڈیا آفس اور برٹش میوزیم میں اس مطبوعہ کتاب کے نسخے نہایت خستہ حالت میں موجود ہیں۔ جارج سوئنٹس GEORGE SWINTON. جس نے گلزار دانش کا یہ نسخہ ٹامس روبک کو ۱۸۱۱ء میں پیش کیا، کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا عہدہ دار تھا۔ یہ حیدری کا معاصر تھا۔

حیدری نے اس قلمی نسخے کے دیباچے میں حمد و نعت کے بعد یہ معلومات فراہم کی ہے:

"بعد اس کلام متبرک کے صاحب دانش و بینش پر ظاہر ہو کہ کتاب بہار دانش کو شیخ عنایت اللہ طوطیٔ سخن نے ایک برہمن بچہ حسین و مہ جبین کے کہنے سے تصنیف کیا تھا۔ اور محمد صالح جو اس والا جوہر سے نسبت ہم گوہری اور شاگردی کی رکھتا تھا۔ اس نے بھی ایک دیباچہ اپنی موزونیٔ طبع کے ساتھ عبارت رنگین و خوب و بندشِ الفاظ دلچسپ و مرغوب کے تصنیف کر کے اس کتاب میں داخل کیا تھا ــــ اب اس ذرّہ بے مقدار، خاک پائے آل احمد مختار صلوات اللہ علیہ و آلہ الاجمعین سید حیدر بخش آمادہ بے ہنری متخلص بہ حیدری، ساکن دلّی، خلف سید ابو الحسن نجفی کے، عہد میں ظل سبحانی ابن عالمگیر ثانی شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ کے دورِ حکومت میں، افتخار بصیرتِ جہاں و استظہارِ سخنورانِ دوراں، معدنِ عدل و انصاف، اشرف الاشراف، زبدۂ نوئینانِ عظیم الشان، مشیرِ خاص شاہ کیواں بارگاہ انگلستان مارکوئس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام افضالہٗ کے سنہ بارہ سو اٹھارہ ہجری مطابق اٹھارہ سو چار عیسوی کے، فرمانے سے صاحب والا شان ارسطوئے زماں و فلاطونِ حشم مخزن لطف و کرم مسٹر ولیم ہنٹر دام اقبالہٗ کے، موافق اپنی طبع کے زبانِ ریختہ میں ترجمہ کیا اور نام اس کا گلزار دانش رکھ کر اہلِ دانش و بینش کی نذر گذرانا۔"[۱]

حیدری کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ گلزار دانش کا یہ قلمی نسخہ شیخ عنایت اللہ کی فارسی کتاب بہار دانش کا اردو ترجمہ ہے جس کو انھوں نے ولیم ہنٹر کی فرمائش پر ۱۲۱۸ھ ــــ ۱۸۰۴ء میں کیا اور اس کا نام گلزار دانش رکھا۔ ایک زمانے تک یہ نسخہ گوشۂ گمنامی میں رہا اور

---

[۱] حیدری: گلزار دانش قلمی نسخہ ص ۳، ۲

اردو ادب کے مورخوں اور محققوں تک کو اس کا علم نہ ہو سکا، اور وہ اسی نتیجے پر پہنچے کہ یہ کتاب ضائع ہو گئی ہے اور اب دنیا میں کہیں اس کا وجود نہیں ہے لیکن اس نسخے کی دریافت نے ان کے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔

میں نے اس نادر و نایاب قلمی نسخے کا تعارف اورینٹل کالج میگزین شمارہ مسلسل ۱۸۸، ۱۸۹ جلد ۴۸، عدد ۱، ۲، مارچ، جون ۱۹۷۲ء میں کرایا تھا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ جلد اس کے متن کو مکمل طور پر شائع کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اب اس خیال سے کہ یہ نسخہ معنی و اسلوب نثر کے اعتبار سے حد درجہ اہمیت رکھتا ہے اور اس میں اردو زبان و ادب کے استادوں اور طالب علموں کے لئے دلچسپی کا خاصا سامان ہے، اس کو ایک نئی ادبی دریافت سمجھ کر مناسب تصحیح و تحشیہ کے ساتھ مکمل طور پر شائع کیا جاتا ہے۔

عبادت بریلوی

اورینٹل کالج لاہور
دسمبر ۱۹۷۳ء

مقدمہ

سید حیدر بخش حیدری دہلوی کی اہمیت کو بہت کم لوگوں نے جانا اور ان کے ادبی مقام کو بہت کم لوگوں نے پہچانا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے بارے میں ہماری تحقیق اور تنقید دونوں لکیر کی فقیر رہی ہیں۔ ڈیڑھ سو سال گزر جانے کے بعد بھی لوگ انھیں صرف توتا کہانی اور آرائش محفل کے مؤلف کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ان کی متعدد کتابوں کا ابھی تک کسی کو علم نہیں ہو سکا ہے۔ ان میں سے بیشتر یورپ کے مختلف کتب خانوں میں ایک عالم کس مپرسی میں پڑی ہیں۔ ان کتابوں کا شائع کرنا تو در کنار ان میں سے بیشتر کا تو دیکھنا بھی کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ انگلستان کے دورانِ قیام میں مجھے خاصی تعداد میں ان کی ایسی کتابیں ملی ہیں جن کا اس سے قبل بہت کم لوگوں کو علم تھا۔ یہ کتابیں انھیں اپنے زمانے کا سب سے اہم مصنف ثابت کرتی ہیں اور ان سے اس حقیقت کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے ایک بلند پایہ کے انشا پرداز اور ایک اعلیٰ درجے کے تخلیقی فن کار تھے۔ یہ بات بھی ان تصانیف سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا قلم صرف ترجمے ہی تک محدود نہیں رہا، طبعزاد تخلیقات کے میدانوں میں بھی اس نے اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان تصانیف کے موضوعات مختلف اور متنوع ہیں۔ اس لئے ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ادیب اور

فن کار کی حیثیت سے ایک پہلو دار اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی داستان گوئی، افسانہ نگاری شاعری اور تذکرہ نویسی سب اس خیال پر صداقت کی مہر لگاتی ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ اپنے زمانے کے مشہور و معروف مصنف ہونے کے باوجود ان پر جیسا کام ہونا چاہیئے تھا، وہ نہیں ہو سکا ہے۔ بہت کم لکھنے والوں نے ان کے حالات کا سراغ لگایا ہے اور ان کے ادبی مرتبے کی اندازہ دانی کی ہے۔ ان کے حالات کی تفصیل خود ان کے ہم عصروں کے ہاں نہیں ملتی۔ وہ شاعر تھے اور انھوں نے عنفوان شباب ہی میں شاعری شروع کر دی تھی[۵۱] لیکن ان کے زمانے کے بیشتر تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ نواب علی ابراہیم خلیل خاں خلیل ان کے محسن اور مربی تھے اور حیدری نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ لیکن تذکرۂ گلزار ابراہیم میں خلیل نے حیدری کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مرزا علی لطف ان کے ہم عصر اور فورٹ ولیم کالج میں ان کے رفیق کار تھے لیکن لطف کا تذکرہ گلشنِ ہند بھی حیدری کے ذکر سے خالی ہے۔ اردو شاعروں کے صرف تین تذکرے ایسے ہیں جن میں حیدری کا ذکر موجود ہے۔ ایک تو بینی نارائن جہان کا تذکرۂ دیوان جہان دوسرا عبدالغفور نساخ کا تذکرہ سخن شعرا، اور تیسرا کریم الدین کا تذکرہ طبقات شعرائے ہند بینی نارائن جہان نے اپنے تذکرے میں ان کے متعلق صرف یہ لکھا ہے:

"حیدری تخلص: نام میر حیدر بخش، دلّی کے رہنے والے، بالفعل مندِ حیات پر موجود ہیں اور اس خاکسار کو نہایت ان کی خدمت میں بندگی ہے۔ اور اشعار اس طرح کے کہتے ہیں"[۵۲]

اور عبدالغفور نساخ نے صرف اتنی معلومات فراہم کی ہے:

"حیدری تخلص حیدر بخش دہلوی - ۱۲۱۶ھ میں کلکتہ میں تھے۔ ان کی آرائش محفل یعنی ہفت سیر حاتم نظر سے گزری"[۵۳]

کریم الدین نے طبقاتِ شعرائے ہند میں کسی قدر تفصیل سے ان کے حالات بیان کیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

منشی سید حیدر بخش حیدری تخلص، متاخرین میں سے ہے۔ وہ ایک متاخر مصنف ہے جس نے بہت سی کتابیں بنائی ہیں۔ طوطا کہانی کے دیباچے میں وہ بیان کرتا ہے کہ اس نے علی ابراہیم خاں

---

۵۱ دیوان حیدری: (غیر مطبوعہ) قلمی نسخہ باڈلین لائبریری آکسفورڈ

۵۲ بینی نارائن جہان: دیوان جہان قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن۔ صفحہ ۵۰۔ ۵۱

۵۳ نساخ: سخن شعرا، مطبوعہ نولکشور صفحہ ۴۳

سے جو ۱۸۰۱ء میں مرا تھا، تعلیم پائی۔ اور وہ مولوی غلام حسن غازی پوری کا بھی شاگرد تھا۔ بینی نارائن بیان کرتا ہے کہ وہ ۱۸۱۴ء میں موجود تھا اور اس سے واقفیت رکھتا ہے۔ سوا اکثر نظم کے اس کی تصنیف سے یہ ہیں۔ ایک طوطا کہانی۔ یہ قصہ ایک مغلق عبارت میں ضیاء الدین نخشبی نے تصنیف کیا تھا مگر محمد قادری نے کچھ مختصر کرکے سہل عبارت میں تصنیف کیا، اور حیدری نے اس کتاب سے اپنا ترجمہ کیا ہے۔ مگر اس کا ترجمہ شائستہ اوس کے ہے اور اوس میں نظم اور نثر دونوں ملے ہوئے ہیں۔ علاوہ اس کے اصل اس کتاب کی ایک کتاب سنسکرت میں لکھا سپتتی ہے۔ حیدری نے اس کتاب کو درمیان ۱۲۱۵ھ کے تصنیف کیا تھا۔ اور ایک ترجمہ اردو قصہ حاتم طائی کا نثر اور نظم آمیز اس کی تصنیف ہے۔ ایک ترجمہ اس کا ڈنکن فوربس[1] نے انگریزی ترجمہ تیار کیا ہے۔ اس ترجمے کا نام آرائش محفل ہے۔ یہ ترجمہ درمیان ۱۲۱۴ھ کے تیار ہوا تھا مگر ہندوستانی اپنے خیالات در باب ترجمہ اتنے بھرتے ہیں کہ وہ حقیقت میں ترجمہ نہیں رہتا بلکہ اس کی ایک علیحدہ تصنیف مثل اول کے تصور کرنا چاہیے۔ تیسرے گل مغفرت اس میں ان شہدا کا بیان ہے جو پیغمبر خدا سے امام حسین علیہ السلام تک گزرے ہیں۔ یہ کتاب ایک ترجمہ روضۃ الشہدا کا ہے جس کو گلشن شہیداں بھی کہتے ہیں۔ یہ ترجمہ ۱۲۲۷ھ میں طیار ہوا تھا یہ کتاب بہ خواہش مولوی سید حسین جون پوری کے تصنیف کی تھی۔ چوتھی کتاب گلزار دانش۔ یہ ایک ترجمہ بہار دانش کا ہے جو فارسی میں محمد مہدی نے لکھا تھا جس کا ترجمہ ولیم جونس نے انگریزی میں تیار کیا ہے۔ چھٹا مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ اسی حیدر بخش نے ایک مختصر شاہنامہ اردو میں لکھا ہے۔ ایک مثنوی بہ نام ہفت پیکر اوس کی تصنیف ہے۔ یہ ایک قصہ وہ ہے جس میں مضمون وہی ہے جو نظامی کی کتاب ہفت پیکر میں۔ ایک قصہ دکنی زبان میں بھی ہے بہ نام قصہ بہرام و گل اندام۔ وہ بھی اس طور کا ہے جو کہ بدنصیب سلطان ابوالحسن آخری نواب گولکنڈہ کے، جس نے شکست کھا کر اورنگ زیب کی قید میں مقید ہوا تھا، درمیان ۱۶۸۷ء کے[2]

جدید دور میں سید محمد نے ارباب نثر اردو میں، حامد حسن قادری نے داستان تاریخ اردو میں اور محمد عتیق صدیقی نے گلکرسٹ اور اس کا عہد میں حیدری کے متعلق کچھ معلومات ضرور فراہم کی ہے لیکن ان کی زندگی، شخصیت، نثرنگاری اور شاعری کے کسی نئے گوشے کو دریافت نہیں کیا ہے۔ حیدری

---

[1] ڈنکن فوربس

[2] کریم الدین: طبقات شعرائے ہند، ص ۲۷۰-۲۷۱

کی غیر مطبوعہ تحریروں میں جو نئی معلومات ملتی ہے، اس تک ان لکھنے والوں کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ اسی لئے اس میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

حیدری کے صحیح حالات کو معلوم کرنے کے لئے ان کی بعض غیر مطبوعہ اور مطبوعہ تحریریں خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں۔ دراصل یہ تحریریں حیدری کی زندگی اور شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ میں نے انگلستان کے دورانِ قیام میں حیدری کی بعض ایسی غیر مطبوعہ تحریروں کو دیکھا اور ان سے اپنے بعض مضامین میں استفادہ کیا۔ سب سے پہلے یہ تحریریں رسالہ ادب لطیف، لاہور کے جوبلی نمبر ۱۹۶۳ء میں حیدری کی دو غیر مطبوعہ کہانیوں کے پیش لفظ کے طور پر شائع ہوئیں۔ پھر میں نے ان سے حیدری کی "مختصر کہانیوں"[۱] کے مقدمے میں بھی کام لیا اور ان کی زندگی اور شخصیت کے بارے میں کچھ نئی معلومات فراہم کی۔

یہ تحریریں حیدری کی زندگی اور شخصیت کو سمجھنے کے لئے ایک بیش بہا خزانے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لئے ان سب کو یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

گلدستۂ حیدری کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"احوال اس سید حیدر بخش حیدری متخلص بہ حیدری شاہجہان آبادی کا یہ ہے کہ جس وقت سید ابوالحسن والد اس فقیر نے دلی چھوڑی اور ہمراہی لالہ سکھ دیو رائے کی قبول کی تو بنارس میں تشریف لائے اور پیچھے دلی کے قصد اول سے بھولائے (بھلائے)۔ اس وقت یہ ہیچ مدان نہایت خورد سال تھا لیکن زیر سایۂ دامن قبلہ و کعبہ کے آفاتِ فلکی کے از بس کہ بے خطر تھا اس سن میں بھی مشتاق اہل کمال تھا۔ چنانچہ کئی برس قبلہ گاہی نے ساتھ لالہ موصوف کے اوقات بخوبی بسر کی۔ اور اس فقیر کی بھی حد بلوغت کو پہنچی۔ اس عرصے میں امین الدولہ عزیز الملک نواب علی ابراہیم خان بہادر مرحوم بموجب حکم نواب گورنر جنرل اشٹین صاحب بہادر جلالت جنگ کے حاکمی بنارس کی قبول کر کے ساتھ عز و وقار کے مسندِ عدالت پر بیٹھے تو قبلہ گاہی نے اس قدردان بجا کی نوکری پر دل دیا اور اس کمترین کو واسطے تربیت اور خوشہ چینی کے اس خرمنِ سخن کے سپرد کیا۔ چنانچہ اس فقیر کو خدمت گزاری قاضی عبدالرشید خاں صاحب دام اقبالہ کی پسند آئی اور شاگردی قبلہ و کعبہ کو مین مولوی غلام حسین کی بھائی۔ بیت

---

[۱] مختصر کہانیاں: سید حیدر بخش حیدری۔ مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، شائع کردہ اردو دنیا کراچی ۱۹۶۴ء

جب ایسی گفتگو یہ مجھ کو آئی بہت سی میں نے کی یاں جبہہ سائی

اور محبت سے نخل بند چمن دوستی سید جمعیت علی رضوی کی بھی اس عندلیب ہیچ مدان نے موافق اپنے فہم کے بہت سی کیفیت اٹھائی ہے لیکن افسوس کہ گردش فلکی نے اس گلشن باغ مرتضوی سے نصیب کی جدائی ہے۔ حاصل کلام اس گفتگو سے یہ ہے کہ خدمت گزاری سے بزرگوں اور فرمانبرداری سے دوستوں کی اس فقیر کو فرصت اتنی نہ ملی کہ جو کچھ واہیات بکا تھا اسے جمع کرتا۔ اب بارہ سو پندرہ ہجری میں عنایات و تفضلات سے صاحبان عالی شان والا شان مسٹر جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے ایک صورت اطمنان کی ہے۔ اور مفارقت میں یاران قدیم اور دوستان صمیم کے اوقات یونہیں گزرتی ہے۔ اس واسطے چند قصے زبان ریختہ ہندی میں موافق اردوئے معلےٰ کے نثر کئے گئے جیسے قصہ حاتم طائی اور مہر و ماہ کا قصہ اور طوطی نامہ نخشبی اور قصہ لیلیٰ مجنوں کہ جو حضرت امیر خسرو دہلوی مرید حضرت نظام الدین اولیا نے اپنے خمسے میں لکھا ہے، لکھے گئے۔ اور چند اشعار پریشان اور کئی مخمس و چند قطعے جو اس ہیچ مدان نے تصنیف کئے جو احاطۂ تحریر میں آئے، اور اس مجموعہ بے سر رشتہ و بے محاورہ کو جو اس بے سرو پا نے جمع کیا ہے نام اس اوراق پریشاں کا گلدستۂ حیدری رکھا ہے۔ امیدوار لطف سے باریک بینوں کی یہ ہے کہ اگر نکتۂ سہو کا اس میں پاویں تو بہ موجب حدیث شریف الانسان مرکب من الخطاء والنسیان کو جائز الخطا سمجھ کر اصلاح کریں اور نکتہ گیریوں کو کام نہ فرماویں۔ بحق محمد و آلہ الامجاد۔ قطعہ:

جو ہوں اہل معنی اے باد نسیم یہ میری طرف سے انھیں تو سنا
کرو سیر گلدستۂ حیدری اگر جی میں رکھتے ہو کچھ بھی ہوا
کہ فضل خدا نے کیا ہے اسے گل نثر اور نظم سے لہلہا

مہر و ماہ کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"حمد کرتا ہوں اس بادشاہ قادر بے چوں کی جس نے اپنی قدرت کبریائی سے سلطان مہر و ماہ کو اوپر تخت فلک بے ستون کے ساتھ ندیمان سیاروں کے جلوہ گر کیا اور فیضان جمال بے مثال وحدانیت سے ہیزدہ ہزار عالم کو مخلوق کر کے اپنی عنایات صمدیت سے خصوصاً خلقت انسان

۱؎ گلدستۂ حیدری (غیر مطبوعہ) قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن: ص ۷

کو اشرف المخلوقات خطاب دیا اور خلعت انواع انواع حسن و جمال کے دے کر سرفراز کیا۔ اور جاگیر اپنے عشق کی عطا کر کے عاشق و معشوق نام رکھا گیا خدا ہے جل جلالہ وعم نوالہ ــــــــ اور نعت ہے اس رسول مقبول کی جس کو اس واحد ذوالجلال نے اپنے فضل و کرم سے افضل البشر خاتم الانبیا کیا۔ اور اس کے واسطے زمین و آسمان کو پیدا کر کے لولاک لما خلقت الافلاک خطاب دیا صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ وسلّم۔ اور مدح ہے اس حیدر رشہ سوار لافتی ساقی حوض کوثر کی جو حامیِ روزِ جزا ہے اور داماد مصطفیٰؐ ہے۔ اور مدح ہے اُن گوہر ہائے دریائے رسالت کی کہ جو سرورِ سینۂ زہرائے اطہر ہیں اور شفیع روزِ محشر صلواۃ اللہ علیہ وآلہ اجمعین۔

پس اس حیدر بخش متخلص بہ حیدری شاہجہاں آبادی کو ۱۲۱۴ بارہ سو چودہ ہجری میں یہ خبر فیض اثر پہنچی اردوے معلےٰ کو مرغوب طبع رکھتے ہیں اور اہلِ سخن کو از راہ قدر دانی کے زیادہ بزرگی دیتے ہیں۔ خصوصاً صاحبِ والا مناقب عالی مقام صدر نشیں محفل اہل کلام مستر جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کہ جو بحر سخن وری و سخن دانی کے گوہر یکتائے جہاں ہیں اور موجد کلام شیریں سخنی کے سرچشمۂ سخنوراں۔

بہ دل دریا بہ کف چوں ابر نیساں	جہاں ہے فیض سے جس کے دُر افشاں
نہ ہوں اس کی شجاعت کے مقابل	اگر ہوں رستم و زال و نریماں
لکھوں اس کی سخاوت کی جو تعریف	وہیں ہو صفحۂ کاغذ زر افشاں
ہے اس کا نامِ نامی گلکرست اب	جہاں ہے مہر جود اس کے سے تاباں
دعا مقبول ہو یہ حیدری کی	رہے دنیا میں خوش یا رب وہ ہر آن

اس واسطے یہ دل مضمحل اس قصہ مہر و ماہ کو باغ فصاحت و بلاغت سے تیار کر کے واسطے نظر حضور پر نور اس صاحبِ موصوف والاشان کے لایا ہے۔ یقین ہے کہ منظور نظر ہووے اور اگر کہیں اس کی عبارت میں نامربوطی الفاظ دکھائی دیوے تو اس کی درستگی کے واسطے باغبان خامۂ دوزبان کو چشم تعلیم سے اشارت کی جاوے کہ جس کے سبب سے وہ اصلاح پاوے۔
بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ..... قطعہ

منصفو! منصفی کی جا ہے یہ　　　　میری محنت کی داد ٹک دیکھو

قصہ مہر و ماہ کو میں نے   نثر کیوں کر کیا ہے دیکھو تو"

لیلیٰ مجنوں کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"یہاں سے احوال یوں ہے کہ حضرت امیر خسرو دہلوی مرید حضرت نظام الدین اولیا کے کہ کئی کتابیں فارسی کی اس حقیقت آگاہ نے تصنیف کی ہیں۔ اور ایک مثنوی میں احوال لیلیٰ مجنوں کا جو لکھا ہے سو اس کے مضمون کو ساتھ فصاحت و بلاغت کے ادا کیا ہے۔ اور ہاتفی نے بھی اس قصۂ دلچسپ کو اپنے خمسے میں بخوبی تمام نظم کیا۔ اور عبارت فصیح سے اس کے ہر ایک بیت معشوقہ کو زیور معنی پہنایا اور اس قصے کو خواجہ یاسین شاہجہاں آبادی کہ شاعری میں یکتائے عصر ہیں اور بالفعل مسند حیات پر جلوہ گر ہیں بموجب فرمائش اظہر علی خاں مرحوم کہ مسٹر چیمبر صاحب نے حکم موصوف سے درخواست اس قصے کی نظم ہندی میں کی تھی خواجہ ممدوح نے زبانِ ریختہ ہندی میں حقیقت اس کی سابق عہد سلطنت شاہ عالم بادشاہ غازی کے بوجہ احسن بطور مثنوی لکھی۔ اب ١٢١٥ بارہ سو پندرہ ہجری مطابق اٹھارہ سو ایک عیسوی کے کہ سنہ سینتالیسواں جلوس بادشاہ موصوف سے ہے جناب صاحبِ عالیشان پشت پناہ دنیا و سخن سنجان بحرِ ہمت گوہر مروت، کوہ حشمت، مخزنِ سخاوت اعلیٰ دودمان، جان گلکرسٹ صاحب بہادر، زید افضالہ، نے اس سید حیدر بخش حیدری متخلص بہ حیدری دہلوی خوشہ چیں خرمنِ علم کونین مولوی غلام حسین غازی پوری مولوی عدالتِ نواب علی ابراہیم خان بہادر مرحوم حاکم بنارس کو فرمایا کہ تو اس قصۂ پُرسوز نظم ہندی کو بیچ زبان ریختہ اردوئے معلےٰ کے ساتھ فصاحت و شیریں سخنی کے نثر کر اور احاطۂ تحریر میں لا۔ کیونکہ عبارت سلیس مفید ہے ان صاحبوں کے جو بالفعل اس گفتگو سے واقف نہیں۔ ان کی درستگیٔ زبان کے واسطے بہتر اس نثر سلیس کے اور کوئی عبارت نظر نہیں آتی چنانچہ اس کمترین ہیچ مدان نے موافق اپنی طبع کے زبان محاورہ اردوئے معلےٰ کے قصۂ نظم کو ہندی میں نثر کیا۔ اور ہر ایک صاحب سخن سے سوال رکھتا ہے کہ جو کوئی اس ترجمہ کو چشم فیض اثر سے دیکھے۔ اور کچھ نامربوطی الفاظ کی دکھلائی دے تو لازم ہے کہ وہ اپنی دست گیری قلم دست بردار سے اس حرف افتادہ کو صفحۂ غلط سے اٹھائے اور اجر اس کو دونوں جہان میں خدا دے۔

کمیت خامہ کو میں نے اُٹھا کر   کیا ہے صفحۂ مضموں پہ جولاں

لکھا ہے قصۂ لیلےٰ و مجنوں　　　سنو ٹک گوش دل سے نکتہ سنجاں[۱]

حیدری کی ان غیر مطبوعہ تحریروں سے ان کی زندگی اور شخصیت کی ایک اچھی خاصی تصویر تیار ہو جاتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ ان کی یہ تحریریں ان ماخذ میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں جن کو سامنے رکھے بغیر حیدری پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہو سکتا۔

ان ماخذ کے ذریعے سے جو معلومات ہم تک پہنچتی ہے وہ یہ ہے کہ سید حیدر بخش حیدری دلّی کے رہنے والے تھے۔ ان کے بزرگ نجف اشرف سے ترک وطن کرکے دلی میں آئے اور اسی سرزمین پر اقامت اختیار کرلی۔ حیدر بخش حیدری دلّی ہی میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ ولادت کا علم کسی ذریعے سے نہیں ہوتا۔ وہ دلّی میں زیادہ عرصے تک نہ رہ سکے۔ حالات کی ناسازگار کیفیت نے ان کے والد سید ابوالحسن کو دلی چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس وقت حیدری کی عمر بہت کم تھی۔ اس کم عمری میں اپنے والد کے ساتھ دلّی سے باہر نکلے، اور بنارس میں اقامت اختیار کی۔ ان کے والد کا دلّی سے باہر نکل کر پہنچنے کا سبب لالہ سکھ دیورائے کی ملازمت تھی۔ اس کا صحیح علم نہیں ہوتا کہ یہ لالہ سکھ دیورائے کون تھے۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حیدری کے والد نے ان کی ملازمت اختیار کی۔ ان کی ہمراہی میں بنارس پہنچے اور وہیں آباد ہو گئے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے حیدری اس وقت بہت کم سن تھے لیکن اس کے باوجود انھیں دلّی چھوڑنے کا بہت غم ہوا۔ اپنے والد کی طرح دلّی کی دلچسپیوں کو انھوں نے بھی بھلانے کی کوشش کی اور بنارس میں اپنے دل کو لگایا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس شہر سے انھیں جذباتی وابستگی پیدا ہو گئی۔ اس کا اظہار انھوں نے ایک قطعے میں کیا ہے۔

بنارس شہر ہے آباد و خوشتر　　　چراغ دودمان ہفت کشور
شدہ سیارہ ہر جا ماہ روئے　　　تو گوئی خانہ ہا شد مہ بہ کوئے
جدھر دیکھو اُدھر ہے جبہہ سائی　　　یہاں کے بت ہیں سب کرتے خدائی
اگر فردوس بر روئے زمین است　　　ہمین است و ہمین است و ہمین است
کہوں بازار کا کیا اس کے عالم　　　قلم جو کچھ لکھے سو اس سے ہے کم
رکھا ہیں مختصر اب اس کو یاں سے　　　بیاں کچھ گھاٹ کا سن تو زباں سے

---

[۱] دیباچہ قصۂ لیلیٰ مجنوں۔ گلدستۂ حیدری قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن

لگا رسی سے برنا[1] تک ہر ایک واں | نہ دیکھا کم کوئی از ماہ رویاں
چنانچہ گھاٹ ہے ایک من کرن کا | بیان اس کا کروں میں تم سے کیا کیا
نشانِ حسن واں ہر ایک نے گاڑا | ہوا وہ گھاٹ اِندر کا اکھاڑا
لگا کر جسم سیتی تا بیتی ما دھو | پری بنتا ہے واں ہر ایک نہا دھو
نہ بیچ گنگا میں یاں گر کوئی نہاوے | تو وہ بیکنٹھ واں کس طرح پاوے
کوئی کھینچے ہے قشقہ نازنیں واں | کوئی دیتا ہے ٹیکا مہ جبیں واں
کوئی گنگا میں جا غوطہ لگاوے | کوئی سیڑھی ہی پر دھوتی سکھاوے
برہمن بچے واں ہر سو پھریں ہیں | ہر ایک کو رام وہ اپنا کریں ہیں
مغرق تاش کی پہنے ہیں ساری | اور اس پر ہے ٹکی دو ہری کناری
کب ان کے پاؤں میں دو دو کڑے ہیں | کہے تو حسن کے وہ پیکڑے ہیں
نہ رتبہ کس طرح وہ شہر پاوے | کہ شیو تر سول پر جس کو بساوے
بلند اس کی عمارت اس قدر ہے | کہ دھولاگیر جس کی تا کمر ہے
کلاں وہ حیدری ایسا مکاں ہے | کہ جس کا کوچہ خورد اصفہاں ہے[2]

حیدری بنارس کی اس سرزمین پر سن شعور کو پہنچے۔ دراں کی تعلیم و تربیت بھی یہیں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نواب علی ابراہیم خاں خلیل صاحب "تذکرہ گلزار ابراہیم" بنارس میں جج کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ بنارس میں ان کے علم و فضل کا شہرہ تھا چنانچہ حیدری کے والد سید ابوالحسن نواب علی ابراہیم خاں کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ اس وقت تک حیدری سن شعور تک پہنچ چکے تھے اور تعلیم و تربیت کا خیال ان کے والد سید ابوالحسن کے پیش نظر تھا۔ خلیل کی قربت نے اس مسئلے کو حل کر دیا حیدری کے والد نے انھیں نواب علی ابراہیم خاں خلیل کے سپرد کیا اور انھوں نے ان کی تعلیم و تربیت کا کام قاضی عبدالرشید اور مولوی غلام حسین کو سونپا۔ ان کے علاوہ سید جمعیت علی رضوی سے بھی انھوں نے استفادہ کیا۔ غرض ان کی ذہنی نشو و نما ان بزرگوں کے سائے میں ہوئی۔

---

[1] رسی اور برنا بنارس کے دو گھاٹ ہیں۔ بہ حوالہ خلاصۃ التواریخ نسخہ قلمی ورق ۲۶

[2] حیدری: دیوان حیدری: قلمی نسخہ باڈلین آکسفورڈ و برٹش میوزیم لندن

حیدری نے اپنے دیوان میں نواب علی ابراہیم خاں خلیل کی مدح میں ایک قطعہ درج کیا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ خلیل سے کس درجہ متاثر تھے۔ لکھتے ہیں:

کرے ہے جب سے عدالت علی ابراہیم ہوا ہے شہرِ بنارس مثال باغِ نعیم
کروں میں اس کی سخاوت کا کیا بیان رقم دوشالے اس کو دئے تھی نہ جس کے پاس گلیم
شگفتہ ہو نہ کوئی گل جوں غنچۂ تصویر سحر کو فیض سے اس کے اگر چلے نہ نسیم
کرم ہے اس کا یوں روشن تمام عالم میں کہ مہر و ماہ کے کانسے میں دے ہے یہ زر و سیم
عدو کے سر پہ جو شمشیر وہ رکھے ایک بار اگر پہاڑ ہو ایک دم میں ہو جائے دو نیم
بروزِ جنگ تری دیکھ صولتِ شمشیر غنم ہو جاوے ترے آگے گر ہو شیرِ غنیم
کسی پہ گزرے کہیں زور کا تیرے جو خیال تو مور کی طرح مل ڈالے گر ہو پیل جسیم
تو اپنے وقت کا نواب خان خاناں ہے یہ چاہتا ہوں خدا سے کہ میں ترا ہوں فہیم

میں ہوں وہ شاعرِ خوش فکر حیدری تیرا
کہ جس کے سامنے لکنت کرے زبانِ کلیم[۱]

اور قاضی عبدالرشید خاں کی مدح میں بھی چند اشعار کا قطعہ لکھا ہے جس سے ان کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ قطعے کے اشعار یہ ہیں:

ہم نے جو صاحبِ سخا دیکھے در کے تیرے وہ سب گدا دیکھے
کون ہے جو ترے زمانے میں جو کسی کا کوئی بھلا دیکھے
عدل اہلِ ستم کو باندھے ترا گر کہیں جور کو کھلا دیکھے
ہوئے تن سے جدا عدو کا سر تیغ ادھر جو تو اٹھا دیکھے
ترے بے حکم شمع محفل میں ایک پروانے کو جلا دیکھے
شب سے تا صبح پھر وہ سر اپنا ہر گھڑی تن ستی جدا دیکھے
ٹھہرے مسکین بے پر اس جاگہ جس جگہ کچھ بھی آسرا دیکھے
مجھ کو دار الشفا ہے در تیرا میں بہت درد بے دوا دیکھے

---

[۱] حیدری: دیوان: نسخہ برٹش میوزیم لندن و باڈلین آکسفورڈ

حیدری دل سے اس کا ہے مداح — یا حضور اس کو یا نفا دیکھے
یعنی عبدالرشید خاں صاحب — مخزن فیض و ہم سخا دیکھے [1]

سید حیدر بخش حیدری ۱۲۱۴ھ تک بنارس میں رہے۔ اس وقت تک انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی تعلیم کو مکمل کر لیا تھا، بلکہ بنارس کے ادبی حلقوں میں بھی اپنی جگہ بنا لی تھی۔ چنانچہ جب فورٹ ولیم کالج قائم ہوا تو ڈاکٹر گلکرسٹ نے اردو کے جن لکھنے والوں کو وہاں جمع کیا ان میں سید حیدر بخش حیدری بھی تھے۔ اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ بنارس سے کب باہر نکلے کب کلکتہ پہنچے۔ اور کس کے توسط سے ان کی رسائی ڈاکٹر گلکرسٹ تک ہوئی۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کلکتے میں میر بہادر علی حسینی نے ان کی اس سلسلے میں دست گیری کی اور حیدری اس کے لئے ہمیشہ ان کے احسان مند رہے۔ چنانچہ گلدستۂ حیدری میں اس کا اعتراف بھی کیا ہے اور یہ الفاظ ان کے قلم سے نکلے ہیں:

"اس احقر نے موافق اپنی محنت و مشقت کے چھ سات برس میں ان بزرگوں کے نام مع اشعار و تخلص کے جمع کئے۔ اور کئی جز بخوبی تمام لکھے۔ افسوس یہ ہے کہ دو جز حرف سین سے لے کر تا حرف ی خدا جانے کیا ہوئے۔ اس واسطے نوبت تحریر حرف یا تک نہ پہنچی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر زمانہ اسی صورت سے قدرے رفاقت کرتا ہے تو یہ خاکسار پھر نئے سرے احوال ان شعراؤں کا خاطر خواہ لکھتا ہے ——— اور جلد دو چار جز کی جو کلام واہیات سے تیار ہوئی سو دستگیری سے منشی میر بہادر علی صاحب قبلہ دام اقبالہٗ کی کہ وہ دستگیرِ درماندگاں و حامیٔ بے کساں ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں خوش و خرم رکھے اسے اور مشکل کشائی اس کی مشکل کشا کیا کرے۔ بحق محمد و آلہ الامجاد" [2]

بہرحال میر بہادر علی حسینی کے توسط سے وہ فورٹ ولیم کالج میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ سے ان کا تعارف ہوا۔ ۱۸۰۰ء میں انھوں نے قصۂ مہر و ماہ لکھ کر گلکرسٹ کو پیش کیا۔ انھوں نے کتاب کو پسند کیا اور حیدری ۴ر مئی ۱۸۰۱ء کو فورٹ ولیم کالج میں منشی کی حیثیت سے باقاعدہ ملازم ہو گئے [3]۔ دو سو ۲۰۰ روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی [4]۔ تصنیف و تالیف کا کام ان کے سپرد کیا گیا۔

---

[1] حیدری: دیوان: نسخہ برٹش میوزیم لندن و باڈلین آکسفورڈ
[2] حیدری: گلدستۂ حیدری، قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن و باڈلین آکسفورڈ ص ۲۲۳
[3] محمد عتیق صدیقی: گلکرسٹ اور اس کا عہد ص ۱۰۸ — [4] محمد عتیق صدیقی: گلکرسٹ اور اس کا عہد ص ۱۴۳

فورٹ ولیم کالج کے دوران قیام میں حیدر بخش حیدری ڈاکٹر گلکرسٹ سے بہت متاثر ہوئے چنانچہ انھوں نے اپنی تحریروں میں جگہ جگہ اس کا اعتراف کیا ہے۔ دیوان میں ایک قطعہ ہے جس میں گلکرسٹ کی بہت تعریف کی ہے:

گلکرسٹ صاحب وہ ہے عادل نشاں ۔۔۔ خوشہ چیں ہے اس کا اب نوشیرواں
کیوں نہ وہ حاکم ہو ہفت اقلیم کا ۔۔۔ چاکری کرتا ہے جس کی آسماں
خامہ ہو جاوے وہیں زریں رقم ۔۔۔ گر لکھوں اس کی سخاوت کا بیاں
زیر دست اس کے ہوا انبارِ طلا ۔۔۔ گر ہو اک ذرہ کسی پر مہرباں
کھل گئے اس کی نسیم خلق سے ۔۔۔ غنچۂ امید دل ہائے جہاں
اک نگاہِ لطف اس کی حیدری ۔۔۔ تجھ کو مستغنی کرے گی بے گماں[1]

حیدری کی باقاعدہ ادبی زندگی کا آغاز، اس میں شبہ نہیں کہ فورٹ ولیم کالج سے ہوا اور گلکرسٹ کی شخصیت نے انھیں اس کام کی طرف رغبت دلائی۔ چنانچہ انھوں نے اپنا بیشتر ادبی کام گلکرسٹ کے ایما پر کیا۔ لیکن قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نثر نگاری کی طرف باقاعدہ متوجہ ہونے سے بہت پہلے شاعری شروع کر چکے تھے۔ اس کا سبب ان کے عشق کا واقعہ تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے وہ عنفوان شباب میں ایک مہ جبیں عشوہ کار کے عشق بلا خیز میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اسی واقعے کے زیر اثر انھوں نے شاعری شروع کی تھی اور ایک مختصر سا دیوان بھی جمع کیا تھا۔ دیوان کے آخر میں انھوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اس واقعے کو بیان کیا ہے اور اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ انھوں نے اسی واقعے کے زیر اثر شاعری شروع کی۔ اس سے قبل پیش لفظ میں یہ عبارتیں نقل کی جا چکی ہیں۔ اس لئے ان کا یہاں پھر نقل کرنا تحصیل حاصل ہے۔

دیوان حیدری صرف غزلیات و قطعات کا مجموعہ ہی نہیں۔ ایک بڑی ہی دلچسپ دستاویز ہے۔ اس سے حیدری کی شخصیت کے بعض ایسے پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے جن کا آج تک کسی کو علم نہیں تھا۔ ایک تو یہی ان کے عشق کا واقعہ ہے جس کا علم ان کے دیوان سے ہوتا ہے۔ پھر دیوان میں غزلوں کے علاوہ بعض قطعات بھی ایسے ہیں جن سے ان کے رومانی مزاج اور طبیعت کے عشقیہ رجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

[1] حیدری: دیوان حیدری، قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی بعض طوائفوں سے ان کا تعلق تھا۔ چنانچہ ایک طوائف بھیجو کا تو ایک واقعہ بھی انھوں نے ایک جگہ اس دیوان میں بیان کردیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"یہ غزل بھیجو نے اس ہیچ مدان کے گھر آ کے سنی۔ نہایت خوش بلکہ دو چار روز ہیں رہی۔ اس بات کو سن کر اس کے چاہنے والوں میں سے ایک شخص جو طبع موزوں رکھتے تھے نام لینا ان کا کچھ ضرور نہیں۔ انھوں نے یہ غزل اس کے کڑھانے کو لکھ بھیجی۔ وہ اس کے سنتے ہی غضبناک ہوئی اور اس فقیر سے کہنے لگی کہ "تمہاری دوستی میں یہ نوبت پہنچی"۔

تب اس حقیر نے کہا "تم نہ آزردہ ہو، میں اسی ردیف و قافیہ میں ایک قطعہ لکھ بھیجتا ہوں کہ وہ اس کو سن کر شرمندہ ہوں اور اپنی پوچ گوئی سے باز رہیں:

پہلی غزل اس کم گو کی، اس کی تعریف میں۔ دوسری اُن کی کہی ہوئی اس کی ہجو میں۔ تیسرا قطعہ اس کا ان کے جواب میں:

موجزن کیوں نہ ترا حسن ہو بالا بھیجو ۔ بحرِ ہستی میں تو تو ہے دُرِ لالا بھیجو
پڑ گئی رشک سے چہرے پہ قمر کے چھائیں ۔ چشمِ بد دور یہ کیا حسن نکالا بھیجو
ہے غلط جو کہے مکھڑے پہ ترے زلف اس کو ۔ مخزنِ حسن پہ بیٹھا ہے یہ کالا بھیجو
مہر ٹھہرے نہ شفق میں یہیں ہو جائے غروب ۔ سرخ گر دیکھے ترے سر پہ دوشالا بھیجو
دل عشاق وہیں ہو گئے سب حلقہ بگوش ۔ بس ترے دیکھتے ہی کان کا بالا بھیجو
پھر کہاں بزم کہاں مے وہ کہاں جام و سبو ۔ اور اس دور میں اک دے گی پیالا بھیجو
زاہدہ، زینب و موتی و امیرن، مدّو ۔ حیدری کیا کہوں ان سب سے ہے اعلا بھیجو

کیا ہوا بھول سے کچھ اپنی امالا بھیجو ۔ دوش پر آج رکھا کیونکہ دوشالا بھیجو
تو تو کرتی تھی بہت لاف زنی عصمت پر ۔ ہونے پایا نہ ترے بول کا بالا بھیجو
شکر اللہ کہ دس بیس نے کل شارعِ عام ۔ غیر کے ساتھ ترا پکڑا اچھالا بھیجو
کل کی یہ بات ہے کہ غول بیابانی نے ۔ بیع کا تیری لکھا ہے گا قبالا بھیجو

لہ حیدری، دیوان حیدری (قلمی نسخہ باڈلین آکسفورڈ و برٹش میوزیم لندن)

سوت کی طرح ہر اک وقت پڑی بہتی ہے .... کا نشی کا نالا بھجو
ذش مخمل پہ رکھا گل نہ نزاکت سے قدم دوش پہ آج رکھا کیونکہ دوشالا بھجو
جس نے دیکھا تجھے وہ تیرے قدم پر وتا اس میں لگتا نہیں کچھ تجھ کو چھنالا بھجو
گر تجھے دیکھے زلیخا تو کنیزی پہ تو کیا کر دے یوسف کا گلے ہاتھ تبالا بھجو
چشمۂ فیض وہ ہے تیرے میاں.... اس کو کس منہ سے کہے کانشی کا نالا بھجو

اسی طرح ملائی کے بارے میں بھی ایک دلچسپ غزل ہے۔ اس کو نقل کرنے سے قبل انھوں نے کوئی واقعہ تو بیان نہیں کیا لیکن غزل کے اشعار خود مجموعی طور پر بعض واقعات کو ظاہر کرتے ہیں۔

غزل یہ ہے :

گلشن میں اگر سیر کو ٹک جائے ملائی گل جھک پڑے دوہیں یہ سرپائے ملائی
گل چاک گریباں ہو اگر دیکھے ٹک اس کو سنبل کو پریشاں کرے سودائے ملائی
ہر لحظہ مرے بوئے حنا آتی ہے لب سے جس دن سے میں چومی ہے کف پائے ملائی
کیا تاب جو پھر شمس و قمر ہاتھ ملا دیں گر دیکھیں کسی دن جو یہ سیمائے ملائی
اے حیدری سر میں تو نہ تیغ جھکا دوں گر ہوئے مرے قتل پہ ایمائے ملائی[۱]

غرض حیدری کے دیوان سے ان کی شخصیت کے بعض دلچسپ پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شاعری اور شاعرانہ فن کاری کے لحاظ سے بھی وہ دلچسپ ہے۔ اس اعتبار سے بھی وہ اہمیت رکھتا ہے کہ حیدری کی پہلی تصنیف ہے۔ یہ دیوان کبھی شائع نہیں ہوا۔ اس کے دو قلمی نسخے برٹش میوزیم اور باڈلین لائبریری آکسفورڈ میں ہیں۔

اس میں شبہہ نہیں کہ "دیوان حیدری" حیدری کا کوئی بہت بڑا ادبی کارنامہ نہیں ہے۔ ان کا ادبی کارنامہ تو نثر کی وہ کتابیں ہیں جن میں سے بیشتر انھوں نے فورٹ ولیم کے دوران قیام میں لکھیں۔ ان کتابوں میں مہر و ماہ، لیلیٰ مجنوں، توتا کہانی، آرائشِ محفل، تاریخ نادری، گل مغفرت، گلزارِ دانش، تذکرہ ہندی اور مختصر کہانیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قصہ مہر و ماہ، غالباً حیدری کی سب سے پہلی کتابِ نثر ہے۔ یہ کتاب انھوں نے اوائل ۱۲۱۴ھ

---

[۱] حیدری: دیوان حیدری: نسخہ باڈلین آکسفورڈ

میں لکھی اور اس کو پیش کر کے ڈاکٹر گلکرسٹ کے ہاں باریاب ہوئے اور فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوئے۔[۱]
حیدری خود بھی اس کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"پس اس سید حیدر بخش متخلص بہ حیدر شاہجہاں آبادی کو ۱۲۱۴ھ بارہ سو چودہ ہجری میں یہ خبر فیض اثر پہنچی کہ صاحبان عالیشان گفتگوئے اردوئے معلےٰ کو مرغوب طبع رکھتے ہیں اور اہل سخن کو از راہ قدر دانی کے زیادہ بزرگی دیتے ہیں ـــــ خصوصاً صاحب مناقب عالی مقام، صدر نشین محفل اہل کلام مسٹر جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کہ جوہر بحر سخن وری و سخن رانی کے گوہر یکتائے جہاں ہیں اور موجد قواعد کلام شیریں سخنی کے چشمۂ سخن وراں۔

یہ دل دریا بہ کف چوں ابر نیساں	جہاں ہے فیض سے جس کے دُرافشاں
نہ ہوں اس کی شجاعت کے مقابل	اگر ہوں رستم و زال و نریماں
لکھوں اس کی سخاوت کی جو تعریف	وہیں ہو صفحۂ کاغذ زرافشاں
ہے اس کا نامِ نامی اب گلکرسٹ	جہاں ہے مہر جو اس کے سے تاباں
دعا مقبول ہو یہ حیدری کی	رہے دنیا میں خوش یارب وہ ہر آں

اس واسطے یہ دل ضمیں اس قصہ مہر و ماہ کو باغ فصاحت و بلاغت سے تیار کر کے واسطے نظر پر نور اس صاحب موصوف والا شان کے لایا ہے۔ یقین ہے کہ منظور نظر ہووے اور اگر کہیں اس کی عبارت میں نامربوطی الفاظ دکھائی دیوے تو اس کی درستگی کے واسطے باغبان خامہ و زبان کو چشم تعلیم سے اشارت کی جاوے کہ جس کے سبب سے وہ اصلاح پاوے۔"[۲]

غرض یہ کتاب لکھ کر انھوں نے فورٹ ولیم کالج میں ملازمت حاصل کی۔ اس کا انداز و اسلوب بڑی حد تک مرصع اور مسجع ہے۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس پر فورٹ ولیم کالج کے ماحول کا اثر نہیں ہے۔ اسی لئے اس میں آسان اور سادہ نثر کا وہ انداز نہیں ہے جو فورٹ ولیم کالج کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس کتاب کا انداز مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے:

"سنا ہے کہ کسی شہر میں آفتاب نام بادشاہ تھا کہ وہ نہایت صاحب حشم و عالی جاہ، فوج د

---

[۱] سید محمد: ارباب نثر اردو: صفحہ ۱۷ (مطبوعہ لاہور ۱۹۵۰ء)
[۲] حیدری: دیباچہ قصہ مہر و ماہ (گلدستہ حیدری قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن) صفحہ ۱۴۶

خزانہ کی طرف سے خوش و خنداں، اور آل و اولاد کے سبب سے چشم گریاں ہمیشہ از دست روزگار ناہنجار رہا کرتا۔ اور حساب اس کی افواج کا ذہن رسا میں نہیں آسکتا اور شمار اس کے خزانے کا خزانہ دل میں نہیں سما سکتا۔ جہاں تک شاہ و گدا امیر و وزیر و امرا، نواب و خان تھے سو وہ سب اس کے زیر حکم و تابع فرمان۔ جہاں تک کہ تھے سرکش اطراف کے وہ رہتے تھے اس شہ کے قدموں لگے۔"[۵]

حیدری کی یہ کتاب کبھی شائع نہیں ہوئی اس کا ایک نسخہ مجھے ملا ہے لیکن ناقص ہے۔ اگر ایک نسخہ اور مل گیا تو اس کو جلد شائع کر دیا جائے گا۔

سید حیدر بخش حیدری کی دوسری تالیف قصہ لیلیٰ مجنوں ہے۔ یہ کتاب ۱۲۱۵ھ میں ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر لکھی گئی۔ غالباً فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہونے کے بعد یہ حیدری کی پہلی تالیف تھی۔ فارسی میں اس قصے کو مختلف لکھنے والوں نے نظم میں لکھا ہے۔ حیدری نے سب سے پہلے اس کو اردو کی آسان اور سادہ نثر کے قالب میں ڈھالا۔ دیباچے میں لکھتے ہیں:

"یہاں سے احوال یوں ہے کہ حضرت امیر خسرو دہلوی مرید حضرت نظام الدین اولیا کہ کئی کتابیں فارسی کی اس حقیقت آگاہ نے تصنیف کی ہیں۔ اور ایک مثنوی میں احوال لیلیٰ کا جو لکھا ہے سو اس کے مضمون کو ساتھ فصاحت و بلاغت کے ادا کیا ہے اور ہاتفی نے بھی اس قصے دلچسپ کو اپنے خمسے میں بخوبی تمام نظم کیا اور عبارت فصیح سے اس کے ہر ایک بیت معشوقہ کو زیور معنی پہنایا اور اس قصے کو خواجہ یاسین شاہجہاں آبادی کہ شاعری میں یکتائے عصر ہیں اور بالفعل مسند حیات پر جلوہ گر ہیں بموجب فرمائش اطہر علی خاں مرحوم کہ چیمبرز صاحب نے حکیم موصوف سے درخواست اس قصے کی نظم ہندی میں کی تھی۔ خواجہ ممدوح نے زبان ریختہ ہندی میں حقیقت اس کی سابق عہد سلطنت شاہ عالم بادشاہ غازی کے بوجہ احسن بطور مثنوی لکھی۔ اب ۱۲۱۵ھ بارہ سو پندرہ ہجری مطابق اٹھارہ سو ایک عیسوی کے کہ سنہ تینتالیسواں جلوس بادشاہ موصوف سے ہے، جناب صاحب عالی شان پشت و پناہ سخن سنجاں، بحر ہمت، گوہر مروت، کوہ حشمت، مخزن سخاوت، اعلیٰ دودمان جان گلکرسٹ صاحب بہادر زاد افضالہ نے اس سید حیدر بخش حیدری متخلص بہ حیدری دہلوی خوشہ چین خرمن علم کو مین مولوی غلام حسین غازی مولوی عدالت ونواب علی ابراہیم خان بہادر مرحوم

---

[۵] حیدری: دیباچہ مہر و ماہ (گلدستۂ حیدری قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن) صفحہ ۱۴۶

حاکم بنارس کو فرمایا کہ اس قصۂ پرسوز نظم ہندی کو بیچ زبان ریختہ اردوئے معلیٰ کے ساتھ فصاحت شیریں سخنی کے نثر کرا اور احاطۂ تحریر میں لا۔ کیونکہ عبارت سلیس مفید ہے ان صاحبوں کو جو بالفعل اس گفتگو سے واقف نہیں، ان کی درستگی زبان کے واسطے بہتر اس نثر سلیس سے اور کوئی عبارت نظر نہیں آتی چنانچہ اس کمترین ہیچ مدان نے موافق اپنی طبع کے زبان محاورہ اردوئے معلیٰ کے قصہ نظم کو ہندی میں نثر کیا۔ اور ہر ایک صاحب سخن سے سوال رکھتا ہے کہ جو کوئی اس ترجمے کو چشم فیض اثر سے دیکھے اور کچھ نامربوطی الفاظ کی دکھلائی دے تو لازم ہے کہ وہ اپنی دستگیری قلم غلط بردار سے اس حرف افتادہ کو صفحۂ غلط سے اٹھالے۔ اور اجر اس کو دونوں جہاں میں خدا دے۔

کمیت خامہ کو میں نے اٹھا کر　　کیا ہے صفحۂ مضموں پہ جولاں

لکھا ہے قصۂ لیلیٰ و مجنوں　　سنو ٹک گوش دل سے نکتہ سنجاں[1]

حیدری کی یہ کتاب بھی کبھی شائع نہیں ہوئی۔

توتا کہانی سید حیدر بخش حیدری کی تیسری کتاب ہے جو کہانی اور پلاٹ، اسلوب اور انداز بیان دونوں کے اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما پر ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں لکھی گئی۔ کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں:

چل بھائی! بس، بتاریخ بست و ششم شہر ذی قعدہ سنہ [illegible] در پنجشنبہ بوقت شام بخوبی تمام فضل خدا سے یہ قصہ شیریں کلام انجام کو پہنچا۔ اور توتا کہانی اس کا نام رکھا:

کہانی ہوئی ختم جب حیدری　　تو ہاتف نے نام اس کا سن کر کہا

سر راہ کو کھینچ کر تو نے خوب　　رکھا نام توتا کہانی بجا[2]

اس کا ماخذ فارسی کی کتاب محمد قادری کا طوطی نامہ ہے۔ فارسی میں اس کو ضیاء الدین نخشبی نے بھی لکھا ہے۔ لیکن یہ کہانیاں سنسکرت کی کتاب شکا سپتتی سے ماخوذ ہیں۔ سنسکرت کی کتاب میں ۷۰ کہانیاں تھیں نخشبی نے ان کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ محمد قادری نے اپنے ترجمے کے لئے صرف ۳۵ کہانیوں کو انتخاب کیا حیدری نے بھی صرف ۳۵ کہانیوں کا ترجمہ اردو میں کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ محمد قادری کی لکھی ہوئی کہانیاں ان کے پیش نظر رہی ہیں۔ دیباچے میں خود بھی لکھتے ہیں:

---

[1] حیدری: دیباچہ قصہ لیلیٰ مجنوں، گلدستہ حیدری قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن صفحہ ۱۴۸

[2] حیدری: توتا کہانی، قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن ص ۹۹-۱۰۰

"یہ سید حیدر بخش حیدری متخلص بہ حیدری شاہجہاں آبادی تعلیم یافتہ مجلس خاص نواب علی ابراہیم خاں بہادر مرحوم، شاگرد مولوی غلام حسین غازی پوری، دست گرفتہ صاحب عالی جناب، سخن داں، آبروبخش سخنوراں، معدن مروت و چشم فتوت دریائے جود و کرم، منبع علم و حلم، خداوند خدایگان، والا شان جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کا ہے۔ اگرچہ تھوڑا بہت ربط موافق اپنے حوصلے کے عبارت فارسی میں بھی رکھتا ہے لیکن بموجب فرمائش صاحب موصوف کے بارہ سو پندرہ ہجری مطابق اٹھارہ سو ایک عیسوی کے حکومت میں سرگروہ امیران جہان، حامی غریباں و بے کساں، زبدۂ نوآئینان عظیم الشان، مشیر خاص شاہ کیواں بارگاہ انگلستان، مارکوئس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے محمد قادری کے طوطی نامے کا جس کا ماخذ طوطی نامہ ضیاء الدین نخشبی ہے، زبان ہندی میں موافق محاورے اردوے معلےٰ کے نثر میں عبارت سلیس وخوب والفاظ رنگین ومرغوب سے ترجمہ کیا۔ اور نام اس کا توتا کہانی رکھا تاکہ صاحبان نوآموز کی فہم میں جلد آوے۔ اور یہ ہیچ مدان ہر ایک اہل سخن سے امید رکھتا ہے کہ جو کوئی چشم غور سے اس ترجمے کو ملاحظہ کرے، اور غلطی معنی یا نامربوطی الفاظ اس کی، اس کے نظر پڑے تو وہ شمشیر قلم سے مانند سر دشمن کے اس صفحۂ ہستی سے اسے اڑا دے۔

جو ہر اصلاح اس پہ رکھے قلم ۔۔۔ الٰہی نہ دینا کبھی اس کو غم

الٰہی بحق امام انام ۔۔۔ یہ جلدی ہو مجھ سے کہانی تمام[۵]"

یہ کتاب فورٹ ولیم کالج کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی آسان اور سادہ نثر کی روایت کا بہت اچھا نمونہ ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیدری نے فورٹ ولیم کالج میں آنے کے بعد وہاں کے مخصوص ماحول کے زیر اثر، اپنے اندر خاصی تبدیلی پیدا کی تھی۔

توتا کہانی کا سب سے اہم قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن کے کتب خانے میں ہے۔ پہلی بار یہ کتاب ۱۸۰۴ء میں شائع ہوئی۔[۶] اس ایڈیشن میں اردو کے سرورق پر ۱۸۰۳ء/۱۲۱۸ھ تاریخ چھپی ہوئی ہے۔ لیکن انگریزی کے سرورق پر ۱۸۰۴ء درج ہے۔ ہو سکتا ہے ۱۸۰۳ء میں اس کی طباعت کا کام شروع ہوا ہو اور ۱۸۰۴ء میں مکمل ہوا ہو۔ دونوں سرورقوں کی عبارتیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

۵۔ حیدری: توتا کہانی: قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن صفحہ ۲

۶۔ محمد عتیق صدیقی: گلکرسٹ اور اس کا عہد، ص ۱۹۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توتا کہانی ترجمہ محمد قادری کے طوطی نامہ کا بیچ کے لئے عہد میں زبدۂ نوآئینان عظیم الشان مشیر خاص
شاہ کیواں بارگاہ انگلستان مارکوئس ولزلی، گورنر جنرل بہادر دام ظلہٗ کے کیا ہوا منشی سید حیدر بخش حیدری
کا حکم سے خداوند نعمت جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہٗ کے

درسخن کو تو غواصِ بحرِ معنی پائے   وگرنہ کیسی ہی کوئی شناوری جانے

سنہ ۱۸۰۳ عیسوی

مطابق ۱۲۱۸ ہجری

ہندوستانی چھاپے خانے میں چھاپا گیا ہوا

منشی تبتو رام کا[۱]

TOTA KUHANEE

A TRANSLATION

into the Hindoostani Tongue
of the Popular Persian Tales

entitled

Tootee Namu

by

Sueyud Huedur Bukhshi Hueduree

under the superintendence of

Johm Gilchrist

For the use of the students

in the

College of Fort William

Calcutta

Printed at the Hindoostani Press, [2]
1804.

۱؎ حیدری: توتا کہانی: پہلا ایڈیشن (ہندوستانی پریس کلکتہ) ص۔۱
۲؎ ایضاً

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کے ایڈیشن کے علاوہ اس کا ایک ایڈیشن ۱۸۲۵ء میں ڈاکٹر ڈنکن فوربس نے لندن سے شائع کیا۔ لندن ہی سے ایک اور ایڈیشن ۱۸۳۵ء میں چھپا۔ ۱۸۷۲ء میں اس کا ایک اڈیشن مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس کے بعد نول کشور نے ۱۸۷۴ء سے ۱۹۲۲ء تک اس کے دس ایڈیشن شائع کئے۔ اس کے علاوہ دہلی کان پور اور لاہور سے بھی اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے[لے]۔ اس کتاب کے تقریباً تمام ایڈیشن برٹش میوزیم اور انڈیا آفس میں موجود ہیں۔ اس کا تازہ ترین ایڈیشن لاہور کی مجلس ترقی ادب نے شائع کیا ہے۔ بنگلہ، ہندی، انگریزی اور روسی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے اور ان کو اہتمام سے شائع کیا گیا۔ بنگلہ میں توتا اتہاس کے نام سے چندی چرن سیرام پوری نے اس کا ترجمہ کیا۔ اور ۱۸۰۲ء میں شائع کیا۔ انگریزی میں جارج اسمال نے اس کا ترجمہ کیا اور لندن سے ۱۸۷۵ء میں شائع کیا۔ ہندی میں شک بہتری کے نام سے نول کشور نے اس کا ترجمہ ۱۸۸۶ء میں شائع کیا[لے]۔

اس تفصیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کو کس قدر مقبولیت حاصل ہوئی۔

یہ کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے۔

اگلے دولت مندوں میں سے احمد سلطان نام ایک شخص بڑا مالدار اور صاحب فوج تھا۔ لاکھ گھوڑے پندرہ زنجیر فیل اور نو سو قطار بار برداری کے اونٹوں کی اس کے در دولت پر حاضر رہتی تھی۔ پر اس کے لڑکا بالا کوئی نہ تھا کہ گھر اپنے باپ کا روشن کرتا۔

اسی بات کا اس کے دل پہ تھا داغ　　　نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ

اسی واسطے صبح شام خدمت میں خدا پرستوں کی جاتا اور ان سے درخواست دعا کی کرتا۔

غرض تھوڑے دنوں کے بعد خالق زمین و آسمان نے ایک بیٹا خوبصورت، مہرچہرہ، ماہ جبین اسے بخشا۔ احمد سلطان اس خوشی سے گل کی مانند کھلا، اور نام اس کا میمون رکھا۔ کئی ہزار روپے فقیروں کو بخش کر سجدہ شکر کا بجالایا اور یہ بیت پڑھنے لگا۔

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار　　　نہ ہو تجھ سے مایوس امیدوار[سے]

لے حیدری: توتا کہانی (مقدمہ، مجلس ترقی ادب لاہور، ص۔ ۴۰

لے حیدری: توتا کہانی (مقدمہ، مجلس ترقی ادب لاہور، ص۔ ۴۰

سے حیدری: توتا کہانی (مجلس ترقی ادب لاہور) ۱۹۶۳ء، ص۔ ۳

حیدری کی یہ کتاب توتا کہانی اپنے انداز بیان اور موضوع دونوں اعتبار سے مقبول ہوئی۔ جیسا کہ مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہے اس کا انداز بیان اور اسلوب سیدھا سادہ اور دلکش ہے۔ موضوع میں یوں تو کوئی خاص بات نہیں لیکن اس سے اس وقت کے مشرقی مزاج اور اس علاقے کی روایت سے آشنا ہونے کا موقع ملتا ہے۔

توتا کہانی کے پہلے ایڈیشن میں ڈاکٹر گلکرسٹ نے ایک مختصر سا دیباچہ انگریزی لکھا ہے۔ چند سطروں میں انھوں نے اس کتاب کی بنیادی خصوصیات کو بڑی خوبی سے واضح کیا ہے۔ اصل عبارت پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"These popular tales have long been read and admired in the original Persian, in which language they were composed by Zia-Oodeenin Nukhshibee. They are now translated into Hindoostanee by Sueyud Huedur Bukhsh Hueduree of Shahjehanabad from an abridgment of the original made in the Persian tongue by Moohammud Qadiree.

The easy familiar style in which they are now translated, renders this work a desirable acquisition to the Hindoostanee Scholar, both for improving himself, in the idiom of the Rekhta, and giving him considerable information of the popular manners of Asia, of which these tales afford a correct and pleasing picture."[1]

حیدری کی ایک اور کتاب آرائش محفل ہے۔ یہ کتاب بھی حیدری نے فورٹ ولیم کے دوران قیام میں لکھی۔ اس کا سنہ تالیف ۱۲۱۶ھ ہے۔ اور یہ بھی ایک فارسی کتاب کا ترجمہ ہے جس میں انھوں نے اپنی طرف سے اضافے کیے ہیں تاکہ کہانی طولانی ہو جائے اور پڑھنے والے اس سے محظوظ ہوں۔ دیباچے میں لکھتے ہیں:

"الٰہی دے مجھے روشن بیانی — کہ تا دل پر کھلے راز نہانی
زباں کو مخزن تقریر کر دے — دہن کو گوہر معنیٰ سے بھر دے
کمیت خامہ کو میرے لگا پر — یم معنی میں مجھ کو آشنا کر

---

[1] حیدری: توتا کہانی (فورٹ ولیم) ص۔۳

پلا دے مجھ کو جامِ ارغوانی — کہ جس سے طے ہو حاتم کی کہانی
کہیں سن کر اسے اربابِ اردو — کہ ہے یہ گوہرِ نایابِ اردو

یہ قصہ عبارت سلیس سے زبانِ فارسی میں کسی شخص نے آگے لکھا تھا۔ اب اس سے حیدر بخش تخلص بہ حیدری، دہلی کے رہنے والے نے، امیر والا تدبیر، پشت و پناہ ہر پیر و جواں، دست گیر درماندگاں و بے کساں، نوشیروانِ وقت، ہمایوں بخت، زبدۂ نو آئینان، عظیم الشان، مشیر خاص شاہ کیوان بارگاہِ انگلستان مارکوئس ولزلی، گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کی حکومت میں، اور خداوند خدایگاں والاشان، عالی خاندان جان گلکرسٹ صاحب دام اقبالہ کے حکم سے سنہ بارہ سو سولہ ہجری اور اٹھارہ سو ایک عیسوی کے موافق اور سنہ جلوس تینتالیس شاہ عالم بادشاہ غازی کے مطابق، زبان ریختہ میں اپنی طبع کے موافق اس کتاب سے جو ہاتھ لگی تھی ترجمہ نثر میں کیا، اور اس کا نام آرائش محفل رکھا۔ مگر اکثر اس میں اپنی طبیعت سے، جہاں موقع اور مناسب پایا، وہاں زیادتیاں کیں تا کہ قصہ طولانی ہو جائے، اور سننے والوں کو خوش آئے۔[۴]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آرائش محفل ۱۸۰۱ء میں تالیف ہوئی لیکن خدا جانے کیوں سید محمد نے ارباب نثر اردو میں اور مولانا حامد حسن قادری نے داستان تاریخ اردو میں اس کا سنہ تالیف ۱۸۰۲ء لکھ دیا ہے۔ سید محمد لکھتے ہیں:

"حیدری کی دوسری مقبول اور مشہور کتاب آرائش محفل ہے۔ عبد الغفور نساخ نے سخن شعرا میں اس کا نام ہفت سیر حاتم بھی لکھا ہے۔ اس میں حاتم طائی سے متعلق قصص کو مربوط اور مسلسل بیان کیا گیا ہے۔ اور چونکہ اس کی سات سیریں بیان ہوئی ہیں، نساخ کا بتایا ہوا دوسرا نام بھی موافق موضوع ہے۔ یہ قصہ ابتداً فارسی نثر میں تھا۔ اس کو حیدری نے اوائل ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۲ء میں ڈاکٹر گلکرسٹ کے کہنے سے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔"[۵]

اور مولانا حامد حسن قادری لکھتے ہیں:۔

"آرائش محفل حیدری کی دوسری مشہور کتاب ہے۔ داستان حاتم طائی کی سیروں کا فسانہ ہے۔ اس لئے عبد الغفور نساخ نے اپنے تذکرۂ سخن شعرا میں حیدری کی اس کتاب کا نام ہفت سیر حاتم

---

۴ حیدری: آرائش محفل (مطبوعہ شعلۂ طور کان پور) ص ۲
۵ سید محمد: ارباب نثر اردو (لاہور ۱۹۵۰) ص ۷۶

لکھا ہے۔ حیدری نے ۱۸۰۲ء، مطابق ۱۲۱۶ھ میں ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش کے مطابق فارسی کی داستان کو اردو میں لکھا۔[1]

اس کتاب پر حیدری کو چار سو روپے کا انعام بھی ملا تھا۔[2] گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ میری نظر سے صرف وہ ایڈیشن گزرا ہے جو عرصہ ہوا مطبع شعلۂ طور بلدۂ کان پور سے شائع ہوا تھا۔ اس پر اشاعت کی تاریخ درج نہیں ہے۔ اسی نسخے سے یہ عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے:

لکھنے والے نے یہ لکھا ہے کہ اگلے زمانے میں طے نام یمن کا بادشاہ نہایت صاحب حشم، عالی جاہ، فوج کی طرف سے فرخندہ حال، زر و جواہر سے مالا مال، اس کی رعیت بیزدہ ہزار اور سپاہ بے شمار، القصہ اپنے چچا کی بیٹی کو نکاح میں لا کر ثمر جاودانی کا امیدوار ہوا۔ بارے خدا کے فضل سے کتنے دنوں میں اوسی بیگم سے ایک لڑکا مہر لقا پیدا ہوا۔ یہ خبر فرحت اثر سن کر اوس نے حکیموں، منجموں، رمالوں، پنڈتوں کو بلوا کر کہا کہ تم اپنی عقل کی رسائی اور پوتھی قرعہ کی رو سے دریافت کرو اور بچار و دیکھو تو اس لڑکے کے نصیب کیسے ہیں؟۔ انھوں نے جو دریافت کیا تو ہر طرح سے اُس شہزادے کو صاحب اقبال پایا۔ عرض کی کہ خداوندا ہم کو تو اپنے علم سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحبزادہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوگا اور تمام عمر برائے کام کیا کرے گا۔ اور اس نام مہر سپہر کی طرح قیامت تک دنیا میں جلوہ گر رہے گا۔[3]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی سادہ، سلیس، رواں اور مجموعی طور دلکش انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب بھی حیدری کا ایک تخلیقی کارنامہ ہے۔

فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہونے کے بعد جب حیدری کو ذرا اطمینان نصیب ہوا تو انھوں نے اپنی بعض بکھری ہوئی تحریروں کو یکجا کیا اور اس کا نام "گلدستۂ حیدری" رکھا۔ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"حاصل کلام اس گفتگو سے یہ ہے کہ خدمت گزاری سے بزرگوں کی اور فرمانبرداری سے دوستوں

---

[1] حامد حسن قادری: داستان تاریخ اردو (آگرہ ۱۹۴۱ء) ص ۹۹ [2] محمد عتیق صدیقی: گلکرسٹ اور اس کا عہد (علی گڑھ) ص ۱۷۲

[3] حیدری: آرائش محفل (مطبع شعلۂ طور، کان پور) ص ۲-۳

کی اس فقیر کو فرصت اتنی نہ ملی کہ جو کچھ واہیات بکا تھا اسے جمع کرتا۔ اب بارہ سو پندرہ میں عنایات و تفضلات سے صاحبان عالیشان والا خاندان مسترجان گلگرست صاحب بہادر دام اقبالہ کی ایک صورت اطمینان کی ہے اور مفارقت میں یارانِ قدیم دوستان صمیم کی اوقات یوں ہیں گزرتی ہے۔ اس واسطے چند قصے زبانِ ریختہ ہندی میں موافق اردوے معلےٰ کے نثر کئے گئے، جیسے قصہ حاتم طائی اور مہرو ماہ کا قصہ اور طوطی نامہ نخشبی اور قصہ لیلیٰ مجنوں کہ جو حضرت امیر خسرو دہلوی مرید حضرت نظام الدین اولیانے اپنے خمسے میں لکھا ہے، لکھے گئے۔ اور چند اشعار پریشان اور کئی مخمس و چند قطعہ جو اس ہیچ مدان نے تصنیف کئے، سو احاطہ تحریر میں آئے۔ اور اس مجموعہ بے سررشتہ و بے محاورہ کو جو اس بے سروپانے جمع کیا ہے، نام اس اوراقِ پریشاں کا گلدستۂ حیدری رکھا ہے[۵۱]۔

اس قلمی نسخہ میں حیدری کی کئی اہم تصانیف شامل ہیں۔ سب سے پہلے تو اس میں کچھ قصے ہیں جو اپنے موضوعات اور اندازِ بیان دونوں اعتبار سے دلچسپ ہیں۔ میں نے ان قصوں کو مرتب کرکے ”مختصر کہانیاں“ کے نام سے شائع کردیا ہے۔ یہ کہانیاں ”نہ صرف اردو کی ادبی نثر کا اعلیٰ نمونہ ہیں بلکہ مختصر افسانے کی فنی روایت میں بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ ان میں مختصر افسانے کے فن کی جھلکیاں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ ان کے موضوعات زندگی کے عام معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب کسی نہ کسی بنیادی خیال کے گرد گھومتی ہیں۔ ان میں سے اکثر میں وحدت تاثر کا پہلو بھی اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ تہہ داری اور رمز و ایما کی خصوصیت بھی ان میں سے اکثر میں موجود ہے۔ ان کا مواد آس پاس اور گرد و پیش کی زندگی سے حاصل کیا گیا ہے۔ اسی لئے ان میں زندگی کے جذباتی اور ذہنی، معاشرتی اور تہذیبی مسائل فن کے سانچے میں ڈھلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور یہی ان کی سب سے بڑی خوبی ہے[۵۲]۔“

ایک کہانی یہاں نمونے کے طور پر نقل کی جاتی ہے:

”سنا ہے کہ ایک سوداگر بچہ نوجوان عالی خاندان بیس اکیس برس کا سن و سال، دنیا کی دولت سے مالا مال، فارغ البال ہمیشہ اپنے شہر میں رہا کرتا

ایک دن اس کی جورو نے کہا ”میاں تم مرد ہو۔ تمہارا اس صورت سے گھر میں بے حس و حرکت

---

۵۱ حیدری: گلدستۂ حیدری: قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن۔ ص ۱

۵۲ ڈاکٹر عبادت بریلوی: مقدمہ مختصر کہانیاں۔ اردو دنیا کراچی (۱۹۶۳ء) ص ۶۰۔ ۶۵

بیٹھ رہنا اچھا نہیں کیونکہ آدمی کو بے رنج راحت نہیں اور زر کو برکت بے تجارت۔ اسی طرح سے اگر گزران کروگے تو قارون کے خزانے سے بھی عہدہ برآ نہ ہوسکوگے جس سے بہتر یہی ہے کہ سفر کرو۔ کچھ دنیا کے کاروبار سے بھی واقف ہو۔" اس واسطے کہ وہ گھر سے نکلے تو وہ اپنے یار سے چین کرنے لگے۔"

غرض بہ ہزار خوبی اس نے اسے گھر سے نکالا۔

جب وہ پردیس چلا ہر ایک عورت نے اپنے حوصلے کے مطابق سوغات کو کہہ دیا اور اس کی جورو نے بھی کہا کہ "صاحب میرے واسطے، اگر ہاتھ لگے، تو ایک سیر بھر چرتر لانا۔" آخر وہ ایک جہاز پر سوار ہوا اور کسی شہر کا رستہ پکڑا۔ بعد دو چار مہینے کے ایک ملک میں جا پہنچا اور خرید و فروخت کرنے لگا۔ جب اپنا مال بیچا تب سوغات کی جنس اپنے لوگوں کی ڈھونڈھنے لگا۔ جس جس چیز کو کہا تھا سو سو سب میسر آئی مگر چرتر کی جنس کہیں نہ پائی۔ لاچار ہو کر اپنے جہاز کی طرف پھرا۔

اتفاقاً راہ میں ایک بڑھیا ملی اور اسے متفکر دیکھ کر کہنے لگی کہ "واری گئی تو کس واسطے حیران ہے؟"

اس نے کہا کہ "ماما! میں نے بہت سا اسباب واسطے سوغات کے لیا ہے مگر چرتر کی جنس نہیں ملتی۔ اس لئے غمگین ہوں کہ بی بی کو کیا جواب دوں گا۔"

اس نے کہا "بیٹے! اگر چھ مہینے میرے پاس رہنا قبول کرے تو وہ چرتر کون چیز ہے، میں خرید دوں گی۔"

اس نے یہ بات مانی اور صحبت بڑھیا کی غنیمت جانی۔

حاصل کلام اس نے اس کے سر کے بال کئی مہینے میں بڑھائے اور عروسانہ کپڑے پہنائے۔ دلہنوں کی سی صورت بنا کر بادشاہ کے پاس لے گئی اور عرض کرنے لگی کہ "جہاں پناہ! اس عورت کا خاوند سپاہی ہے۔ وہ زبردستی اس کو میرے پاس چھوڑ گیا ہے۔ میں رنڈیا دکھیا اس جوان جہان جی کو اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں کیونکر رکھوں؟ آپ جہاں پرور ہیں اس کو محل مبارک میں داخل کریں۔ جب وہ نگوڑا آوے گا تب سمجھا جاوے گا۔"

بادشاہ نے یہ بات بڑھیا کی پسند کی اور وزیر سے کہا کہ "بیٹا تیرا پردیس گیا ہے۔ اس کی بی بی اکیلی رہتی ہوگی۔ جس سے بہتر یہی ہے کہ اس عورت کو اپنے گھر لے جا اور بہو سے ملا دے۔ یہ دونوں آپس میں خوش رہیں گی اور باتیں پیار کی کریں گی۔"

وزیر نے یہ حکم بادشاہی قبول کیا۔ اس عورت کو اپنے گھر لے لیا اور کہنے لگا کہ "بابا! جب تک

تمہارا خاوند سفر سے پھرے تب تک اس کو اپنے ساتھ رکھو، میری بھی اس میں خوشی ہے اور بادشاہ کی بھی مرضی یہی ہے۔"

غرض اس عورت کو وزیر کی بہو نے اپنے ساتھ رکھا اور ربطِ دوستی نہایت بہم پہنچایا ایک دن وہ دونوں کوٹھے پر کھڑیاں تھیں اور دور دور نظریں دوڑاتیاں تھیں کہ اتنے میں ابر گھِر آیا، مینھ برسنے لگا۔ ہوا ٹھنڈی چلی۔ ان کو بے کلی ہوئی۔ جوانی نے ستایا۔ سبزہ لہکا۔ دل بوس و کنار کو چلا۔ وزیر کی بہو نے بے قرار ہو کر اس کو سنایا کہ "بی بی! اگر ہم میں سے اس وقت ایک مرد ہو تو کیا خوب ہو۔ بے کھٹکے رہیں اور عیش و عشرت کریں۔"

اس نے اپنی دانائی سے معلوم کیا کہ اس وقت اس کا جی ایک مرد کی خواہش رکھتا ہے حقیقت میں تو مرد تھا ہی، اس کو بھی ایک جوانی کی ترنگ آئی اور حرص دنیوی غالب ہوئی۔ بہ طور لگاوٹ کے بات اس نے کہی کہ "بی بی! اس وقت ہم تم نماز پڑھیں۔ اور دعائیں مانگیں۔ خدا کریم کارساز ہے شاید ہم میں سے ایک کو مرد کر دے۔"

یہ سخن دونوں نے ٹھہرایا اور دعا کی خاطر ہاتھ پھیلایا۔

بعد ایک ساعت کے وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ "میری دعا تو جناب الٰہی میں مستجاب ہوئی اس نے اپنے کرم سے مجھے علامتِ مردبخشی۔ اب آپ اِدھر تشریف لائیں۔ کچھ ہم سے مل کر حظ دنیوی اٹھائیں۔"

یہ بات سن کر وہ خوش ہوئی اور دوڑ کر اس کے گلے لپٹ گئی۔ پھر تو وہ دونوں بخوبی اختلاطیں کرتے تھے اور چین اٹھاتے تھے۔

بعد کئی مہینے کے اس کا شوہر آیا۔ وزیر نے اپنی بہو سے کہا کہ "بابا! تمہارا خاوند آیا ہے۔ اب اس عورت کو نیچے کے مکان میں جگہ دو اور تم اپنے دولہا سمیت اوپر کے مکان میں رہو۔"

یہ بات اس نے اپنے سسر کی طوعاً و کرہاً قبول کی اور خاوند کے ساتھ رہنے لگی۔ بعد دو چار دن کے آدھی رات کو ایک خنجر تیز سے اپنے خاوند کو ذبح کیا اور لاش اس کی مع سر دریا میں بہا دی تعشق سے۔ بھری اس کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ "میں نے تیرے واسطے اپنا خاوند مارا۔ اگر مجھ کو اب سے آدھ بھرنا ہے تو لے۔ اور ایسا وقت پھر نہ پائے گا۔ مثل مشہور ہے شب حاملہ فردا چہ زاید۔"

وہ یہ سخن سنتے ہی کہنے لگا کہ "بی بی! میں احمق نہیں کہ تجھ سی قصابن کو ساتھ رکھوں کہ وقت بے وقت اپنے تئیں بھی ذبح کروا دُوں۔"

یہ کہہ بھاگا اور بڑھیا کے گھر کا رستہ پکڑا۔

جب اس نے دیکھا کہ خصم کا خصم موا اور یار کا یار جدا ہوا تب لاچار ہو کر وہاں سے پھری اور اپنے بچھونے پر جا کر سو رہی۔

صبح کو سسر نے آ کر پوچھا کہ "بہو! تمہارا خاوند گیا ہوا ہے؟"

اس نے کہا کہ "بابا جان! پچھلے پہر وہ میرے پاس سے اٹھ اور اس سپاہی کی جورو کو اپنے ساتھ لے کر خدا جانے کہاں چلے گئے۔"

یہ سن کر وزیر کو دو غم ہوئے۔ ایک تو بیٹے کا چھٹنا۔ دوسرے امانت میں خیانت کا پڑنا۔ لاچار کیا کرتا۔ ہاتھ سے بازی جا چکی تھی۔ چپ ہو رہا۔

اور وہ اسی زنانے لباس سے بڑھیا کے پاس گیا اور احوال گزشتہ کہنے لگا۔

یہ بات سن کر وہ خوش ہوئی اور بولی "واری گئی اگر عقل رکھتا ہوگا تو احوال چر تر کا معلوم کرے گا۔"

غرض صبح کو اس کا سر منڈا، مردانے کپڑے پہنا، سپاہیوں کی صورت بنا بادشاہ کے پاس لے گئی اور عرض کرنے لگی کہ "یہ وہی سپاہی جاہل ہے کہ جس کی عورت محل میں داخل ہے۔ اب یہ حضور میں آیا ہے۔ اس کی امانت اسے ملے۔"

بادشاہ اس کی شیریں سخنی سے خوش ہوا۔ وزیر سے کہنے لگا کہ "اے خیر اندیش و نیک نظر! اس کی عورت کو اس کے حوالے کر۔"

وزیر یہ سخن سن کر متفکر ہوا اور اپنے جی میں ارادہ کرنے لگا کہ وہ تو اس کی جورو لے گیا ہے، تو اس کی جورو اس کے حوالے کر کیونکہ تو بھی سرخرو پیش شاہ بحر و بر ہو اور جبر و نقصان برابر ہو۔

یہ بات ٹھہرائی اور اس سپاہی کو اپنے گھر لا کر اپنی بہو بہ منت اس کے حوالے کی۔

وہ اس عورت کو لئے ہوئے پھر بڑھیا کے پاس گیا۔ وہ ان دونوں کو دیکھ کر ہنسی اور کہنے لگی کہ "مبارک! کل اپنے جہاز یہاں سے کھلوائیے اور بھرے پُرے اپنے شہر تشریف لے چلئے

کچھ بٹے بازی یہاں دکھلائی ہے، اور کچھ کارستانی وہاں دکھلاؤں گی۔"

غرض اس عورت اور اس سوداگر بچے کو بعد کئی مہینے کے اس کے شہر میں لائی اور کہنے لگی کہ "تو اپنے گھر کہلا بھیج کہ میں خدا کے فضل سے آج اس شہر میں داخل ہوا لیکن تاریخ منحوس کے باعث گھر میں نہیں آسکتا، انشاءاللہ تعالیٰ تڑکے آؤں گا۔

یہ خبر سنتے ہی اس کی جورو ظاہر تو خوش ہوئی پر باطن میں مر ہی گئی۔ وہ چار گھڑی رات گئے اپنے یار کو بلوا کر کہنے لگی "صاحب وہ کمبخت تو آ پہنچا، بہتر یہی ہے کہ آج ہم تم دل کھول کر عیش و عشرت کریں۔ کل خدا جانے کیا ہو۔ مثل مشہور ہے۔ بیت

یہ دو دل کو ایک جا بھاتا نہیں　　کسی کا اسے وصل بھاتا نہیں

یہ کہہ کر شرابیں منگوائیں اور بدمستیاں شروع کیں۔ گلے میں بانہیں ڈال کر لیٹے اور بہ فراغت تمام سو رہے۔

جب آدھی رات کا عمل ہوا تب وہ بڑھیا ایک خنجر اپنی کمر سے لگا کر جہاز سے اتری اور اس سوداگر بچے کے گھر کسی سبب سے گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ سوداگر بچے کی جورو اور ایک مرد نوجوان آپس میں لب سے لب ملائے چھاتی سے چھاتی بھڑائے عالم عیش میں بستر راحت پر پڑے ہیں۔

یہ تماشا دیکھتے ہی اس نے خنجر کو کمر سے نکالا اور اس مرد کا سر کاٹ ڈالا۔ دھڑ تو وہیں چھوڑا۔ سر رومال میں باندھ کر وہاں سے لے اُڑی اور سوداگر بچے کے پاس آکر کہنے لگی کہ "صبح کو دو چار گھڑی دن چڑھے اس سر کو مع اسباب سوغات اپنے گھر لے جا۔ جس وقت وہ لوگ تجھے دیکھیں اور اپنی اپنی سوغات طلب کریں، اسی وقت ہر ایک کی امانت ہر ایک کے حوالے کرنا اور اپنی بی بی سے کہنا کہ "صاحب! آپ بھی ادھر آئیں اور اپنی سوغات آپ نے تو سیر بھر چرتر منگوایا تھا، میں سوا سیر لایا۔ اس کو لو اور میری محنت کی داد دو!" یہ کہہ کر وزیر کی بہو کو سامنے کر دینا اور اس کو اس کی گود میں دھر دینا۔"

غرض صبح کو وہ سوداگر بچہ ان دونوں کو لے کر اپنے گھر گیا، اور اس بڑھیا کے کہنے کے بموجب اپنے عمل میں لایا۔ چنانچہ ہر ایک کی سوغات دے کر وزیر کی بہو کو اپنی بی بی کے سامنے کھڑا کیا۔ اور اس کو اپنی گود میں دھر کر کہنے لگا کہ "بی بی! تم نے سیر بھر کہا تھا، میں سوا سیر لایا ہوں۔ دیکھو سیر بھر تو

یہ عورت ہے کہ جس نے میرے واسطے اپنے شوہر کو مارا اور یا دُ سیر یہ ہے کہ جس کا سر تمہاری گود میں گیا۔ اپنے دل کی ترازو میں تول لو اور سچے من سے جواب دو! دیکھو تو کچھ تمہارے چترسے میران بنتی ہے یا نہیں ؛ سچ کہو!"

جوہیں اس نے وہ سر دیکھا وہیں شرمندہ ہوئی اور چاہتی تھی کہ گردن نیچی کرے کہ اتنے میں اس نے تلوار کمر سے لی۔ پہلے تو وزیر کی بہو کا سر کاٹا۔ پھر اپنی بی بی کا کام تمام کیا۔ پھر جب تک جیا پھر رنڈی کا نام نہ لیا۔[1]"

گلدستۂ حیدری میں حیدری کا لکھا ہوا شعرائے اردو کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ اس کا نام گلشن ہند یا گلشن ہندی ہے۔ یہ تذکرہ انھوں نے ۱۲۱۴ھ میں لکھا۔ جیساکہ اس قطعہ سے ظاہر ہے:

مرتب کرچکا جب تذکرہ میں   زروئے حق یہ بولے شیخ اور رند
کہی تاریخ اس کی حیدری خوب   اسے کہتا ہے ہر ایک گلشن ہند[2]

"بعد اس کے صاحبان طبیعت پر معلوم ہو کہ سید حیدر بخش متخلص بہ حیدری خلف سید ابوالحسن نجفی ساکن دلی۔ شاگرد قبلہ کونین مولوی غلام حسین غازی پوری تعلیم یافتہ مجلس نواب[3] ابراہیم علی خاں بہادر مرحوم سنہ بارہ سو چودہ ہجری میں اکیسویں رجب کو تری کی راہ میں بنارس سے مرشدآباد کی طرف روانہ ہوا۔ بعد قطع منزل غازی پور کے قریب پہنچا۔ وہاں مرزا محمد علی مرزا محمد فاضل کے بیٹے، دلی کے رہنے والے سے، کہ وہ بھی ایک کشتی میں سوار ہوئے، اسی سمت کو آتے تھے، ملاقات ہوئی۔ صاحب سلامت پیدا کی۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات ان کے پاس جاکر بیٹھا کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھی مہربانی فرماتے تھے اور طبع بھی موزوں رکھتے تھے۔ اسی سبب سے ذکر شعر وسخن باہم ہوا کرتا تھا۔

ایک دن وہ کہنے لگے کہ میرے پاس ہندی کے دیوان متعدد ہیں۔ ان کی سیر کرو اور اچھے اشعار ان میں سے انتخاب کرکے ترتیب دو جو تمہاری یادگاری رہے۔

اگرچہ طبیعت فقیر کی صعوبات سفر اور تکالیف زمانے سے ہر آن مشوش رہتی تھی لیکن ان کی

---

[1] ڈاکٹر عبادت بریلوی: مختصر کہانیاں۔ حیدری: اردو دنیا کراچی۔ ص ۲۰-۷۵
[2] حیدری: تذکرہ گلشن ہند (گلدستہ حیدری) قلمی نسخہ آکسفورڈ
[3] اصل متن میں نواب ابراہیم علی خاں ہے۔ علی ابراہیم خاں ہونا چاہیے۔ حیدری سے سہو ہوا ہے۔

خاطر از بس کہ عزیز تھی، دے دیوان دیکھے۔ موافق اپنے حوصلے کے اشعار چنے، اور نام ان کے مصنفوں کے بقدر تحقیقات کے احاطۂ تحریر میں لاکر اس تذکرہ کا نام گلشن ہند رکھا[۵]۔

حیدری کا تذکرہ بہت مختصر ہے۔ اس میں شاعروں کے حالات بھی کم ہیں، اور انتخاب کلام بھی بہت معمولی سا ہے۔ اس کا انداز یہ ہے:

"آفتاب تخلص مہر سپہر جہانبانی، شاہ عالم پادشاہ ابن عالمگیر ثانی کہ بیالیس برس سے تاحال سنہ بارہ سو چودہ ہجری، اوپر سریر سلطنت کے مانند مہر سپہر کے جلوہ گر ہیں۔ اور آفتاب تخلص رکھتے ہیں۔ یہ تصنیف خاص ہے۔

شب دل آرام سے گزرتی ہے — صبح تو جام سے گزرتی ہے
اب تو آرام سے گزرتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے

نواب آصف الدولہ وزیر الممالک آصف جاہ یحییٰ خاں بہادر ہزبر جنگ مرحوم، ابن نواب شجاع الدولہ مغفور بن نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ مبرور ـــــ جود و سخا میں یکتائے دہر تھے۔ اور آصف تخلص رکھتے تھے۔ یہ تصنیف خاص ہے:

دل ہمارا خانۂ اللہ تو مشہور تھا — سو بتوں کے عشق میں اب وہ بھی بت خانہ ہوا
جس جگہ آنسو گرے ہے آبلہ پڑ جائے ہے — آب سے آتش ہوئی کیونکہ بہم کیا جانیے
پوچھتے کیا ہو شب ہجر کی حالت یارو — میں ہوں اور رات ہے اور عالم تنہائی ہے
آصف نہ چھوڑ دست سخاوت کو زینہار — لایا ہے کچھ نہ ساتھ نہ جاوے گا کچھ لئے[۶]

یہ تذکرہ کبھی شائع نہیں ہوا۔ میں نے اس کو مرتب کرکے پریس میں دے دیا ہے۔ انشاء اللہ جلد شائع ہو کر سامنے آجائے گا۔

گلدستۂ حیدری میں حیدری کا وہ دیوان بھی شامل ہے جو اس وقت شائع کیا جا رہا ہے۔ اس دیوان کی تفصیل اس سے قبل اسی مقدمے میں پیش کی جا چکی ہے۔

حیدری کی یہ کتاب گلدستۂ حیدری اشاعت کے لئے فورٹ ولیم کالج نے منظور کر لی تھی تین سو

---

[۵] حیدر بخش حیدری: تذکرہ گلشن ہند قلمی نسخہ باڈلین لائبریری آکسفورڈ۔

[۶] حیدری: تذکرۂ گلشن ہندی (گلدستۂ حیدری) قلمی نسخہ باڈلین لائبریری آکسفورڈ

صفحات تھے اور اس انھیں دو سو روپے کا انعام ملا تھا۔[1] لیکن یہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔

ہفت پیکر بھی حیدری کی اہم تالیف ہے۔ یہ ایک منظوم مثنوی ہے جو ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں لکھی گئی۔ مرزا کاظم علی جوان نے اس کی تاریخ "جانِ تازہ ہفت پیکر یہ ہوئی" نکالی تھی۔ اس کا ایک نسخہ شاہانِ اودھ کے کتب خانے میں تھا لیکن یہ کبھی شائع نہیں ہوئی۔[2] اس کا کوئی قلمی نسخہ مجھے انگلستان میں بھی دستیاب نہیں ہوا۔

حیدری نے تاریخ نادری کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ اصل کتاب محمد مہدی ابن محمد نصیر استرآبادی نے تاریخ جہاں کشائے نادری کے نام سے فارسی میں لکھی تھی۔ یہ نادر شاہ کے ہمعصر تھے۔

اس کتاب میں نادر شاہ کے مفصل حالات ہیں۔ حیدری نے اس کتاب کا ترجمہ ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۹ء میں کیا۔ یہ کتاب نایاب ہے۔[3] انگلستان کے دوران قیام میں باوجود کوشش کے مجھے اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا۔

بعض لکھنے والوں کا خیال ہے کہ حیدری نے جامع القوانین کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی تھی اس کتاب کے دو سو صفحات تھے اور اس پر انھیں سو روپے کا انعام ملا تھا۔ محمد عتیق صدیقی نے گلکرسٹ اور اس کا عہد میں چند ایسی کتابوں کی فہرست دی ہے جو فورٹ ولیم کالج میں طباعت کے لئے تیار کی جا رہی تھیں، ان میں اس کتاب کا نام بھی ہے۔[4] سید محمد اور حامد حسن قادری کو اس کتاب کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکی مجھے انگلستان کے دورانِ قیام میں، باوجود کوشش کے اس کا بھی کوئی نسخہ نہیں ملا۔

حیدری کی آخری تالیف 'گلِ مغفرت' ہے۔ یہ کتاب انھوں نے ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء میں لکھی۔ یہ کتاب ملا حسین واعظ کاشفی کی کتاب روضۃ الشہدا سے ماخوذ ہے۔ پہلے حیدری نے اس کتاب کو گلشنِ شہیداں کے نام سے اردو میں منتقل کیا تھا۔ پھر شہدائے کربلا کے حالات اس میں سے نکال کر ایک کتاب مرتب کی اور اس کا نام 'گلِ مغفرت' رکھا؛ اور یہ سب کچھ ایک دوست کے کہنے پر کیا۔ دیباچے میں لکھتے ہیں:

"بعد اس کلام متبرک کے صاحبانِ درد و غم و مبتلایانِ رنج و الم پر ظاہر و ہویدا ہووے کہ

---

[1] محمد عتیق صدیقی: گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص ۱۷۰

[2] سید محمد: اربابِ نثر اردو: مطبوعہ لاہور۔ ص ۷۹

[3] حامد حسن قادری: داستان تاریخ اردو (آگرہ) ص ۹۵

[4] محمد عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد: ص ۱۷۵

اس حیدر بخش حیدری نے کتاب گلشن شہیداں سے، جس کو پہلے روضۃ الشہدا سے زبان ریختہ میں ترجمہ کیا تھا، اب شہر محرم الحرام کی بیسویں تاریخ سن بارہ سو ستائیس ہجری میں جناب فیض مآب گل و گلزار معانی، شمع بزم نکتہ دانی، گوہر بحر سیادت و امامت، سرو جویبار گلشن شرافت و نجابت مولوی سید حسین علی جون پوری زاد الطافہ کے ارشاد کرنے سے، جن کی خدمت فیض درجت میں، اس ہیچ مدان کو ایک رسوخ ادبی دنیا زباطنی ہے، اس نسخہ کو انتخاب کیا، اور نام اس کا گل مغفرت رکھا، اس لئے کہ ہر ایک خاص و عام کی نظر اشرف سے گزرے، مقبول خاطر و عاطر ہووے۔[۵۱]

گل مغفرت ۱۸۱۲ء مطابق ۱۲۲۶ھ میں کلکتہ کے ہندستانی چھاپے خانے میں چھپی۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت ملتی ہے:

"نسخہ گل مغفرت، لکھا ہوا سید حیدر بخش حیدری کا، عہد حکومت میں زبدۂ نو آئینان عظیم الشان مشیر خاص شاہ کیوان بارگاہ انگلستان نواب مستطاب لارڈ منٹو گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ و افضالہ کے سنہ بارہ سو چھبیس ہجری مطابق اٹھارہ سو بارہ عیسوی کے دارالامارت کلکتہ کے ہندستانی چھاپے خانے خاص و عام کے فائدے کی خاطر چھپوایا گیا۔"[۵۲]

اب اس کو مجلس ترقی ادب لاہور نے بھی شائع کر دیا ہے۔

گل مغفرت کا انداز یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی مجلس حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی وفات کی۔

جو اشک گرے بہر جگر گوشۂ زہرہ ہے لاکھ عبادات سے بہتر یہ عبادت
اے حیدری آنسو نہ سمجھ اس کو سنا ہے کہتے ہیں اسے اہل نظر بحر شفاعت

اے مومنو! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت رسالت پناہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی محفل عزا میں بیٹھو۔ اپنی صدف چشم سے گوہر سرشک بہاؤ۔[۵۳] ص ۲۰۸۔

---

[۵۱] حیدری: گل مغفرت: (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۱۲ء) ص ۷-۸ [۵۲] ایضاً ص ۱

[۵۳] حیدری: گل مغفرت: (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۱۲ء) ص ۸-۹

دوسری مجلس جناب سیدۃ النسا فاطمہ زہرہ بنت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی۔

خوشا وہ چشم جو ہو نم حسین کی خاطر   خوشا وہ دل جو کرے غم حسین کی خاطر
زہے وہ محفل شادی زہے وہ بزم سرُور   کہ جس میں کیجیے ماتم حسین کی خاطر

اے مومنو! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے لباسِ حیات اپنے جسم مطہر سے اتارا اور سفرِ آخرت کے اسباب کا تہیہ کیا۔[۵۱] ص ۲۸ - ۲۹

تیسری مجلس حضرت مرتضیٰ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے شہید ہونے کی۔

اے محبو! بیٹھے کیا ہو گریہ وزاری کرو   جانشین مصطفےٰ پر آج خونباری کرو
حیدری ہو واسطے حیدر کے سر کو پیٹ پیٹ   اس ولی اللہ کی دل سے عزاداری کرو

اے مومنو! آل عبا کے عزادارو! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام کی بعضی بعضی فضیلت اور شہادت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سنو اور چشمۂ چشم سے دریائے سرشک بہاؤ۔[۵۲] ص ۴۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوتھی مجلس حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے اور اس دنیائے دوں سے سفر کرنے کی

اے چشم اشک بار نہ رونے میں کر کمی   جوں مردمک لباس کر اپنا تو ماتمی
اس بزم میں دے بہرِ خدا خونِ دل بہا   ٹک دیکھ یاں ہے فاطمہؑ اہلِ عزا بنی

اے یارو! آل عبا کی بزم کے بیٹھنے والو! وائے جناب حسنین کی محفل عزا کے سنوارنے یارو! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ رود اور لختِ جگر چشم تر سے بہاؤ۔[۵۳] ص ۶۵۔

پانچویں مجلس حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے شہید ہونے کی۔

دریائے خوں اے مومنو آنکھوں سے دو بہا   بہرِ حسین تشنہ لب و شاہ کربلا
ہے سرخروئی تم کو اسی سے بہ روزِ حشر   پیش رسولؐ و فاطمہؑ و پیش مرتضےٰؑ

اے مومنو! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت مسلم ابن عقیل کے شہید ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی بے کسی اور تنہائی پر رو، و چشمۂ چشم سے خون دل بہاؤ۔[۵۴]

---

۵۱ حیدری: گل مغفرت (کلکتہ) ص ۲۸
۵۲ حیدری: گل مغفرت (کلکتہ) ص ۴۷
۵۳ ایضاً ص ۶۵
۵۴ ایضاً ص ۸۵

چھٹی مجلس حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کے صاحبزادوں بے کسوں کے شہید ہونے کی

کیوں نہ ہوں اس غم میں آنسو اپنی آنکھوں سے رواں — غم الم کو دیکھ کر روتا ہے ہر شب آسماں

ہے غضب وہ حضرت مسلم کے دونوں نورِ عین — تشنہ لب دریا کنارے قتل ہوں اے مومناں

اے مومنو! یہ شب وہ شب ہے کہ جس میں حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے صاحبزادوں کی شہادت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حیدری کی ایک اہم کتاب گلزار دانش ہے جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ یہ کتاب انھوں نے لکھی ضرور تھی لیکن اب نایاب ہے لیکن اس کا قلمی نسخہ مل گیا ہے، اور اب یہ شائع کی جارہی ہے۔

سید حیدر بخش حیدری کے حالات و تصانیف کی اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ فورٹ ولیم کالج کے سب سے اہم مصنف تھے۔ انھوں نے اچھی خاصی تعداد میں نثر کی کتابیں لکھیں اور آسان اور سادہ نثر کا وہ اسلوب بھی پیدا کیا جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ انھوں نے صرف ترجے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں کیا، طبع زاد ادبی تخلیقات کو پیش کرنے میں بھی پیش پیش رہے۔ ان کی پرواز صرف روایتی انداز کی داستانوں تک ہی محدود نہیں رہی، انھوں نے بعض نئی اصناف ادب کا تجربہ بھی کیا۔ انھوں نے صرف آسان اور سادہ نثر کی طرف توجہ ہی نہیں کی، ایک بڑے ہی دلکش اور دلآویز اسلوب کی طرح ڈالی — اور اس اعتبار سے وہ اردو نثر کے ایک اہم صاحب طرز انشاپرداز اور ایک منفرد تخلیقی فن کار نظر آتے ہیں۔

یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

۲۵ جنوری ۱۹۷۶ء

عبادت بریلوی

حمد

حمد کرتا ہوں اس خالق بے ہمتا کی کہ جس نے ایک کن میں کون و مکاں کو پیدا کیا اور اپنے مہر و کرم سے شاہدانِ مہر و ماہ کو جلوہ دیا۔ جنابِ فیض مآب رسالت پناہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم کو مبعوث کر کے ہم گناہ گاروں کی شفاعت کے واسطے رحمۃً للعالمین کے خطاب سے سرفراز فرمایا کہ وہ ہم گمراہوں کا رہنما و شفیع ہوا۔ رحمت خدا کی نازل ہوجیو اُس پر اور اس کی آل پاک و ... برحق پر۔ نظم

وہ معبود یکتا خدائے جہاں — کہ جس نے کیا کن میں کون و مکاں
دیا فہم و ادراکٗ اس نے ہمیں — کیا خاک سے پاکٗ اس نے ہمیں
پیمبرؐ کو بھیجا ہمارے لئے — وصی و امام اس نے پیدا کئے
جہاں کو انھوں نے دیا انتظام — برائی بھلائی سجھائی تمام
دیکھائی انھوں نے ہمیں راہ راست — کہ تا ہو نہ اُس راہ کی بازخواست
سو وہ کون سی راہ شرع نبی — کہ رستے کو جنت کے سیدھی گئی
نبی کون یعنی رسول کریمؐ — نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیمؐ

نعت حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نعت ہے اُس رسول مقبول کی کہ جس کی شان میں آیہ قدسی لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ نازل ہے۔ لسان انسان کو یہ قدرت کہاں کہ اُس صفوۃ عالمیاں کی صفت بیان کرے نظم ؎

محمدؐ کاشفِ اسرارِ حق ہے — محمدؐ واقفِ اسرارِ حق ہے
محمدؐ شافعِ روزِ جزا ہے — محمدؐ حامیٔ ہر دوسرا ہے
محمدؐ گوہرِ دریائے دیں ہے — محمدؐ لُولُوئے بحرِ یقیں ہے
محمدؐ رہنمائے سالکاں ہے — محمدؐ پیشوائے دوجہاں ہے
محمدؐ باعثِ کون ومکاں ہے — محمدؐ قاسمِ حور وجناں ہے
محمدؐ کا وصی مشکل کشا ہے — محمدؐ کا اخی مشکل کشا ہے۔

مدح حضرت امیر المومنین وصی خاتم النبیین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب صلی اللہ علیہ وسلم کی

مدح کرتا ہوں اُس صاحب ذوالفقار وشہسوار دلدل کی کہ جس نے آبِ صمصام سے گلشن دین احمدی کو سرسبز کیا اور صفحۂ ہستی سے حرف کفر کو ایک قلم مٹا دیا نظم

علی چاہے جسے جنت دکھائے — علی چاہے جسے دوزخ جھکائے
علی کی مہر سے ہو لعل پتھر — علی کے فیض سے ہو آب گوہر
علی ہے وارثِ دینِ پیمبر — علی ہے صاحبِ محراب ومنبر
علی ہی اشرفِ دنیا و دیں ہے — علی ہی زینتِ عرش بریں ہے
علی ہی شہسوار لافتا ہے — علی ہی تاجدار ہل اتیٰ ہے

علی سے لے کے تا مہدیٔ اطہر
یہ ہیں دریائے دیں کے پاک گوہر

مصنف کی حقیقت اور اس کتاب کے ترجمہ کرنے کی کیفیت

بعد اس کلام متبرک کے صاحبان دانش وبینش پر ظاہر ہو کہ کتاب بہارِ دانش کو شیخ عنایت اللہ طوطیٔ سخن نے ایک برہمن بچہ حسین و مہ جبین کے کہنے سے تصنیف کیا تھا اور محمد صالح جو اُس والا جوہر سے نسبت ہم گوہری وشاگردی کی رکھتا تھا، اُس نے بھی ایک دیباچہ اپنی موزونیٔ طبع سے ساتھ عبارتِ رنگین وخوب بندش الفاظ دلچسپ مرغوب کے، تصنیف کرکے اس کتاب میں داخل کیا تھا۔

اب اِس ذرۂ بے مقدار، خاک پائے آل احمدِ مختار صلوات اللہ علیہ وآلہ اجمعین سید حیدر بخش آمادۂ بے ہنری متخلص بہ حیدری ساکن دلی خلف سید ابو الحسن نجفی نے عہد میں ظل سبحانی ابن عالمگیر ثانی شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ کے اور حکومت میں افتخار امیرانِ جہاں واستظہارِ سخنورانِ دوراں، معدن عدل وانصاف، اشرف الاشراف زبدۂ نوئینان عظیم الشان، مشیر خاص شاہ کیواں بارگاہ انگلستان، مارکوئیس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام افضالہ کی سنہ بارہ سو اٹھارہ ہجری مطابق اٹھارہ سو چار عیسوی کے فرمانے سے صاحبِ والا شان، ارسطوئے زماں و فلاطونِ حشم، مخزن لطف وکرم جناب مسٹر ولیم ہنٹر دام اقبالہ کے موافق اپنی طبع کے زبان ریختہ میں ترجمہ کیا اور اس کا نام گلزار دانش رکھ کر اہلِ دانش و بینش کی نذر گذرانا۔ دقیقہ سنجان قضا وقدر وعقد کشایان ارباب فضل وہنر پر مخفی و پوشیدہ نہ ہے اگرچہ زعم میں اس ذرۂ بے مقدار و فرومایہ کے یہ بات سمائی ہے کہ عبارت کی بندش اور معنی کے حاصل ہونے میں نقص نہیں تو بھی اَلاِنسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَ النِّسیَان جان کر عرض کرتا ہے کہ اگر کہیں اس میں غلطی معنی یا نامربوطی الفاظ رہ گئی ہو اور سیر کرنے کے وقت نظر فیض اثر سے گذرے تو قلم عطار درقم سے اصلاح کریں، دامن کرم سے چھپا دیں۔ یقین ہے جو کوئی چشم انصاف سے ملاحظہ کرے گا سقم کم پاوے گا، اور جو دیدۂ خوردہ بیں سے نظر کرے گا خدا جانے کیا کیا دیکھے گا۔ قطعہ

الٰہی تا ابد اس داستاں کو
چھپانا دشمنوں کی چشمِ بد سے
سنیں اس کو سدا وے اہلِ دانش
رکھیں محفوظ جو نت رد و کد سے

دیباچہ محمد صالح

آفرینش کی کتاب پاک کے کھولنے والے اور صحیفۂ دانش وبینش کی آراستہ کرنے باری حمد ہے خداوند عقل کے بخشنے والے اور سخن کے پیدا کرنے بارے کی کہ وہ موجودات کے معنی کی صورت دکھلانے والا ہے۔ اسی کی لطافتِ نو پیدا اور صنعتیں نوایجاد وقدرتِ کاملہ پر ماہی سے لے کر ماہ تک ہر ایک شے نے گواہی دی ہے۔ اسی کی ذات وحدانیت برحق ویکتائی بے شرکت پر ذرہ سے لے کر خورشید تک ہر ایک نے زبان اقرار کھولی ہے۔ اسی کے وصف کرنے سے کلام صاحب سخنوں کا ہمیشہ سرسبز ہے اور دل پاک ذاتوں کے کہ برگزیدہ آئین ہیں؛ اسی کی معرفت کے پرتو سے مہرو ماہ کی بزم کے رشک زیادہ کرنے والے ہیں۔ اس آفرینش کی بزم رنگیں کے زیور کا سنوارنا ان رنگ برنگ نقشوں کے ساتھ تیرا ہی کام ہے اور اُن گوناگوں صورتوں کو سوائے تیرے قلم قدرت کے کون اوپر ورق ظاہری کے کھینچے۔ اس طرح کی شکلیں مختلفہ اور وضعیں جدا جدا سوائے تیری صنعت برتر کے کون جلوۂ ظہور میں لاوے۔ مثنوی

صورت پاک خاک سے تو لکھے	تو ہی پھر چاہے اُس کو خاک کرے
آگ پتھر میں تو ہی ڈالے ہے	لعل اُس سے تو ہی نکالے ہے
تیری صنعت سے ہیں مکان ومکیں	ہیں تیرے حکم میں زمان وزمیں

صنعتِ رنگ برنگ کی نادرات کے دیکھنے اور پہچاننے میں اتنی پونجی حیرت کی نہیں جمع کی کہ اُسے کہے۔ اور صاحبِ فضل وہنر کی عقل عقدہ کشا کی زبان پر تیری صنعت کی شرافتوں کی کیفیت کے دریافت کرنے میں ایسی گرہ نہیں پڑی کہ اس کی شرح بیان کر سکے۔ عجب غفلت وبے تمیزی ہے اُس مقام میں کہ آنکھیں سب دیکھنے والیں اور عقلیں سب پہچاننے ہاریں صاحبان پاک ساکن اعلیٰ کی اس کی شناسائی کے تمام وکمال کی حقیقت کے دریافت کرنے میں ساتھ نارسائی کے عجز وانکسار قبول کرتی ہیں۔ فکر بلند ہمت اُن باریک دیکھنے والے پاک ذات عالم بالا کی اُس کے وصف کے مراتب کے تصور میں عجز وقصور کی طرف رجوع لاتی ہے۔

پس ہم پاشکستوں حدوث امکاں کے تئیں ساتھ اس پستی پایہ کے کیا مقدور کہ اپنے تئیں

اُس کی معرفت اعظم کی منزل کے کنارے کے چلنے والوں میں شمار کریں۔ اور ہم سرگردانوں وادیۂ وہم و خیال ناقص کے تئیں ساتھ اس ہستی فرومایہ کے کیا طاقت کہ تردد و فکر و تگاپو کے بیچ اپنے تئیں اُس درگاہِ اعظم کے نام کے پہچاننے ہاروں میں گنیں جب کہ خردگی راہ کے چلنے والوں پر ظاہر ہے صورت روشن اس معنی کی دلیل کے فروغ کی محتاج نہیں کہ بیان سخن اس درگاہ عالی کا انسان کی فکر ناقص ساتھ اس حواس سست بے بنیاد کے، باتوں سے کرے۔ اور اُس پیدا کرنے والے کی ثنا کے میدان پیدا کیئے ہوئے ساتھ اس قدر وہم و اندازۂ گماں کے ناپ سکے اس واسطے پیکِ اندیشہ کو اس وادی پُر آفت کی مسافت طے کرنے سے باز رکھ کر گلشن جاوید بہار سخن کے تئیں اُس ابر سفید رحمت کے ترشح سے کہ وہ اُس والا رتبہ کی نعمت کا فیض ہے جو سزاوار مبارک خطاب کریمۂ لولاک ہے۔

بے شک کائنات کی آنکھوں کی پتلیوں کے ساتوں پردے اُس کے جمال جہاں آرا سے روشنی سمیٹنے والے ہمیشگی کے ہوئے اور فرمان رسالت کا نور سے بھرا ہوا دیوان کدۂ قدم سے کہ نام نامی اُس صاحب فضیلت کا اوّل ماخلق اللہ نوری کی مہر کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ آب و رنگ تازہ و زینت بے اندازہ دیتا ہے۔ عجب وہ گوہر دریائے بخشش ہے کہ اُس کے کلام معجز نظام کی برقوں کی روشنی نے اعجاز بیشوں کے اندیشے کی جیب کو خورشیدِ معنی کے طلوع ہونے کی جاگہ دی اور عجب۔ جو ہر عرض وجود کلام ربانی کی ذات کی شرافتوں کی دلیل روشن ہے کہ جس کے بیان کے پرتو نے ظلمت حیرانی کے سرگشتوں کو چراغ سراغ شاہراہِ علم الیقین کا دکھلایا۔ اگر اُس کی نعمت کے بارے سے میرا سخن مارے خوشی کے اپنے پیراہن میں پھولا نہ سمائے، ہو سکتا ہے۔ اور میرے قلم کا خط آفتاب کے خط سرمشق بنے۔ بن سکتا ہے۔ کیونکہ میں ایک ایسے ہی عالی مرتبہ کی صفات کے حرفوں کو زبان پر رکھتا ہوں کہ جس کے نام نامی پر عرش اعظم کے رکھنے والے نے قرآن شریف تصنیف کیا اور اُس حضرت برتر سخن کے پیدا کرنے والے نے موجودات کی آرایش کے واسطے اُس کے نام مبارک ایجاد کے دیوان کا مطلع لکھا ہے اور اُس کی ذات مستغنی الصفات کو ارشاد کے قصیدے کا مقطع ہ

وصف سدا گوش تک اُس کے زباں لائے ہے   منہ میں بیاں اُس کے سے پانی بھر آئے ہے

عزت اسی کے سبب دینِ خدا کو ملی　　خلق کی اس کے صفت حضرت عزت نے کی
وصف لکھا جس کے ہو خُلق کا قرآن میں　　مدح کرے اُس کی ہے جان یہ انسان میں؟

اب قلم فیض کا جمع کرنے والا اس ذکرِ دلنشیں کی برکت سے اور اس بیان روشن کے باعث مثل نیشکر کے سیدھا اور مزیدار ہوا. بلکہ اس وصف اندیشہ تاب کی دست آویزی کی یمن کے سبب مانند زیرِ چرخ کے انگشت نما اہل رقم کا اس دیباچے کی سوادِ اعظم قبول اقبال کے لکھنے میں کہ جس کا عقل معنی پرور نے بہارِ دانش نام رکھا ہے اور ایک ہزار ایکسٹ برس (۱۰۶۱ھ) کے درمیان ترتیب دیا ہے۔ اس آوازۂ سخن تازہ کو اگر آویزہ گوش روزگار کا کرے، پھبتا ہے۔

اس تقدیرِ پوشیدہ کی روشن کرنے والی اور اس تحریر کے سراپا کے چہرے کی دکھلانے ہاری اور عشق وحسن کے چمنستان کی سرسبز کرنے ہاری، شہزادہ والا گوہر، عالی مقدار، جہاندار سلطان اور چشم وچراغ دودمان دولت وعصمت مہرور بانو کے عشق محبت آمیز کی کیفیت اور داستان حسب حال ان دونوں مہرپیشوں وفا اندیشوں کی ہے کہ جس کو قلم معنی نگار کے کھینچنے والے، سخن دانی کے فنوں کی فہرست کے لکھنے ہارے، معنی نیرنگ طراز کے قانون کلی، حسن مقال کے چہرہ بنانے والے، خیال کی صورتوں کے لکھنے ہارے، معنی کے بکر کے حجلہ پرداز، فکر کی دلہنوں کے جادہ طراز، سخنانِ نوآئین کی مجلس کے زیب دینے والے، سخن رنگین کے نکتوں کے چمنستان کے سنوارنے ہارے، سخن سنج، دانش پناہ، نبض شناس قلم، مزاج دانِ سخن، شیخ عنایت اللہ نے کہ جس کے ساتھ سخن کو دوستی جانی اور معنی کو اس کی طبع کے ساتھ پیوندِ روحانی ہے ساتھ تفصیل کے رقم زد کیا۔

اب یہ بندہ، راہ چلنے والا جادۂ اتحاد کا، اور زنگ پرور دہ اعتقاد کا، خاک راہ آلِ محمدؐ، محمد صالح کہ اس پاک جوہر سے نسبت ہم گوہری وشاگردی کی رکھتا ہے، ساتھ اس صورت کے، صورت نما اس کم وکیف کا معنی طراز ہوا، ایک شمہ اس گلشن فکر کے پودے کی عبارت کے لطف سے کہ جس کے مرتبے نیک ومعنی بلند مہر آمیز، مضمون برجستہ، عشق انگیز ہیں اور ایراد اس کے نفقروں کی خرد بالغ رس کے پایۂ توصیف سے زیادہ معشوق وصف اُس کے نظم ونثر کی مشاطہ کے مانگے تانگے ہوئے زیور سے لاپروا وشبیہ سے مستغنی، ساتھ اعتقادِ ناقص

کے تحریر میں لاتا ہے۔

سبحان اللہ کیا باغ ہے بہار کا پیدا کرنے والا کہ جس کے پھلوں کے میدان کے معنی کی کلیوں
زہرہ جبینوں سے گلشن سپہر کے چراغان نور افزا تاب نہیں لا سکتے۔ اور اس کے چمنستان سہیل آثار
کے مضامین کی نادراتوں اور صنعتوں کے اعجاز کا دکھلانا، خرد والا اندیشہ سپہر کی ناپنے والی کے
تحت و تصرف میں نہیں آسکتا۔ اس کے الفاظ معنی کے چہرے دکھلانے والوں نے مانند کہکشاں
کے قصیدۂ مرصع کی کان بدخشاں کی شان خاک میں ملا دی۔ اس کے عبارت شگفتہ فیض روی
نے گلزار ابراہیم کی طرح بصارت کے گوہر نظر کو آب و تاب حد سے زیادہ بخشی، غرض یہاں تک
معنی برتر ہیں اُن کے کہ جن کی گراں باری و قدر شناسی بیان کی ترازو میں تل نہیں سکتی اور سخن
ایسے بلند ہیں اس کے جن کی صفتیں الفاظ و مضمون تنگ دستگاہ کے باعث نہ تقریر کے بیان
میں سماتی ہیں نہ تحریر کے حوصلے میں آتی ہیں۔

فقرے اس کے عبارت کی روانی کے فیض سے سبکوں کاغذ کے ورقوں پر مانند طاؤس
گلشن بہشت کے خیابانِ ناز کے اوپر خوش رفتار ہوئے اور اس کے مضمون کے معشوقوں نے
جو فردوس کے چمن کی رشک زیادہ کرنے والے ہیں نہایت حسن و ادا کے ساتھ سخن کی شراب کے سرشاروں
کو جی دیا دل اُن سے لے لیا۔ اور اُس کے ورقوں کی صفائی نے کہ جس کی صفائی مانند تاش رشکِ صبح
کی ہے، آسمان معنی کی تاب سے چہرے کو جلوہ بخشا۔ اس کی مسلسل سطروں عنبر آمودوں کی سواد نے
اپنے تئیں کہ مہوشوں زہرہ جبینوں کی زلفِ مشکبار کی طرح ہے۔ رخسارۂ سمن کے اوپر اپنا جال
بچھا کر آفتاب کے گرفتار کرنے کی خاطر مشغول کیا۔ اور اس کی بین السطور نے کہ فی الحقیقت
ایک نہر آبِ زندگانی سے لبالب ہے۔ الفاظوں کے حلقوں کی موج سے تماشائیوں کی نظروں کے
بازکے صید کرنے کو دام بچھایا۔ اس کے حرفوں کی سنبل پُر پیچ و تاب جو اس کے دونوں طرف سایہ
فگن ہے۔ بعینہٖ اچھوں کی زلفِ عنبریں کی طرح جو رخسار آئینہ کو روشنی بخشنے والی ہے یوں معلوم ہوتی
ہے کہ گویا یہ سیہ مست بادۂ حسن کے اس کی خیاباں کے کنارے پر سونے ہیں یا شب کے جاگنے والوں
صبح نفسوں نے خورشید کے چشمے پر جاگی۔

بے تکلیف و تکلف کے، یہ نسخہ جمع کیا ہوا محبوبوں کے فنوں کا اور یہ مجموعہ حسن کی شرافتوں

کی خوبیوں کا جو کار کرنے والا آگہی کا ہے، اس کی خوبیوں کو شمار کرنا محض تکلف ہے۔ معلوم کر تو کہ اس گلشن پر فیض کے چمنستان کا سنوارنے والا منت و مزدوری سے بے توقع ہو کر امید وار تحصیل تحسین و آفریں کا ہوا کہ وہ بہتر سے بہتر متاع کارخانۂ ہمت کی ہے۔ بے شک ہر ایک قطعے میں اس کے ہزار دل نہال تازہ معنی کے پھلوں کی کثرت و مضمون کی حلاوت سے اہل دانش کی خوشی زیادہ کرنے والے ہیں، سرسبز کر کے عقلمندی کی راہ چلنے والوں پر وقف کیا نظم ؎

حرف اس کے کیا کہوں ہیں گلشن کا منہ دکھاویں ‌ ‌ ‌ سطریں نہ پوچھ اس کی سنبل کو تاب بخشیں
نازک خیال اس میں معنی تمام رنگیں ‌ ‌ ‌ ہر حرف اس چمن کا جوں گل ہے نزہت آگیں
اہلِ سخن جب اس کے لکھنے میں ہاتھ ڈالے ‌ ‌ ‌ اوراق نقرئی کو مسطر پہ باندھ رکھے
کاغذ پہ اس طرح سے جوشاں ہو آب حیواں ‌ ‌ ‌ ہو جائے تارِ مسطر ہر ایک وونہی رگِ جاں
حمد و ثنا میں اس کی اپنی زباں وہ کھولے ‌ ‌ ‌ چشمے سے پہلے خور کے منہ کو جو اپنے دھولے
فیضِ معانی اس کو سیراب وونہی کر دے ‌ ‌ ‌ جدول میں پانی اس کے بہتا ہے اس طرح سے
درپن کی طرح اس میں ہے سربسر صفائی ‌ ‌ ‌ معنی کی صورت اس میں دیکھی نہ کہ دی دکھائی
معنی کے لفظ اس کے دل میں جو اپنے لاؤں ‌ ‌ ‌ حمد و ثنا میں اس کی معنی وہی لگا دُوں
اس کی سواد لکھوں شیوہ یہ میں کیا ہے ‌ ‌ ‌ مغز قلم سراپا مغز سخن ہوا ہے
دل نے میرے چنے گل اس کی صفت کے اتنے ‌ ‌ ‌ جن سے کئی گلستاں سینچے میرے قلم نے

اگرچہ یہ کئی ٹھیکریاں بے مقدار اور یہ کنکریاں ناہموار اس کے لایق نہیں کہ ایسے گوہر آبدار معنی کے ساتھ ہم سلک ہوویں، اور معنی کے پیدا کرنے والوں کی مجلس گوہر افروز میں جمیں لیکن سبب اس کے جب کہ گل کو خار سے گریز اور دریا کو کنارے کے کوڑے کرکٹ سے چارہ نہو، اگر نیابت ان معنی کے دیوان کے مسند نشینوں کی کریں، کر سکتی ہیں اور ان گلشن فیض کے تازہ رویوں کی بدولت ثمر ان کی سی طرح ہوں، ہو سکتی ہیں۔ امید ہے کہ یہ کئی جز رنگیں کہ چمن دانش کے سفینۂ گل کے درقوں طرح رنگیں ہیں ان کے شیرازے کی جمعیت کو باغ ارم کی بلبلوں کی رگِ جاں و تار طرۂ سنبلستان بہشت چاہیے جو ساتھ فیض قبول خاص و عام کے کوکب آرائے تجلی معنی و صورت نمائے لفظ مراد ہو کر چشم و چراغ دلِ سخن پرستوں کے اور باغ و بہار نظر پاک سرشتوں کے ہوویں۔ چاہیے ان کی سواد بھی دیدۂ مردم کی

سیاہی کی طرح اہلِ بینش کی آنکھ میں جا کرے بلکہ اپنی روشن دلی کے فیض سے لیلۃ القدر زکواۃ دیوے نظم ؎

اس خوشی کی جو داستاں میں ہو — فیض بخشے وہ نیک بختوں کو
ہے قلم نکتہ سنج نے لکھی — داستاں دو جگر فگاروں کی
حرف ہیں اس کے سب دلیلِ خوشی — اس میں قسمت ہے عاشقوں کی لکھی
لفظ و معنی ہیں تازہ و رنگیں — جوں گلِ نوبہار صورت ہیں
یہ جو ہے گی سواد نور افشاں — رہیو روشن سواد ہندوستاں

دیباچہ مصنف سخن کے دیباچے کی سنوارنے والی حمد ہے اس حکیم کی کہ جس نے ملک معنی کو تیغ ناطقہ کی وساطت سے جمہور انام کا کیا اور خطۂ خاک پر اس نام نامی کے خطبے کو آوازہ بخشا صمصام زبان کو بیان کے جوہر سے تاب دے کر سخنوری کے ملکوں کی کنجیاں اس کے قبضۂ قدرت میں سونپیں بیت

اس کی ہی ذات پاک ہے وہ صانع و حکیم — پیدا کیا ہے جس نے سخن کو زبان پر

اور بہترین نتیجہ گویائی کا اس مرسل کی نعت ہے کہ جس کی جناب بوسی کی آرزوئیں روح اللہ کو روح الامیں کی مانند چوتھے آسمان پر تنگ و تاز ہے۔ موسیٰ کو اس کے کمال کے گلشن میں موسیچہ کی طرح چہچہے کرنے کا شوق و نیاز ہے بیت

وصف کا ہے اس کے یہ ادنیٰ بیاں — ختم رسل خاتم پیغمبراں

بعد از حمد اس صانع بے آلت و پس از نعت اس صدر آرائے مسند رسالت کے کلام کامل ترین مدح ہے ظل اللہ صاحب سریر زمانے کی کیونکہ زمین اس کے آستانے کی شاہوں کے بے شمار سجدات کے باعث مانند صحن سپہر کے داغ دار ہوئی اور طوق اس کی اطاعت کا بادشاہوں سلاطینوں کی گردنوں میں روزی مقدر کی طرح ہو پڑا چین کے بادشاہ اور ختن کے شاہ اس کی بخشش کے خرمن کے خوشہ چیں ہیں اور اس کے نام نامی کو سورج کی پیشانی کے ساتھ ویسی ہی نسبت ہے جیسے نام کو ساتھ نگینے کے۔ اس کے اخلاق کریمہ کی بو کے رشک سے خون نے نافۂ تاتاری کے دل میں گرہ بستگی پکڑی اور اس کی تلوار کی یاد کے ڈر سے دشمن نے پانی کی طرح جوشن و زرہ میں آسرا لیا اس کے انصاف کے کوتوال کی دہشت سے جنگل میں بھیڑیوں نے بھیڑوں کی چرواہی قبول کی اس کے گھوڑے کی ٹاپ کی آواز کے خطرے سے

جس طرح بکری بھیڑیئے سے بھاگتی ہے شیرِ جنگ سے بھاگے، سو شہنشاہ سلاطین زمانے کا شہاب الدین محمد صاحبِ قران ثانی شاہ جہاں بادشاہ غازی گیتی ستاں ہے۔ بیت

وارثِ ملکِ سلیماں ملکِ جیدؔ دل   کہ بگسترد در اکنافِ جہاں عدل عمر

اس انشاء سرخوشی بخش دماغ وخرد کی تصنیف کرنے کی کیفیت، جو معنی کے چمنستان کی کلیوں کی بہار د طراوت کی زیادہ کرنے والی ہے اور یہ دلِ مہر نشان و خاطر (محبت) تواماں سنوارنے والے بستانِ فضل وہنر و سخن پروراں والا گہر کے مخفی و پوشیدہ نہ رہے کہ ایک دن ایام عیش و نشاط و ہنگام مسرت و انبساط میں اس خسرو انجم کی مہربانی کی نظروں کے اثر سے یہ سطحہ خاک افلاک کے سطحہ کی طرح ہو رہا تھا اور صحن چمن نسرینؔ نسترنِ کی بہتات سے رشک زیادہ کرنے والا نسر د پروین کا آخر کار کئی یک رنگ دوستوں کے فرمانے سے باغ کے پھولوں کی طرح شگفتہ رو ہو کر ایک صحرائے پُر فضا میں چلا گیا میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساقی سحا نے بلند ہمتوں کی مانند اپنا لطفِ سرشار روزگار کے نیک بختوں پر ابر دریا بار کی طرح برسا رکھا ہے اوؔ زمین نے باوجود اس پردہ بازی کے نشۂ آب کے سرور سے کم ظرفوں کی طرح رازِ دل فاش کیا ہے۔ نقاشِ ربیع نے ڈالیوں کے تختوں پر طرح طرح کے نقشہائے نادر کھینچے ہیں منشیِ قضا و قدر نے قدرت نگار نے گلشن کے ورقوں پر خطِ ریحان سے فقرہ ہائے رنگیں لکھے ہیں مشاطہ صبا نے باغ کی دلہنوں کو نہایت آراستگی سے بنی بنایا ہے۔ سبزانِ چمن نے لالہ کے لال پیالے سے شرابِ شبنم کو پیا ہے۔ بادِ نسیم نے مشک تاتاری کی طرح نافۂ گل سے دماغ جہاں کو معطر کر دیا۔ نباتات کی گوداریوں پری پیکروں نے اپنے حسن دل کے کھولنے والوں اور جمال جہاں کے روشن کرنے باروں سے خوبانِ خلخ و معشوقانِ نوشاد سے گوئے دلربائی کی لی بلکہ ترجیح پیدا کی۔ وہاں کے ندی نالوں کے پانی سے جو سبزۂ مینا کار کے منظر پر تماشائیوں کی نظروں میں کہکشاں فلک کی مانند لہریں لیتا دکھلائی دیتا تھا۔ دل زمرد کو سرسبز کر دیا، رنگ آمیز ایام بہار نے باغ کی مجلس رنگیں میں سنبل کی ڈالیوں اور لالہ و گل کی پنکھڑیوں سے مشک و شنگرف کو باہم ملایا چہچہے کرنے والے جانوروں نے چمن کے تختوں پر مکتب خانوں کے لڑکوں کی طرح ہزاروں داستانوں کے ساتھ خوش الحانی اختیار کی، روزگار کے بہار کے ساقی نے بہار کے مے خانے کی شراب بے کدورت کو اس زمانے کے شرابیوں پر جائز رکھ کر رواج بے غمی کا جاری کیا وہاں کا سبزہ تر و تازہ بادِ شمیم کے چلنے اور دل پسند ہوا کے بہنے سے دریا کی مانند موج زن ہوا گو روگوزن

کا منھ سنبل و نازبو کے چرنے سے نافۂ آہو کی طرح خوشبو و معطر بنا، ہرنوں کے لب نازک ارغواں وار لالہ کے کھانے سے توتے کی چونچ کی طرح سرخ ہوکر رشکِ مرجاں ہوئے۔ نظم

ہر کوہ پر بچھایا سبزے نے کچھ نہ پوچھو　　چوٹی سے تا بدامن فرشِ زمردی کو
دشت زمیں سے لے کر ہر ایک پہاڑ پر یاں　　لالہ لہک رہا ہے گل ہیں تمام کلیاں
ہر اک چمن کی جانب اکڑے ہیں سرو خوشرو　　جاری ہے مثلِ دریا ہر سمت واں ہر اک جو
ہر اک مکاں سے ہر گل نظارہ کر رہا ہے　　جوڑا گلے کا دھانی ہر ایک پھاڑتا ہے

سبزانِ بہار کی نمک ریزی، چمن زار کے رقص کرنے والوں کی شکر آمیزی، ندی نالوں کے پانی کی مستانہ روی کبکوں خوش رفتاروں کے قہقہے، ہرنوں مینا سموں کی چوکڑیوں، مور و مرصع دموں کے سرکنے نے صنعت بیچوں کی مجلس کے تماشا دیکھنے والوں کی طبیعت میں یوں گھر کیا جو دل کہ زمانے کی ناسازگاری کے باعث غنچے کی طرح بند تھا، گل کی مانند کھل گیا۔ جامِ شرابِ خوش خاطر سے بھرا۔ عشرت کی صحبت کا اتفاق پڑا۔ مجلس کو بے کھٹکے غیروں کے خلوت آئینہ کی مانند نہایت صفائی کے ساتھ پایا۔ بعضے بعضے دوست حسن پرست بلبل کی طرح گل و ریاحین کے رنگ و بو پر فریفتہ ہوکر کبھی جامِ لالہ سے شرابِ ذوق پیتے۔ کدھی سمن کے رخسار و نسرین کے مکھڑے کو دیکھ کر محظوظ ہوتے کتنے رفیق معنی کے سمجھنے والے، جمالِ صنعت دیکھنے کہ نظر گل المصنوع، یدل علی الصانع کی پیروی اس صانعِ حقیقی کے کمال کی کرتے، اور نقشوں کی حرکت سے اس مصور کے قلم کی توانائی پر عش عش کرکے صافی مشربوں کے خمخانۂ وحدت سے حقیقت کی تلچھٹ کے پینے والے بنے اور اس باغ کے چہچہے کرنے والوں کی غزل خوانی سن کر صوفیوں سماع پسندوں کی طرح حال میں آئے۔

القصہ ہر ایک موافق اپنے حال و مرتبۂ ہمت کے ان دلہنوں رنگین عذاراں یعنی موسم بہار کے پالنے کے پالے ہوؤں کے نظارۂ جمال سے سرشار جامِ شوق ہوکر اپنے مقتضائے وقت کی خوشی کے گیت گانے والے اور فرحت کے سرود کرنے بارے ہوئے۔ اپنے پائے دل کو دامنِ شوق سے باہر کرکے مانند سرو و سوسن کے کلاہ آزادی ہوا کے اوپر اڑانے لگے۔

اتنے میں ایک لڑکا برہمن کا بسبب حسن کے دل لینے والا اور باعثِ جمال کے محبت بڑھانے ہارا کہ تمام جہاں کے معشوق اس کے ابرو کی محراب میں سجدہ کرنے کی آرزو رکھتے تھے اور سارے زمانے کے زاہد اس کی زلف کے تارِ عنبریں کے جنیو کو اپنی کمر تک لٹکانے کی تمنا کرتے تھے۔ چمنستاں کے بید

پڑھنے والے اس کے گل رخسار کو دیکھ کر چھپے کرنے کے دیوانے ہوتے بلکہ سوسن ساتھا ان دل سوز باتوں کے نہایت خوشی سے اس کا فر کے طرز کی ثنا خواں بنی۔ زلف مسلسل اس کے عارض آتشیں رنگ پر دھوئیں کی طرح لپٹی ہوئی بوسے لینے میں مشغول تھی۔ اس کے چہرۂ ماہ فریب کے رشک سے خورشید خاوری ذرے کی مانند غلطاں دکھلائی دیتا تھا اس کے دستِ حنائی کے پنجے مونگے کی مانند حسن و لطافت کے بسبب آفتاب کو ید بیضا کی طرح نظر آتے تھے۔ اس کے دانتوں کی موتی کی لڑیاں لب لعل سے یوں دکھائی دیتی تھیں جیسے شفق میں عقد پروین کی چمک تابندہ ہوتی ہے کہ جس کے دیکھنے سے گوہر صدف بے آب ہوئے جاتے تھے۔ غرض کہ اس کی کشادہ پیشانی سے آثار عقلمندی یوں نظر آتے تھے جیسے گل سے رنگ دکھلائی دیتا ہے اور نور اس کے چہرۂ پر معنی سے نور آفتاب کی طرح ہویدا تھا۔ قد و قامت اس کا چمن دلبری میں نہال نازک کی مانند نو پیدا، مکھڑا اس کا چودھویں رات کے چاند کی طرح چشمۂ خورشید سے چھ سات دفعہ کا دھویا دھایا۔ نظم

ہے دیباچہ آیتِ نیکوئی	ملی ملک خوبی کی شاہنشہی
رخ ماہ گردوں کو ہے اس سے داد	اور ہے سرو بستاں کی حالت تباہ
دلوں کے وہ ہے لینے میں ساحر گر	وہ ریحاں نفس عطر ہے سر بسر

غرض ایسا محبوب خوش خرام تھا کہ جس کی رفتار دیکھ کر کبک کو ہساری یاد آتی تھی خوبانِ جہاں کی چال دل سے بھولی جاتی تھی جس وقت کھڑا ہوتا ہزاروں طرح کے بند شرمندگی چمن محبوبی کے سرو کی گردن میں ڈال دیتا، نہایت اچپلاپن سے ہزاروں ناز و ادا کے ساتھ میرے پاس چلا آیا، نزدیک ہوتے ہی میں بیہوش ہو گیا۔ اس کے بیٹھنے کے ساتھ ہی رونے لگا بلکہ جتنے اس جگہ کے ہم جلیس و انیس گل و گلشن کی سیر سے خوش و محظوظ تھے اس کے دیکھتے ہی حیرت میں آ گئے یہاں تک کہ دل ان کے چمن کی سیر اور گلشن کے نازک بدنوں کی دید سے ہٹ گئے۔ ندان اپنی نرگسی انکھڑیوں سے اس گل رخسار نونہال محبوبی کی طرف ٹکٹکی باندھ کر ہالے کی طرح اس رشک قمر کو اپنے حلقے کے ہالے میں گھیر لیا۔

اتنے میں اس سرو قد سیمیں بدن نے اپنے چشمۂ حیات کے دامان حال سے اس محفل کے لوگوں کے آگے یعنی سخن دل آویز اپنے لب نازک عیسیٰ دم سے داناؤں عقل کے پالنے والوں اور رموز کے پہچاننے ہاروں دانشمندی کے بچھونا کرنے والوں کی مانند کہنے شروع کئے کہ اس گل و گلشن کے رنگ و بو پر اس طرح شگفتہ ہونا

اور اس طرح کی صورتِ خوب وجمال مرغوبِ ظاہری پر دل کو فریفتہ کرنا خرومندوں کی عقل سے بعید ہے کیونکہ یہ بہار ناپائدار ایک اٹھوارے سے زیادہ نہیں بلکہ یہ حسن عارضی وجمال مستعار اپنے ایام معدودہ سے ایک پل زیادہ نہیں ٹھہرتا اس واسطے ایسے بے وفاؤں سے دل لگانا اور ایسے ناپائداروں کے وصال سے جی خوش کرنا اہلِ شعور پسند نہیں کرتے اور عقل باریک بینوں کی بھی اس بات کو قبول نہیں کرتی سچ ہے۔ نظم ؎

نہ ہرگز باغ کو اتنی بقا ہے نہ گل کے رنگ و بو میں کچھ وفا ہے
غم ان چیزوں کا چھید سے ہے مت جاں جو گہہ ظاہر ہوئیں اور گاہ پنہاں

پس یہ داستان دل کی لبھانے والی جو معنی کے پھولوں کا ایک باغ تر و تازہ ہے ہندی زبان میں جن لفظوں سے لکھنے والا بیان کر گیا ہے، اگر تو دیکھے تو معلوم کرے کہ یاقوت کے ڈبے سے گوہر بے بہا بکھرتا ہے، اس طور سے بیان کر کے کہنے لگا کہ کوئی باغِ دلکشا اور کوئی گلشن روح افزا اس سے بہتر نہیں، لازم ہے اس عود ہندی کو آتش پارسی پر ڈالے کہ دماغِ اہلِ معنی کا معطّر ہو جائے اور مجلس صاحب سخنوں کی خوشبو۔ بے شک وشبہہ اس معنی کے پھولوں پر کبھی بادِ خزاں دست دراز نہ کرسکے گی بلکہ اس چمن زار کا نقش فیض سے بھرا ہوا میری (کذا فی المسودۂ اصلی) خاطر کے صفحہ پر ثبت ہوا اور اس معنیِ جان پرور کی عبارت لوحِ دل پر نقش کا لحجر ہوئی وونہی اس بندۂ خاکسار شیخ عنایت اللہ نے جو صاحبانِ سخن کے خرمن کے چننے والوں نعمتِ فضل وہنر کے دسترخوانوں کے سیر چشموں کے فضلہ خوروں، صاحبانِ دانش وبینش کے فیض اٹھانے والوں سے ہے، اس آسمانِ نیکی کے بدرِ منیر کی فرمائش سے ان چنے ہوئے پھولوں کو اپنے دامن عیش سے گرا کر اس گلشنِ دانشوری کے چمن کے سنوارنے میں کمر کوشش باندھی :۔

عبارت کی رنگینی، فقروں کی موزونی، اُس بتِ زیبا صورت اور اُس رعنا خصلت سے، جو رخسارِ گل کی مانند ہنرورری رکھتا تھا، عاریتاً لی۔ غرض معنی کی شیرینی یعنی مانگی ہوئی چیز کو ملا کر سنوارنا اپنا ہی کام تھا کہ اس دیوانِ حسن کے انتخاب کے لبِ شیریں وقامتِ دل نشیں سے قرض لے کر مشاطۂ قلم جادو نگار سے معشوق سخن کی زلفِ عنبریں کو تاب دے کر بیان کی مجلس میں حسنِ احسان بخشا اور اُس گلشنِ دلکشا میں، جو چمن اور کیاری کیاری بے شمار معنی کے گل ولالہ وصد برگ ہیکے :

نسرین و نسترنِ فیض کے پھولے، اس لئے نام بھی اس کا "بہارِ دانش" رکھا۔ سبحان اللہ کیا پُر کیف قصہ ہے، گویا گلشنِ طبیعت کو فرحت بخشنے والا اور چمنِ روح کو تازگی دینے ہارا ہے بلکہ ہر ایک ورق اس کتاب فیض مآب کا باغِ دل افزا ہے کہ ہر ایک طرف اس کے گلہائے معنی کے تختے لہلہا رہے ہیں اور معشوقِ سخن نقابِ عنبریں اپنے چہرۂ معنی بخش پر ڈالے ہوئے گلشن کی دلہنوں کی مانند رنگین جوڑے پہنے اس کے لطیف سائے میں سوتے ہیں

امید ان صاحبوں، عالی منشوں، کامل خردوں، دانائی کے ڈھونڈنے والوں، نیک عقلوں کی عنایت سے طبع ان کی پالی ہوئی انصاف کی آب و ہوا کی ہے اور کریم کارساز کی درگاہِ عالی سے ان صاحبوں نے امتیاز کرنے کی تمیز پائی ہے، یہ رکھتا ہے کہ جس وقت آنکھوں کے پاؤں سے اس گلشنِ معنی میں پھریں اور دیدۂ دل کو جلوۂ فیض کی دلہنوں کے جمال جہاں آرا کے نظارے سے بہرہ اندوز کریں۔ اپنی نیک خصلتی سے عیب دیکھنے والی آنکھوں کو چھپا کر ہنر کی مجلس کے تماشے دیکھنے والے ہوں یعنی اگر اس میں سہو لحاظ کی جاوے یا خطا ظہور میں آوے موافق اپنی عقل بلند و طبع ارجمند کے صلاح دیویں۔ دامنِ فیض سے چھپا دیں۔ تنگ ظرفوں، سفلہ منشوں کی مثال کم مایہ و پست عقلوں کی مانند کمیت زبان کو بیان کے میدان میں ہرن پکڑنے والے شیر کی طرح نہ بنا دیں عیب کے تنگ کوچے میں نکتہ گیری پر نہ دوڑائیں۔ کیونکہ ظاہر ہے۔ یعنی مصورِ طبع انسان، کہ جس کے فرمان پر خط طغرائے "خلق الانسان ضعیفاً" توقیع و مُزیّن ہے بے آلائش قصور و نقص کے قلم کی دست گیری سے کہ وہ گھاس کے تنکے کے سوا کچھ اور نہیں، اچھی تصویر کب لکھ سکے۔ نظم

آرزو رکھتا ہوں میں اس شخص عالی طبع سے — اس محبت نامے کو جس وقت وہ پڑھنے لگے
فکر کی رو سے اگر غلطی اسے آئے نظر — طیش سے محفوظ رکھ کر مجھ کو وہ والا گہر
چاہیئے مقدور بھر اصلاح میں کوشش کرے — گر نہ بن آئے تو بہتر ہے کہ چپکا ہو رہے

قطع نظر ان سب باتوں کے شرابِ سخن کے پینے والے اور دسترخوانِ دانائی سے ہمیشہ کی نعمت کھانے ہارے خوب جانتے ہیں کہ ایک دو فقروں کے موزوں کرنے میں ساتھ الفاظ خوب و مضمون مرغوب کے کس قدر خونِ جگر کھانا پڑتا ہے اور کتنی طبع کی کنج کاوی کو اٹھانا پڑتا ہے۔ سچ ہے صاحبانِ موزوں طبع و سخن سنجان عالی مرتبہ جب تک سَو سَو تیشے فکر کے کہ وہ جان کے کھونے والے

رہیں، اپنے دل کے پہلو پر نہ لگائیں، اور اندیشے کے ہیرے سے اپنے جگر کو ٹکڑے نہ کریں، تب تک سخن کے یاقوت مہرتاب، جو معنی کے باریک بینوں کی قبول خاطر ہوویں، نہیں ہو سکتے بلکہ جب تک فکر کے دریائے بے کنار میں ہزاروں غوطے نہ کھائیں معنی کے گوہر شاہوار جو ملکِ خرد کے بادشاہوں کی پسند خاطر ہوں، ہاتھ نہیں لگتے۔ رباعی

جگر جلاوے تو وہ معنی اس کے ہاتھ لگے — جو ہو کسوٹیِ افضال سے تمام کسا
کرے صفائی الفاظ کے لئے دن رات — کہ سوئیں طائر و ماہی پہ یہ سوئے ذرا

اگرچہ یہ ٹھیکریاں اس نازک طبع کی سراب گاہ سے کہ جھوٹا اٹھانے والی صاحبانِ فضل و کمال کے خوانِ نعمت کی جمع کی ہوئی ہیں، اتنی نہیں کہ جن میں یہ لب نا ہیں سما دیں لیکن اُن بیوقوفوں انصاف دشمنوں کے ڈر سے جو اپنے تئیں بے ہنری کے باعث عیب جوئی کو نیک جانتے ہیں اور سوفار سوزن سے، نے کہ تیر کے سوفار و تیر سے نے کہ تیر عطارد تک مطلقاً فرق نہیں سمجھتے طبیعت میری مانند بید کے کانپتی ہے۔ اس واسطے سایۂ مہربانی میں اصحابِ صدق و صفا و اربابِ تمیز و حیا کے کہ وہ راہِ سخن کی پستی و بلندی کو طبع فکر رسا کے قدم سے ناپ چکے ہیں بلکہ چاشنی معنی کی بخوبی چکھ چکے ہیں، پناہ لے کر ظاہر کرتا ہے۔

اس مقدمہ کو وسیلۂ حسن طلب جان کر کہ اصلاح کا کنایہ دہیں تھا گیا امید قوی ہے کہ اپنی نیک خصلتی و بالانفشی کے باعث توجہات عالی سے ہاتھ نہ اٹھا کر اس کی فاتحہ خیر ہیں کہ اس مزخرفات کی تصنیف سے سوائے اس کے کوئی مقصد برتر نہیں، یاد فرمائیں۔

آغاز داستان

بادشاہت کے سروجوئبار جہاندار سلطان کی حقیقت میں مشتمل ہے

گنج اسرار کے طلسم کے کھولنے والوں اور پردۂ اسمار کی راہ کے پہچاننے ہاروں نے اس رقمِ تازہ کو روزگارِ کہن کے دفتر سے نکال کر اس طرح بیان کے ورق پر لکھا کہ ایامِ سلف اور زمان گذشتہ کے درمیان مملکت ہندوستان وسعت آباد جنت نشان میں ایک ایسا بادشاہ چتر دھاری تھا کہ جس نے آفتابِ جہاں تاب کی مانند میدانِ جہاں کو اپنے حکم کے سایہ میں گھیر لیا تھا بلکہ اپنی عدل کی شمع کے نور سے شبستان دہر کو روشن کر دیا۔ نہایت اپنی ہمت کے پایۂ بلند کے باعث غرور کے پاؤں کو فرق دین کے سر پر رکھتا، اپنے جاہ و جلال کے مرتبہ سے زمانے کے تخت نشینوں کو عدم کے گوشہ نشینوں میں شمار کرتا، چرخ سبز رنگ نے اُس کے حکم نافذ کے حلقہ کو اپنے کان میں ڈالا۔ اور اس کے فرمان حکم کے زین پوش کو دو پیکر نے اپنے کندھے پر رکھا۔ روزگار ابلق تیز چلنے والے کی زمام اختیار کو زمانہ نے اس کے قبضۂ قدرت میں سونپا۔ اقبال نے مقبول بندوں کی طرح اپنے سرنیاز کو اُس کے آستانے پر دھرا۔ نظم ؎

اسباب بادشاہی بے حد اسے مہیّا ۔۔۔ دل میں نہ تھی جہاں کی باقی کوئی تمنّا
جوزا کی طرح گردوں خیل اس کے ہیں کمر بند ۔۔۔ فیروزی اور فتح تیغ اس کی سے تھی پیوند

لیکن اس کے اقبال کے شبستاں میں ایک ایسی شمع نہ تھی جس کے ہونے کی روشنی سے اس کی امید کا گھر روشن ہوتا نہ درخت اس کی زندگانی کا ایسا پھل جو حیات کے ذائقہ سے مراد کی لذت بخشی رکھتا تھا اسی سبب سے

مانند نقطے کے دائرۂ غم میں ہمیشہ بیٹھا رہتا اور اکثر اوقات اہل دلوں کی خدمت میں جاکر التماس کرتا۔ راتوں کو مناجات نیم شبی و دعائے سحری سے اس کریم کارساز کی درگاہ اعلیٰ میں ملتجی ہوتا۔ غرض یہاں تک الحاح وزاری کی کہ ان درویشوں کے انفاس متبرک کے باعث اور ان کی مناجات نیم شبی و دعائے سحری کے یمن کے سبب ہزاروں آرزو و تمنا کے بعد گلبن مقصد اس کا گل مراد سے اُبکا اور نخل اس کی تمنا کا امید کے پھل سے بارآور ہوا کہ دولت خانہ اس کا شمع سعادت کے نور سے چمکا شام آرزو اس کی صبح اقبال سے تبدیل ہوئی۔

کیونکہ ستارہ اوج خلافت و خورشید سپہر سلطنت نے ساتھ ہزاروں کر و فر جہانداری و شکوہ گیتی ستانی کے افق مطلع سے طلوع ہو کر باپ کے میدان تمنا و خلق کی شبستان امید کو روشن کیا جہاں پناہ نے اس بخشش عظمیٰ اور اس عطائے کبریٰ سے شاد ہو کر دروازے خزانوں کے کھلوا دیئے اپنی بخشش و جود سے جہان کو تونگر کر دیا۔ غریب و غربا کو داد و دہش کے باعث حرص و نیاز سے مستغنی۔ قطعہ

اس نیر شاہی کے تولد سے شہنشاہ	شاداں ہوا یاں تک کہ بیاں میں نہیں آتا
کھلوا کے خزانوں کے دروں کے تئیں یکبار	جا بیٹھا جوں ہی تخت پہ وہ گوہر یکتا
زریاں تلک اس مخزن ہمت نے کیا خرچ	دامانِ تمنا نہ رہا خالی کسی کا

القصہ وہ گوہر دریائے عظمت و بختیاری اور وہ گلشن شہریاری ساعت سعید دلپذیر کے ساتھ نام نامی جہاندار سلطان کے مشہور ہوا۔ غرض ایک دائی خوش سلیقہ و نیک بخت کو اس لعل بے بہا کی پرورش کے واسطے مقرر کیا۔ جب چار برس چار مہینے اس نیر سپہر سلطنت و اقبال کے پالنے اور اس دائی خوش خصال کی گود میں گزرے، موافق آئین اسلام کے کمالوں کے کسب کے واسطے معلم دانا و ادیب بینا کو سونپا۔ عقلمندوں اور اتالیق دل پسندوں کو اس کے طبع مبارک کی اصلاح کے لئے سرفراز فرمایا کہ وہ فنون جہانداری کے تعلیم میں اور جہانگیری و شہریاری کے شیوُن کے حاصل کرنے میں اپنے اوقاتِ مبارک صرف کرے۔ نحو و ادب بادشاہی و فرماں برداری و قاعدہ سلطنت و کشور کشائی کے پڑھ کر عاقل و کامل ہوئے۔

سچ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنی درگاہ کے مقبولوں کو روز ازل سے جوہر قابل پیدا کیا ہے کہ وہ چودہ برس کی عمر میں علوم غریب و فنون عجیب، عذوبت اخلاص، حسن معاش، بلند حوصلگی، اوج شان، عروج تمکین، بخشش فراوان، مقصد بزرگ، اندیشہ سترگ، شائستگی مقال، آراستگی حال، وجاہت ظاہری، نیک باطنی، چستی گات، توانائی جسم، قوت دل، خیال کی پختگی، عقل کی استواری، فکر کی درستی، اعضا کی کھچاوٹ، ہر حال کی بناوٹ میں یکتائے دہر نکلا بلکہ زبان کی فصاحت میں بھی شہرۂ آفاق ہوا۔

قِصّہ

جہاندار سلطان کا عنانِ توجہ کے عزم شکار کی طرف پھیرنے اور ایک شیریں سخن توتے کے مول لینے کا

از بسکہ طبع پاک اس شہزادۂ کیواں جناب کی منش بلند جہانداری، و فطرت نیک شہریاری کے سبب شکار کھیلنے کی طرف مائل رہا کرتی بلکہ اُس کے سر میں صید افگنی کی ہوا بھری رہتی۔ اکثر اوقات شکار ہی کے کھیلنے میں مصروف رہتا ہمیشہ صید افگنی میں مشغول رہا کرتا۔ اتفاقاً ایک دن اپنی اسی عادتِ قدیم سے کئی مصاحبوں، خواصوں کو ساتھ لے کر باگ اپنے گھوڑے کی کہ وہ چلنے میں ہوا سے زیادہ سبک رو تھا، پکڑنے میں ان چرندوں پرندوں کے جو صحرا کے پھرنے والے تھے اور گھیرنے میں ان ہرنوں چوکڑی بھرنے ہاروں کے جو اپنے سائے سے بھی رم جاتے تھے شکار گاہ کی طرف پھیری ہر ایک سمت سے شکاری جانوروں کو اڑایا چھوڑا۔

شاہین تیز جو معشوق جلد مزاجوں سیماب طبیعتوں کی مانند تھی سبک پردازی سے بلند ہو کر کبک و تیتر کو ہوا سے زمین پر اتار لائی۔ اور بازوں نے جن کے بازوؤں کا ہر ایک خطِ سیاہ سفید عشاقوں کی آنکھوں میں مانند سیہ چشموں، عشوہ گروں کے معلوم ہوتا تھا جو اپنے دستِ حنائی کے پنجۂ مرجاں سے دل بے دلوں کے لے لیتے تھے، کلنگ و کبوتر کے پکڑنے کے لئے بلند پردازی کے جنگل کھولے جنہوں برق آہنگوں نے جو ایام دو رنگ کی طرح تھے اپنے پنجوں کو آہوؤں کے خون میں ڈبو کر ہرنوں پاڑھوں کے دبوچ بیٹھنے میں ہنر ذاتی و جوہر طبعی ظاہر کئے۔ شکاری کتوں، تیز ناخنوں سبک رفتاروں، سخت گیروں نے اچانک اجل کی طرح گور و گوزن کے سروں پر پہنچتے ہی سطحۂ خاک پر گرا دیا، توڑ ڈالا۔ نظم ؎

طبلک باز وہاں بجا جونہی	ہو گئے باز بر ہوا وونہی
اُن کے پنجوں سے طائر دوراں	نہ بچے جس قدر تھے خورد و کلاں
آن کی آن میں نہیں یہ لاف	ہو گیا ان سے دشتِ دوراں صاف

جس وقت آسمان کی شاہینِ زریں بال چرخ کے میدانِ زمرّد گوں میں پرواز ہو کر گرمی کی قبول کرنے والی ہوئی جہاندار سلطان کے گُل رخسار کہ سایۂ ناز کے پالے ہوئے تھے تاب آفتاب کی نہ لا سکے لاچار دولت خانے کی طرف متوجہ ہوا اثنائے راہ میں ایک باغ نہایت ساتھ لطافت و طراوت ہرا بھرا دیکھا کہ سرو شمشاد اس کے عاشقوں معشوقوں کی مانند کندھے سے کندھا بھڑائے کھڑے ہیں سنبل و گل دولہا دولہن کی طرح آپس میں لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ سبزۂ سیراب زمرد گوں سے صحن چمن مانند چرخ کے رنگ برنگ ہو رہا ہے۔ جانوروں کے نالۂ دلکش نے مجلس گل میں ارغنوں کی آواز کا کام کیا۔ باغ کے مے خوار سبز گلابی کے نشے میں نہایت مست و مدہوش ہوئے۔ فاختہ قلندر مشرب نے لباس خاکستری پہن کر وجد کا سماں آغاز کیا نظم ؎

صبا نے سبزے پر گوہر ہے توڑا	زمرّد کے تئیں موتی سے گوندھا
ہر اک گوشے ہیں واں پھولی ہے تلسی	بساطِ خرمی اس پر ہے بچھی
بنفشہ زلف ہے کندھوں پہ ڈالے	صبا نے نسترن کے کان کھولے

جہاندار سلطان کی طبع آسمان رسا گلشن کی لطافت کے باعث و گل کی طراوت کے سبب چمن کے گل رخوں کے نظارے کی مائل ہوئی کھلے ہوئے گل کی طرح شاداں شاداں سرو خوش خرام کی مانند اس باغِ روح افزا میں چلا گیا اور آنکھوں کے پاؤں سے اس ہرے بھرے گلشن جاں بخش کی سیر کرنے لگا۔

کیا دیکھتا ہے کہ ہر ایک اس کی کیاری میں بادِ صبا نے زلفِ سنبل کو گلوں کے کان کی لَو تک۔ لٹکا رکھا ہے اور باغ کے تمام گلوں کے سروں پر جڑاؤ ٹوپیوں کو معشوقوں کی ٹوپیوں کی طرح کج دکا داک کر رکھا ہے۔ بلبلوں دلق پوشوں نے ہر ایک گل کے سائے میں برہمنوں بید پڑھنے والوں کی مانند نہایت خوش آوازی سے چہچہے کرنے شروع کئے ہیں۔ فاختاؤں نے درویشوں معرفت ڈھونڈنے ہاروں کی طرح سرو مینا رنگ کی مانند ہر ایک ڈالی پر بیٹھ کر شور گوگو مچا رکھا ہے۔

اور اُس باغ کی نہر کے کنارے ایک جواں سرو آزاد کی طرح ایسا کہ جس کے بانکپن کو دیکھ کر صنوبر کا دل تازتار ہوا جاتا تھا بلکہ اُس کے میٹھے مسکرانے سے شمشاد فرہاد کی مانند اپنی جانِ شیریں نثار کرتا تھا۔ اُس کی جادو بھری نرگسی انکھڑیاں دل کو فریب دینے والیوں نے چمنستان کی بلبلوں

کے حق میں فتنہ برپا کیا ہے چہرۂ زیبا سے ہر کیفیت اُس کی رشک باغ وچمن کا ہو رہا ہے۔ ایک گل کی ڈالی کو چھاتی سے لگائے تبسم ناز کی طرف متوجہ ہو کر ایسی خوش الحانی سے کہ جس کی ہر ایک گٹکری نکیا گایک کے کان میں حلقۂ خجالت پہناتی اور اُس کی آواز کی لو پریشانی کی آگ بار بد نائک کے پردۂ دل میں بھڑکاتی، کھڑا ہوا ایک خیال عاشقاں الاپ رہا ہے اور ایک ایسا توتا اپنے پاس رکھتا ہے کہ وہ صوفیوں خلوت گزینوں کی مانند لو ہے کے پنجرے میں مجرد منشوں کی طرح گوشہ نشیں ہو کر خلق کی طرف سے دروازہ بند کئے ہوئے بہشت کے نیک بختوں کی مثال سبز کپڑے پہنے ہوئے شاعروں والا فطرتوں کی مانند سخن سنجی کر رہا ہے۔

سبحان اللہ کیا دانا جانور ہے کہ اپنی عقل سے سلیمانؑ کے ہدہد پر شرف لے گیا اور کیا ہی خوش طالع طائر ہے جو دلربائی میں اپنی لعل چونچ کے باعث حوروں کے لب لعل سے مقابلہ کر رہا ہے بلکہ اس ہنا بال طائروں کے سردار اور اُس طوطیوں کے سر دفتر شیریں گفتار نے اپنی انوکھی بات چیت سے جہان کے جانوروں کے میدان میں استادی کا جھنڈا گاڑا۔ اپنی نیک کرداری کے سبب فردوس کے سبز پوشوں کی مجلس میں مرتبہ سرخروئی کا پیدا کیا۔ جہاندار سلطان اس جوان کی خوبصورتی کے تماشے اور آواز جاں بخش کے سننے سے کہ اس گلشن سر سبز اور ان تر وتازہ گلوں میں بلبلوں کے چہچہوں، عندلیبوں کے قہقہوں کے ساتھ دیکھنے اور سننے کا اتفاق حسنہ ہوا تھا، نہایت خوشی کا حاصل کرنے والا اور مسرت کا اندیشہ کرنے ہارا ہو کر بڑے تپاک سے اُس جوان کے قریب تر چلا گیا اور سلام کیا لیکن وہ جوان خوش رفتار نازو نغمہ پرداز اپنی ہی آواز کا دیوانہ ہو رہا تھا، شہزادے کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہوا نہ اس کے سلام کا جواب دیا۔

توتے نے اپنے خاوند کے غرور سے جہاندار سلطان کی پیشانی پر تغیری کی علامت ظاہر پا کر سخن سنوارنے والوں، شیریں گفتاروں کی زبان کی طرح دروازہ گفتگو کا کھولا کبھی سخن سنجوں معنی انگیزوں، شیریں دہنوں، دل آویزوں کی مثال مجال بیان میں لایا۔ بادشاہ زادہ اس صاحب سخن بے زبان کی گویائی سے متحیر ہو کر گھڑی آدھ گھڑی مانند خیال آئینے کے حیرانی و پریشانی کے بھنور میں ڈوب گیا۔ چپکا کھڑا ہو رہا۔ غرض اُس سبز پوش شیریں سخن کی محبت کا بیج فرہاد کی طرح اس کے مزرعۂ دل میں بارور ہوا تھا، نہایت بیقراری سے ایک لعل بیش قیمت اپنے بازو سے کھول کر اُس جوان خوش آواز کے آگے رکھ دیا۔ اُس توتے کو مانگا۔ اس نے عدم شکیبائی سے بے قرار ہو کر اور اُس عقلمند توتے کی مفارقت کی تاب اپنے جی میں نہ پا کر اس کی بات کے

قبول کرنے سے پہلوتہی کی بلکہ نہ دینے کا ہاتھ اس کے سینۂ بے کینہ پر رکھا۔

شہزادے نے اس حرکت سے بُرا مانا اور کہا اے مردم ناشناس! تو نہیں جانتا کہ میں اس مملکت کے تاج و نگیں کا وارث ہوں۔ دل میرا اس مرغِ دانا پر دیوانہ ہو گیا ہے۔ دیکھ اگر نصیب تیرے جاگیں اور ستارے تیرے اقبال کے یاری کریں تو اس لعل کو کہ یہ ایک بادشاہت کی آمدنی کے برابر ہے، اپنے خرچ میں لا۔ اس ایک مُشت پر سے ہاتھ اُٹھا نہیں تو پشیمانی کھینچے گا۔ یقین جان کہ بعد رُسوائی و پریشانی کے تو آپ سے بہ منت دے گا بلکہ نادم ہوئے گا۔ اس بات کے سنتے ہی وہ قدرے متامل ہوا۔ سوچ کر کہنے لگا سچ ہے بادشاہوں کی خلاف مرضی کام کرنا اپنے ہی لہو میں نہانا ہوتا ہے۔ ندان صلاح وقت جان کر اُس توتے کو شہزادے کے حضورِ عالی میں گزرانا۔

جہاندار سلطان اس بات سے نہایت خوش و خرم ہوا بلکہ سمجھا کہ یہ ہفت اقلیم کی فرمانروائی میرے ہاتھ لگی۔ تمام جہاں کی بادشاہت ملی۔ شاداں اُس مکان سے مراجعت کر کے دولت خانہ میں داخل ہوا اور توتے کی مصاحبت و موالست کو قبول کر کے ایک دم اس سے جدا ہونا نہ چاہتا تھا اور وہ عقلمند توتا بھی اچھی اچھی باتوں خاصی خاصی کہاوتوں سے اس کے دل کو ہر آن لبھایا کرتا۔

قصّہ

ہنسنا توتے کا مہر پرور چاند کے سے ٹکڑے کی بیہودہ گوئی پر اور مہرور بانو کے عشق کے آفتاب کا جہاندار سلطان کے افقِ دل سے طلوع ہونے کا

جب کہ کارکرنے والے قضا و قدر کے ہمیشہ مستعد و چست ہوکر دنیا کے کاموں کی سربراہی کے واسطے اس بات کے پیرو ہوتے ہیں کہ قصد کے معشوقوں کو، جو خواہش کے پردوں میں چھپے ہیں وقت معین اور زمانِ مقررہ پر جلوۂ ظاہری میں لادیں، ضرورتاً موافق رسم دنیا کے پہلے ایک سبب پیدا کرتے ہیں، اس واسطے کہ وہ بے آلائش عذر کے اپنے سر کو چادرِ اخفا سے میدانِ ظاہری میں نکالیں۔

غرض دلیل اس بات کی یہ ہے کہ ایک دن جہاندار سلطان اپنے دولت خانے میں ایک نازنین و مہ جبین کے ساتھ کہ نام اُس مہر لقا کا مہر پرور تھا اور اُس خجستہ خصال کا دل بھی اُس کو نہایت پیار کرتا تھا، بیٹھا ہوا اختلاط کر رہا تھا بلکہ اُس کے بے نظیر حسن سرشار کے نشے سے

مارے خوشی کے اپنے پیراہن میں پھولا نہ سماتا۔ اُس ہلالِ ابرو کے طاق پر خورشید کی کسوٹی کا کچی ہوئی شراب کو چاند کے سے پیالے میں دم بدم بھر رہا تھا جو اس پری پیکر نے اُسی خوشی و مسرت کی حالت میں کہ شرابِ حسن اور حسن کی مے سے خوشی کا نشہ دو بالا رکھتی تھی، اپنے خیالِ جمال کو آئینے میں بلکہ خود بینی کی راہ سے کہ وہ دانائی کے ملک میں بُری سے بُری چیز ہے، اپنی ہی خوبصورتی اور گات پر فریفتہ ہوئی بلکہ کم ظرفی کے باعث غرور کی شراب سے چھلک اُٹھی۔ ایسی خوشی اور بے حجابی کی حالت میں یہ سخن بے اختیار اپنی زبان پر لائی کہ اے شہزادے اگرچہ یہ گستاخی ہے بلکہ آئین ادب سے دُور لیکن چاہتی ہوں کہ ایک ساعت شکوہِ شاہی اور شانِ خسروی بالائے طاق رکھ کر سررشتۂ انصاف کا ہاتھ سے نہ دے اور بے تکلف صدق و صفا کی رہ سے باز نہ رہے۔ سچ کہ اس بیچون کے مصور نے کسی قد و قامت کو بھی روئے انسان سے میرے حسن و جمال کے موافق دنیا کے کارخانے میں تقدیر کے قلم سے ایجاد کے صفحے پر کھینچا ہو یا ایسی ملاحتوں کے ساتھ چہرہ کشائی سے سنوارا ہو؟

شہزادے نے ہنوز اُس کے جواب میں لب نہ کھولے تھے کہ توتا ہنسا۔ اس معنی سے وہ پاس کی کا تازہ گل غنچے کی مانند بستہ خاطر ہو گئی۔ ملال کو اپنے ماتھے پر ظاہر لائی بلکہ شوخی و ناز کے سبب مست کے ہاتھ سے شہزادے کا دامن پکڑ کے کہنے لگی کہ اس محل کی ہنسی کا موجب مجھ پر ظاہر کیا چاہیے نہیں اپنے تئیں مار مروں گی۔ شہزادے نے ہرچند اس مقدمے میں مبالغہ کر کے پوچھا پر توتے نے مطلق اپنے لب کو گویائی سے نہ ملایا۔ یہاں تک کہ مانند تصویرِ بلبل کے سکوت اختیار کیا۔ جب گفتگو حساب کے حافظے سے باہر نکل گئی، توتے نے مہر پرور سے کہا، بی بی کھلنا اس رمز کا کسی طرح تمہارے حق میں اچھا نہیں اور فائدہ نہ کرے گا بہتر یہی ہے کہ اس بات سے ہاتھ اٹھاؤ کیونکہ ہٹ کرنا اور لوٹ ہونا یہ شیوہ بیوقوف عورتوں کا ہے اور بنیاد اس قوم کی جہل و نادانی سے خمیر کی گئی ہے۔

اس نے ہرگز یہ بات نہ سنی اور جس قدر مچلی تھی، اُس سے بھی زیادہ ہٹ کی تب اُس عقلمند توتے نے لاچار ہو کر خموشی کے طلسم کو گویائی کے سرگنج سے توڑا۔ بیان کے جواہر آبدار کو شہزادے کے دامن سامعہ و مہر پرور کے دامن گوش میں کہ وہ اپنے حسن پر مغرور تھی، انڈیل کر کہا کہ میرے ہنسنے کا موجب بی بی صاحبہ کی غلط فہمی کے غرور پر یہ ہے کہ وہ اپنے تئیں حسن و جمال میں تمام جہان کے انسانوں سے مانند سروِ آزاد کے خوبصورت و حسین جانتی ہے۔ ساری دنیا کے بھلوں سے شمار کرتی ہے، یہ نہیں سمجھتی کہ خدائے کریم کا

کارخانہ ایک وجود پر منحصر نہیں اور اُس کے پیدا کئے ہوئے باغ کی سرسبزی ایک گل پر موقوف نہیں کیونکہ اس رنگ برنگ آسماں کے نیچے ہزاروں گلشن تروتازہ ہیں اور ہر ایک باغ میں کروروں گل اپنے اپنے رنگ و بو میں دوسرے سے بہتر۔ چنانچہ یہاں سے تھوڑی دور ایک ملک ہے کہ وہ آبادی و کثرت و لطافت میں تمھاری قلمرو سے سو حصّے زیادہ ہے دلکشائی و روح افزائی میں کہیں صاف و مصفّا۔ وہاں کا بادشاہ ایک ایسی لڑکی حسین و مہ جبین مہرور بانو نامی رکھتا ہے کہ یہ خورشید جہاں تاب ساتھ اس تابندگی و جہاں تابی کے، بے دستگیری نقاب و بے حمایت حجاب کے اس کے چاند سے مکھڑے کو نہیں دیکھ سکتا۔ گل اس کے جمال خوش کے شوق میں گریبان چاک ہے۔ نرگس اُس کے حسن کی آرزو میں سر سے پاؤں تک بطور چشم ہوگئی ہے۔ مثلاً اگر بی بی صاحبہ اس کے پہلو میں بیٹھیں تو سورج کے آگے ستارے کی طرح اپنے تئیں اور کچھ نہ سمجھیں گی اس کی مانند گل کے سامنے قدر نہ رکھیں۔

اس بات کے سنتے ہی مہرور پریشانی کے دریا میں ڈوب گئی شرمندگی کا پسینہ اپنے ماتھے پر لائی اور جہاندار سلطان مہرور بانو کے بے دیکھے اس کے حسن و جمال سے آگاہ ہو کر بے اختیار و بے حواس ہو گیا۔ نادان اس کے طرۂ تابدار کی کمند میں اپنے جی کی گردن ڈال بیٹھا اس کی ملاقات کے میدان تمنا کا دیوانہ بنا غرض یکایک اپنے دل کو خویش و بیگانے سے اٹھا کر اسی پر مبتلا کیا اپنے شوق کے گھوڑے کو اس کی محبت کے میدان میں ایسا دوڑایا کہ اس کا دائرہ تعلق غیر سے باہر نکل گیا۔ نظم

عشق کچھ پیدا نہیں ہوتا فقط دیدار سے	بلکہ ملتی ہے یہ دولت بیشتر گفتار سے
حسن کا شہرہ اگر پہنچا کسی کے گوش تک	لے گیا آرام جی سے اور دل سے ہوش تک
دیکھنے سے دل میں کچھ الفت نہیں کرتی اثر	غائبانہ عشق کر دیتا ہے جس کو بے اثر

روانہ کرنا جہاندار سلطان کا بے نظیر نامی ایک مصوّر کو شہر بینو سواد کی طرف مہرور بانو کی تصویر لانے کے لئے

جب جہاندار سلطان نے توتے کی زبان نادر بیان سے اس کبک کوہسار دلبری کے حسن و جمال کی کیفیت سنی بے دیکھے اس پری دیدار کے طرۂ تابدار کی کمند میں گردن دل پھنسا دی یہاں تک کہ اس حجلۂ دلبری کی معشوقہ کے طائر دل نے اس کی خاطر نازک کی ڈالی پر گھونسلا بنایا اور جی میں گھر کیا غرض

واسطے رفع شک وحصول ہونے یقین کے سحر نگار جادو قلم بے نظیر نامی مصور کو بلایا کہ وہ قلم اعجاز رقم کی مدد سے ربع مسکون کی صورت اور پہاڑ وجنگل کی شکل چنبیلی کی پنکھڑی پر ایسی کھینچتا کہ اس کا دیکھنے والا ایک نظر میں بے رنج ومحنت کے ہفت اقلیم کی سیر کرے تا حسن کی کیفیت، ملک وشہر کی قباحت، جہان کی آبادانی و ویرانی مانند خیال آئینے کے ایک آن میں دیکھ لے، نہ بلکہ پستے کے چھلکے پر صاحب جنگوں کی مجلسیں ہاتھیوں کوہ پیکروں کی شکلیں، لشکروں کی کثرت، لڑنے والوں کی بہتات، جوانمردوں کی صفیں بہادروں کی صفتیں ساتھ آسانی کے تصور میں آجاتیں بلکہ تردد ستم دلوں اور حملے جوانمردوں کے آپس میں ملے ہوئے نظر پڑتے۔ بہادروں اور نامردوں کے تفرقے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں صاف جلوہ دے جاتے۔

سچ ہے کہ آج تک زمانے نے اس نیلے سائبانِ زرنگار کے نیچے ایسا مصور جادو قلم، سحر نگار خیال کی آنکھوں اور فہم کی چشموں سے نہیں دیکھا۔ روزگار کہن نے بھی اس سطحۂ صندلی پر ایسا استاد سبک دست، معجز نگار ملاحظہ نہیں کیا کیونکہ اس کے قلم نادر کے لکھنے کے اعجاز سے طائرِ تصویر مانند مرغِ چمن کے بانگ دینے اور چہچہے کرنے میں مستعد ہوتا تھا بلکہ اس کے قلم سحر پرداز کی یاوری سے تحریر کا گلدستہ گل وپھول کی طرح قابل دیکھنے کے ہو جاتا تھا بے تکلف اگر مانیِ ارژنگ نگار اس دنیا کے ورق پر اپنے وجود کا نقش رکھتا تو اس کے قلم سحر نگار وجادو طراز کے کمینے نقطے کے گرد پرکار کی مانند سر کے پاؤں سے صدقے ہو ہو کر پھرتا، اس لئے کہ ارادت کے مصلحت کرنے والے نے کائنات کی کچہری میں فرمان مصوری ورقم استادی اس جادو نگار کے نام پر لگا دیا تھا، اس مصوروں سحر پردازوں کے پیشوا کی ذات میں اس کاریگر بے وسیلے کے قلمِ قدرت طرازِ حکمت کی قوت صاحب نظروں کی آنکھوں میں بالکل معلوم ہوتی تھی نظم ؎

اپنی مصوری سے مانی کو شاد کرتا — صورت گری میں زیادہ بہزاد سے کہیں تھا
ایسا سبک قلم تھا، ایسا مصورِ اعلیٰ — جو بے قلم کے کھینچے کر کے خیال نقشا
یہاں تک تو تھی صفائی ہاتھ اور قلم میں اس کے — پانی پہ گر وہ چاہے تصویر جس کی کھینچے

بطور سوداگروں کے روانہ کیا اور زمانے کی اچھی سے اچھی چیزوں دنیا کے بہتر سے بہتر تحائفوں میں سے تھوڑے بہت اس کے ساتھ کر دیئے اس لئے کہ وہ ان کے وسیلے سے اس غارت گر ہوش و عقل کے شہر فرحت اثر میں جا کر جس پری پیکر نے اپنے بے دکھلائے اس کے ملکِ دل کو لوٹ لیا

تھا اس کی تصویر کاغذ حریر پر کھینچ لا دے حضور عالی میں گزرانے۔

غرض بے نظیر مصور نے ہمت کی رہبری وطالع کی یاوری سے سفر کا سامان درست کرکے منزل بمنزل اس دیار کی طرف چلنا اختیار کیا بلکہ ہوا کی طرح سبک رَو ہوکر منزلیں طے کرنے لگا بہت سی سفر کی مشکلیں راہ کی مصیبتیں اٹھا کر اس شہرِ جنت بہر میں جا پہنچا جو اس حور مثال کے باپ کا پایۂ تخت تھا اور اس باغ میں جو دولت خانے کے سامنے مہرور بانو کی سیر کے لئے بنا تھا اس میں داخل ہوکر اونٹوں سے کجاوے اتروائے خیمے کھڑے کروائے۔ غرض اس بندھے ہوئے اسباب کو کھلوا کر رکھا ایک دن اس اچھے اسباب سے تھوڑی بہت چیزیں بہتر سے بہتر چُنیں بطور سوغات و نذر کے اپنے ہمراہ لے کر بادشاہ کے ارکان دولت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس درگاہ عالی کی آستانہ بوسی حاصل کرکے مرتبۂ بزرگی پیدا کیا بادشاہ اس بیش قیمت اجناس کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوا بلکہ شاہنشاہی وجہانداری کی رسموں کے قاعدے سے مسافر پروری کے خلق اپنے اوپر جائز رکھ کر جو توقع کہ اس کے حوصلے میں گنجائش کرسکتی تھی اس سے بھی زیادہ مہربانی و نوازش سے سرفراز کیا از بس پیار و اخلاص سے پوچھا کہ تمہارا آنا کس شہر آباد سے ہوا اور یہ انمول انوکھی چیزیں کس ملک کی ہیں کیونکہ آج تک ایسی بہتر اجناس کوئی سوداگر و تاجر حضور معلیٰ میں نہیں لایا۔

اس بات کو سُن کر بے نظیر نے اپنے بادشاہ کے ملک و دیار کی حقیقت جھوٹ کو بیچ سے ملا نا مصلحت نیک جان کر اس ڈھب سے بیان کی کہ بادشاہ کے دل میں نہایت حسرت پیدا ہوئی۔ جب بے نظیر بادشاہ کی جناب سے رخصت ہوکر اپنے گھر کی طرف پھرا، شہرہ اُس کا اور اُس کی جنس کے لانے کا شہر کے ہر ایک گلی کوچے میں پھیل گیا۔ یہاں تک کہ مہرور بانو کی عصمت کے پردہ نشینوں نے اس کی خبر پاکر شہزادی کی خدمت کرنے والیوں کو پہنچائی۔ وونہی اُس ملکہ مہر دیدار کے حضور پُر نور سے جناب خاص میں بے نظیر کے حاضر ہونے کا حکم نکلا۔

اس نے اس بات کے سنتے ہی راہ کی ماندگی ومحنتِ سفر کی کسلمندی ومشقت کو اپنا وسیلہ کرکے عذر کیا، خدمت کی زمین پر عبودیت کے لب دھر کر کہا کہ یہ فدوی جو اسباب اپنے غریب خانہ میں رکھتا ہے اکثر اُس میں سے حضور عالیہ کی خواصوں کے لائق ہے کیونکہ میں نے

صرف اِس جناب فیض مآب کے بندوں کی خدمت میں مشرف ہونے کے ارادے پر اتنی دور دراز کی راہ طے کر کے اس آستانے کی خاک بوسی کے کمال شوق سے سفر کی شکلیں اور راہ کی مصیبتیں اپنے اوپر گوارا کیں۔

احسان اُس خدا کا کہ جس کے فضل سے اپنی مراد کو پہنچا۔ سچ ہے اس صدق ارادے کی برکت کے باعث ایسے ہولناک مکان اور ایسی خطرناک راہ سے ساتھ امن و آسانی کے گزر کر ملکۂ دوراں کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن جب کہ کھلے ہوئے گٹھروں، بکھرے ہوئے بوجھوں کا وہاں سے اٹھا کر جہان کی شہزادی کے حضور لانا خالی سبب سے نہیں۔ اگرچہ اس بات میں دلیری کا راکب ہونا گستاخی ہے بلکہ آئینِ ادب کے نزدیک بہت دور کیونکہ اصلاً اس کام میں ان بندوں کی مجال نہیں لیکن اگر تمام دنیا کی شہزادی غریب نوازی و مسافر پروری پر نظر رکھ کر آپ ہی صاحبِ دولت و اقبال کے ہُما کی طرح اگر اپنا سایۂ سعادت اِس باغِ رشکِ اِرم پر ڈالے مثل مشہور ہے کہ ایک "پنتھ دو کاج" یعنی گل و ریحان کے تماشے سے خوشی کی کیفیت اٹھانے والی ہو کر چمن کے ہر ایک گل و پھول کو سرفرازی بخشے اور دیکھنے سے اُس نادر سوغات کے جو زمانے کی اچھی چیزوں، دنیا کی خاصی تحایفوں سے چُنی ہوئی ہے، خوشی حاصل کر کے اس خاکسار کے پایۂ عزت و اعتبار کو آسمان کی بلندی تک پہنچا دے تو بہت خوب ہو، آگے جو حکم حضور عالیہ کا، بندوں کو سوائے قبول کرنے اور گردن جھکانے کے کہ جس میں دونوں جہان کی بہتری چھپی ہوئی ہے، چارا نہیں۔

ان نے یہ بات سن کر بے نظیر کی عرض بخوبی قبول کی۔ دوسرے دن جب آفتاب جہانتاب نے صبح کے گریبان سے سر نکال کر دھوپ کی چادر پھیلائی، مہرو بانو عماری میں کہ جس کی کمندی کے شمسے کی آتش رشک سے خورشید خاوری جلتا تھا، جس صورت سے آفتاب برج حمل میں آتا ہے، بیٹھ کر باغ کی طرف متوجہ ہوئی۔ گلشن کی تمام نازنینوں کے چہرے کا رنگ اس سروِ خوش خرام، گل اندام کے دیکھتے ہی اڑ گیا اور تن ہر ایک کا مارے شرم کے پانی ہو کر بہہ نکلا بلکہ آپ میں نہ رہے۔ جس وقت وہ رشکِ چمن اقبال کی مسند پر جا بیٹھی بے نظیر کے حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ وہ اس خوشی کی خبر جاں نواز کو سن کر نہایت خوشی و خرمی سے گل کی مانند

کھل گیا۔ بادِ سبک رو کی طرح اس نونہال کی طرف دوڑا اور وہ اجناس جو اس کی خواصوں خادموں کے لائق تھی، حاضر کی۔ مہرور بانو ایک جھرجھرے سے پردے میں ہو بیٹھی۔ اپنی بڑی بوڑھیوں دوا دائیوں سے کہنے لگی کہ اسباب کو اس کے ہاتھ سے لے کر اندر لے آؤ۔

جس وقت بے نظیر نے وہ سوغات جو دنیا کے کارخانہ میں کسی آنکھ نے اُس کے موافق نہ دیکھی تھی نہ اس جہان کے سبز بچھونے کے ادیم پر کسی کان نے سُنی تھی برابر برابر چن کر ان نیک بختوں کے حوالے کی۔ مہرور بانو اس کے دیکھتے ہی اس قدر خوش ہوئی کہ جس کی حقیقت بیان کے قالب میں نہیں سما سکتی بلکہ بآوازِ بلند تحسین و آفریں کرکے فرمانے لگی کہ سوائے اس اجناس کے اگر کچھ اور اس کے پاس ہو تو اسے بھی لے آؤ۔ خواصوں نے زمین خدمت کی چومی اور مراتب بندگی کے ادا کرنے کے بعد عرض کی کہ عمر و دولت شہزادی کی بڑھے۔ ہمیشہ مسندِ ناز پر سلامت رہے۔ ایک صندوقچہ مقفّل مخمل سے منڈھا ہوا اور اس کے پاس ہے۔ پردہ اُس کو نہیں کھولتا۔ مہرور بانو اس بات کو نہایت عجائب و غرائب چیزوں سے جان کر فرمانے لگی کہ اس کو بھی ہمارے پاس لے آؤ۔

بے نظیر اس بات کو سن کر اچھے اچھے بہانے درمیان لایا۔ یہاں تک کہ راضی نہ ہوا تب وہ جہان کی شہزادی اُس کے کھلوانے پر جتنی ہٹی تھی، اُس سے بھی زیادہ ضد کرنے لگی۔ بے نظیر نے جب اس کا شوق حد سے زیادہ دیکھا اور اپنا مطلب بھی اُس میں ملا پایا، آمیزش کرکے ایک عیاری سے التماس کیا کہ جس چیز پر میں نازاں ہوں اور جس جنس کو اپنی بڑائی کا وسیلہ سمجھتا ہوں۔ سو بادشاہ کی سونپی ہوئی یہی ہے میں اسے اس کے پیچھے نہیں کھول سکتا۔ اس بات سے مہرور بانو کو اس کے دیکھنے کا اور بھی سوچھے زیادہ اشتیاق ہوا نہایت منت و سماجت سے اس کے کھلوانے کو ارشاد کیا تب بے نظیر نے عرض کی کہ اگرچہ اس بات کے قبول کرنے اور اس امر میں مستعد ہونے سے امانت کی بنیاد میں خلل پڑتا ہے مگر جس مقام میں کہ زمانے کی شہزادی کو اس کے دیکھنے کا کمال شوق ہو چارا نہیں قبول ہی کیا چاہیئے لیکن اس شرط پر کہ یہ کمترین اپنے ہاتھ سے اس نظر کیمیا اثر کو ملاحظہ کروادے۔ مہرور بانو اس عجایب چیز اور اس غرایب اسباب کے دید کی ازبس کہ آرزو رکھتی تھی اور بے نظیر بھی ظاہرا ضعیف و سن سفید معلوم ہوتا تھا اس لئے اس کا التماس دل و جان سے قبول کرکے فرمانے لگی کہ بے دھڑک پردے کو اٹھا کر بے حجابانہ اندر چلا آوے ہمارے جمال جہاں تاب کو بھی دیکھ کر نور سعادت حاصل کرے

اس بات سے بے نظیر نہایت خوش و خورم ہوا بلکہ آپ میں نہ رہا پھر اپنے تئیں ذرہ کی مانند اس آفتاب کی تابش سے تابندہ کر کے اس صندوقچے کو بغل میں مارا اور اس عظمت و جلال کی نگہبانوں کے فرمانے سے اس آفتاب آسمان حسن و جمال کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بمجرد دیکھتے ہی تصویر کی طرح بے نطق و گویا ہو گیا بلکہ بے حس و حرکت ہو کر گر پڑا آنکھیں اس کی نہایت حسرت و حیرانی سے چشم نرگس کی طرح کھلی رہ گئیں جہاں سوجھنے سے رہ گیا سوائے اس کے بے ہوشی نے اتنا غلبہ کیا کہ صندوقچہ بھی ہاتھ سے چھٹ کر زمین پر گر پڑا تب بہرہ ور بانو کی یہ حالت دیکھ کر متغیر ہوئی اور کہنے لگی اے تاجر یہ کیا حال ہے تیرا اور یہ کیا ہوا تجھ کو جو ایسا بدحواس و پریشان خاطر ہو کر آپ میں نہ رہا بے نظیر نے وونہی اپنے اوسان جمع کر کے عرض کی اے آسمان شہریاری کے آفتاب والے کو وہ دلبری کے عقاب میری پیری و کہن سالی کے باعث ضعف و ناتوانی نے مزاج پر غلبہ کیا ہے اس سبب کبھی کبھی (غش) آجاتا ہے۔ مصرع

کہتے ہیں کہ ہیں عیب بڑھاپے میں ہزاروں

بے نظیر نے اس صندوقچے کو کھولا اور جہاندار سلطان کی تصویر کو کہ جسے اپنے قلم اعجاز رقم سے آپ کھینچا تھا اس شیشہ کو نکال کر بہرہ ور بانو کے حوالے کیا وہ اس کے سراپا کی ملاحت و خوب صورتی دیکھتے ہی آپ میں نہ رہی بے اختیار ہو کر کہنے لگی یہ کیسی تصویر ہے کہ جس سے آشنائی کی بو میری جان کے مغز تک جاتی ہے مارے محبت کے چھاتی بھری آتی ہے۔ بے نظیر نے عرض کی بی بی یہ شبیہ جہاندار سلطان کی ہے کہ وہ تمام ہندوستان کے تاج و سکّے کا وارث ہے آپس کے حسن و جمال کے سامنے حضرت یوسفؑ کو سوائے نبوت کے اور کچھ قدر و منزلت نہیں۔ اسی کی قوت تن و بلند ہمتی کے آگے رستم ادنیٰ زال سے ہے۔ اسی کی بخشش و سخاوت نے حاتم کی ہمت کے نامے کو مروڑ کر پھینک دیا۔ اسی کی خوش رفتاری کی ڈاہ سے کبکوں نے پہاڑوں پر رہنا اختیار کیا، سچ ہے۔

وہ جب شکار کھیلنے کے واسطے اپنے گھوڑے عقاب سے تیز پر۔ شیر کی سی ہیبت رکھنے والے۔ شاہین کے سے اڑنے ہارے پر سوار ہووے۔ شیر ببر اُس کی دہشت سے لومڑی کی مانند بل میں گھسے اور مست ہاتھی چیونٹی کے بل میں بیٹھے۔ فہم و فراست میں افلاطون سے بہتر۔ شان و شوکت میں

ثانیِ سکندر نظم

نادر ہے وہ جہاں میں یکتا ہے اور دلیر
آہو نگہ ہے دوستی میں، دشمنی میں شیر

اب تک نہیں ہے اُس گل عارض پہ خط عیاں
ہے سرو اس کا خوبی میں جوں سروِ بوستاں

ہر شاخ اِس بہارِ چمن کی ہے پر ثمر
بادِ خزاں سے ہے وہ گل تازہ بے خطر

مجلس میں جا کے بخشے جنت کی وہ ہوا
عارض سے اپنے دے ہے قمر کے تئیں جلا

گھوڑے پر سوار تو رستم سے ہے زیاد
گرمے خوری کرے تو بنے مثل کیقباد

گر زر کرے خزانے کھلوا کے وہ عطا
قاروں کے تاج کبر کو دیوے صبا اُڑا

شمشیر گر وہ شیر کو مارے تو وہ مرے
باتیں کرے تو مونگے سے موتی نکل پڑے

مہر دربانو نے اچھی اچھی باتوں کے سننے اور حسن و جمال کے ملاحظہ کرنے سے فوراً جہاندار سلطان کی محبت کا دانہ اپنے کھیت کے دل میں بویا اور اس کی دوستی کا پودا اپنی خاطر کی کیاری میں لگایا لیکن اس جگہ کہ حیا دامن گیر تھی اور کوارپت مانع دقت تھا۔ اس لئے اپنا راز دل ظاہر لب تک نہ لا سکی مگر پوشیدہ چاہت کی آگ اپنے دل کی روئی میں رکھ کر جلنے لگی بلکہ اپنے آرام جی کے لئے بے نظیر سے وہ شبیہ مانگی۔ اُس نے اپنی دلیری و جوانمردی کے باعث اِس بات کے قبول کرنے سے منہ پھرا کر عرض کی کہ میرا سر اور میرا جی اس جہان کی بی بی کے صدقے ہے لیکن اسی واسطے مجھ خاکسار نے پہلے ہی التماس کیا تھا کہ تصویر امانت ہے۔ اس کام میں یہ غریب جرأت نہیں کر سکتا۔

دنیا کی ملکہ نے فرمایا کہ میں تیرے سخن کو سچ نہ جانوں گی کیونکہ تیرے کلام کی نازنینیں سجاوٹ کا گہنا نہیں رکھتیں۔ سوائے اس کے یہ ایک حریری پرزے پر تصویر کھنچی ہوئی کچھ ایسی چیز نہیں جو بادشاہوں کے سپرد کرنے کے سزاوار ہو۔ اس بات کو سن کر بے نظیر نے کہا اے جہان کی شہزادیوں کی سرتاج اگر اس حریری کاغذ کے ٹکڑے کو تو مال سمجھے ہے تو یہ روپے سوا روپے سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا۔ لیکن اگر خواہش خاطر و تمنائے دل اس شخص کی جو اس شکل کا مبتلا ہے اور اس صورت کے چاہنے والے کے معنی پر نظر کرے تو ہر فرد اس شکل کی شان کے شایاں ہے ؂

دونوں جہاں تو ہی نے کیے اپنے نرخ میں
قیمت بڑھا کچھ کہ او رکہ سستی ہے اب تلک

بیچ جان کہ احوال اس طور پر ہے کہ بنگالے کا بادشاہ فلک بارگاہ اپنی خلافت کے

برج میں ایک لڑکی ایسی چاند کی مانند رکھتا ہے۔ باوجود اس کے کہ سورج تمام دنیا کا روشن کرنے والا اس کے جمال کے خوشہ چینوں سے ہے، جس وقت سے اس بادشاہ جم جاہ نے سیاحوں جہان کے پھرنے والوں سے کہ انھوں نے ہر ایک کھیت سے دانے چنے ہیں اور ہر ایک دسترخوان سے نعمتیں کھائی ہیں، سیرت بہتر دخصلت نادرِ اس مبارک طالع بیدار بخت کی تحقیق کی ہے، سچ جانتا ہے کہ اس کے سراپا کے گل سے جہانداری کی بو جہان کے مغز میں پھیلتی ہے، چاہتا ہے کہ اس سلطنت کی سیپ کے موتی کو اس کی زوجیت کے رشتے سے گوندھے، گل کو شمشاد سے پیوند معنی بخشے۔

حاصل اس عالی خاندان کے فرمانے، سینکڑوں منتیں ہزاروں وعدے کرنے سے میں بہت سی سعیوں سے اس تصویر کو بہم پہنچا کر اس کی خدمت عالی میں لئے جاتا ہوں۔ امیدوار اس بات کا ہوں کہ زر بے شمار اور نقد بے حساب ایسی حدیث دفرمانبرداری کے عوض اپنے ہاتھ میں لاؤں۔ باقی عمر اس کے باعث فقر و فاقے سے بے پرواہو کر کاٹوں۔ جو روزگار کی سرگردانی سے نجات پا کر معیشت کی فکر سے فارغ البال ہوں۔

مہرور بانو نے اس احوال کو سن کر اپنے دل سے مشورہ کیا اور اپنے کام کے ہونے میں قدرے چپ رہ کر کہا کہ میں بے دیکھے اس جوان کے تیرِ عشق کو اپنے دل کے در پر کھا چکی ہوں یقین ہے کہ اب بے حاصل ہونے اس وصال مبارک کے زندگانی بمنزلہ موت کے ہو جاوے گی اور حیات کی شیرینی نہایت غموں کی کڑواہٹ سے کہ وہ جاں کندنی سے بھی زیادہ تلخ تر ہے، صرف ہوگی پس ایسے ہمارے اوجِ سعادت کو دوسرے کے جال میں چھوڑنا اور اپنے تئیں بت کے سلسلے میں تید کر کے نزع کی حالت تک رکھنا عقل مصلحت اندیشی کے آئین سے دور ہے۔ غرض ہر ایک طرح صلاح نیک اسی میں ہے کہ اس ظلم طلسم کے گنجِ اقبال کو یہ سعادت کے دروازے کی کنجی اور اپنے مقصد کی دولت کی بنیاد ہاتھ سے نہ دیا چاہیئے بلکہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور حق تعالےٰ کی بے حد بخششوں پر کہ وہ ڈھونڈنے والوں کے مطلبوں کا حاصل کرنے والا، غریبوں، ناچاروں امیدواروں کی حاجت روا کرنے ہارا ہے، نظر رکھ کر وقت کا منتظر رہا چاہیئے کہ وہ پردۂ غیب سے میدانِ ظاہری میں کیا جلوہ دکھلاتا ہے اور چرخ کس کا کام میں چرخ مارتا ہے۔ یہ سمجھ کر بولی۔ اے سوداگر تجھے زر درکار ہے جیسے چاہے گا اپنی مراد کے موافق پائے گا۔ بس اس کا غذ کی تصویر

کو میرے ہاتھ بیچ جس قدر زر تیرے حوصلے میں سمائے، بے رنج محنت کے لے اور اپنا مطلب حاصل کر کے رستہ پکڑ۔ تو آپ جانتا ہے کہ زمانہ ہر لحظہ سو سو طرح کے رنگ بدلتا ہے۔ اگر لالچ کی بہتات اور حرص و ہوا کی کثرت سے کہ وہ بڑے سے بڑے کاموں میں ہے اس نقد کو ادھار کی امید پر چھوڑ کر راہِ دور و دراز اختیار کرے، رات دن کی سرگردانی و تردّد و حیرانی میں جی کھپا دے ہو سکتا ہے کہ ایک آفت پڑے بالکل سے محروم رہے اور وہ محرومی آفتِ جاں ہو کر باقی عمر اس گنجِ بے شمار کی بلائے حسرت میں جو بالفعل تجھے بیچ میں دیتی ہوں ڈالے اور اس غم و غصے میں ہلاک کرے، سوائے اس کے بر تقدیر اگر اپنے تئیں صحیح و سلامت پہنچا دے اُس مقام میں کہ جہاں آدمی کا حال ایک ڈھیرے پر نہیں رہتا، شاید اُس کی ہمت کا دامن کوتاہی کرے، جوانمردی اُس کی تیرے حوصلے کے موافق نہ رہے تو یہ بات جان کی دکھ دینے والی اور دل کو غم و الم بخشنے ہاری ہووے، تو سفر کی محنت و مشقت کی صعوبت اس پر اور بھی زیادہ ہو۔

غرض ان باتوں کی تمہید سے یہ ہے کہ تھوڑے بہت نقد کو چھوڑ کر ادھار کے پیچھے دوڑنا عقلمندوں کے طریق سے دور ہے۔ پس بہتری تیری اسی میں ہے کہ اس خرید و فروخت سے منہ نہ موڑے۔ اس زرِ بے شمار کو ہاتھ سے نہ چھوڑے کیونکہ اس وقت تیرے بخت یاری کرتے ہیں۔ مدد کرنے کے درپے ہیں کہ اس کاغذ کے پرزے کے عوض سلطنت کا خراج تیرے ہاتھ لگتا ہے۔

بے نظیر سمجھا کہ میرے جادو نے اس کے دل میں اثر کیا۔ پہلے اپنے تئیں لاپروائی میں ڈال کر دو چار بہانے درمیان میں لایا غرض اس کے اندیشے کی خواہش نے، کہ جادو ٹونے سے جہاندار سلطان کی چاہت کے ساتھ اس پری پیکر کو ملا دیا تھا، تصویر بیچنے پر راضی ہوا۔ حاصل کلام بہت سا زر و جواہر اس دریا دل سے لے کر وہ شبیہ اس کے حوالے کی لیکن جس وقت کہ مہر دربانو کے ساتھ بات چیت کرنے سے سعادت حاصل کرتا تھا، اپنے فہم رسائی رُو اور عقل کامل کے باعث اُس پری خصلت کے چہرے کے خال خط کو حافظہ کے قلم سے اپنے دل کے ورق پر کھینچ چکا تھا۔ جوں رخصت ہو کر اپنے مقام پر آیا ووہیں قلم معجز نگار اٹھا کر ایک کاغذ کے پرزے پر اس نقشے سے تصویر کھینچی کہ اس آسمان نکوئی کے سورج کے حُسن بالا دست وچہرہ

حور فریب سے ایک بال برابر فرق نہ پڑا۔ سچ جانیئے کہ گویا قدرت کے مصور نے اپنے قلم قضا سے آپ وہ شکل کھینچی ہے۔

القصہ جب بے نظیر اپنے کام سے فارغ ہوا اور جو مہم کر اپنے آگے رکھتا تھا۔ اسے انجام دے چکا مہرور بانو کی جناب سے رخصت ہو کر اپنے شہر کی طرف پھرا۔ اپنے ہاتھ پاؤں کی چالاکی و قوت سے منزلیں طے کرتا ہوا ہشاش بشاش شہزادے کی بارگاہ میں جا پہنچا۔

داستان شہر بینو سواد سے بے نظیر کے پھرنے اور مہرور بانو ماہِ فریب کی تصویر لانے اور نئے سرے سے جہاندار کے دل صندلی پر عشق کے سانپ کے لپٹ جانے۔ آخر جنوں کے ہاتھ سے اس کے آزردہ ہونے کی

جس وقت کہ بے نظیر ملازمت کی نیک بختی اور جہاندار سلطان کی آستانہ بوسی کی بزرگی سے بہرہ مند و مشرف ہوا۔ بعد ادا کرنے مراتبِ دعا و ثنا کے وہ تصویر سورج کی روشن کرنے والی مہرور بانو کی، نظرِ فیض اثر سے گزرانی۔ کیا خوب شکل تھی یقین ہے کہ آسمان نے باوجود اُن ہزاروں نورانی تصویروں، جو اپنے اس پردۂ نیلگوں میں رکھتا ہے اس کے برابر خواب میں بھی نہیں دیکھے بلکہ روزگار کہن کے مصور نے دنیا کے کارخانے میں ایسی نادر تصویر خیال کے قلم سے تصویر کے تختے پر نہیں کھینچی کیونکہ اس کے رنگ و روغن کے چمن کے دیکھنے سے نظر کا دامن پھولوں سے بھر جاتا تھا اور اس کی صورت عقل کی فریب دینے والی کے نشے کے باعث خرد کا پیالہ لال شراب سے چھلک اٹھتا تھا بلکہ قلم کاتب کے ہاتھ میں اس حور مثال پری فریب کے جمال کی تعریفوں کے لکھنے کے قلم کی طرح سبز ہو جاتا تھا۔ تصویر کی بلبل کو اس جادو بھری صورت کے چہرہ گل رشک کے دیکھنے کے شوق میں اڑنے کا ارادہ ہوتا تھا۔

شہزادہ اس شکل معنی سے بھری ہوئی اور اس صورت جاں کی نورانی باری کو دیکھتے ہی مجنوں کی طرح صحرائی بنا غرض یہ مہرور بانو کے ملنے کی تمنا میں عشق کی شراب کے سر در میں مستوں کی طرح بدحواس و مدہوش ہو کر تخت اوپر سے نیچے گر پڑا بلکہ گھڑی آدھ گھڑی نقش قالین کی طرح بچھونے پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ حاصل کلام اِس کے اس احوال کو دیکھ کر خواص و خواجے گھبرا کے حکیم سے ملتجی ہوئے۔ سر و منہ پر اس کے گلاب چھڑکا۔ اپنا حال تباہ کیا۔ مگر بے نظیر جو اس دل کی نبض پہچانتا تھا، اُس نے اُن سبھوں کو اُس کے سرہانے سے سرکا کر اس کا سر اپنی گود میں دھرا۔ آخرکار اُس مستی سے جو تن بدن کی جلانے والی تھی، ہوش میں لا کر تخت پر بٹھلایا لیکن عشق

کا تیر جگر چھیدنے ہارا اُس کے دل میں گھر کر چکا تھا۔ اسی باعث اپنی معشوقہ کے غم کے ہاتھ سے جانبر نہ ہوا بلکہ بے اختیار دل کے گریبان کو پھاڑ کر دیوانگی کا حلقہ کانوں میں ڈال لیا۔ یہاں تک کہ سب سے منہ پھرا کر اپنا دل دلدار سے لگایا۔ نیک نامی کے کوچے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ فہم و ذکا کو جواب ملا۔ تھوڑے ہی دنوں کے عرصے میں طبلا ندے کے غلاف سے نکلا۔ شہرہ اُس کے دیوانے پن کا ہر ایک گلی کوچے میں پھیل گیا۔ بادشاہی تخت کے گوشہ نشینوں نے اس احوال کی کیفیت کو حضور عالی کے مقربوں کی خدمت میں جا کر التماس کیا۔

بادشاہ اس خبرِ جاں سوز کے سنتے ہی غم و الم کی زنجیر میں گرفتار ہو گیا۔ شہزادے کو خلوت خانے میں بلوا کر بند کے دروازے اُس کے سامنے کھولے۔ نصیحت کے موتی بے بہا اُس کے دامنِ خیال میں ڈالے۔ جہاندار سلطان کے ہوش کے کان عشق کے دیوانہ پن کی روئی سے بھرے ہوئے تھے۔ اس لئے اندیشہ کرنے والی عقل کے سخنوں نے اس کے دل میں راہ نہ پائی۔ اس لئے اس نے ہرگز اپنے پاؤں قبولیت کے کوچے میں نہ رکھے بلکہ اور بھی آگے سے زیادہ جنون کی راہ میں دیدۂ خونبار کی طرح لہو کے آنسو بہانے لگا۔

بادشاہ شہزادے کی حالت دیکھ کر غم کے بھنور میں ڈوب گیا۔ ندان دانش مندوں وزیروں مشکل آسان کرنے ہاروں عقلمندوں کو جمع کر کے اس لاحل مقدمے کے حل کرنے کی تدبیر پوچھنے لگا اُنھوں نے اپنی اپنی بہت پہنچنے والی عقل کے موافق اور راہِ صواب کی پہچاننے ہاری رائے کے بموجب جس قدر اُس زخم کے بھرنے کے لئے بے خطا تدبیروں سے دوڑ دھوپ کی۔ ہر ایک طرح کی مشکلیں اپنے پر لیں، پر کچھ فائدہ مند نہ ہوئیں۔ بلکہ دن بہ دن وہ آتش بلا بھڑکنے لگی۔ یہاں تک کہ جنون کی آگ شہزادے کے دل کی انگیٹھی میں دھدک کر نہایت شعلہ زن ہوئی۔

جب کہ ان داناؤں، علاج کرنے والوں کاہلوں، تدبیر کرنے ہاروں، زور آوروں نے ہر ایک کوچہ تدبیر کا دیکھا، خاک چھانی۔ منزل مقصد کے رستے میں قدم نہ رکھا۔ اس واسطے تمام عقلمندوں کی عقلیں اس بات پر متوجہ ہوئیں کہ رات دن اچھی اچھی کہاوتیں، خاصی حکایتیں، عورتوں کی ہجو اور رنڈیوں کی ذات بے وفا کے گروہ کی مذمت میں اس نے بادشاہِ کشورِ جنوں کے تخت سنوارنے والے کی خدمت میں جا جا کر کہا کریں۔ شاید انہی دواؤں سے اس کی سودائی جائے کہ وہ کسی طرح ہوش میں آئے۔

پہلی داستان

ایک مرد شکاری اور حاکم کے بھائی کی

اس کے مصاحبوں میں ایک دانش مند نے سخن کے معشوق کو بیان کے گھر میں سنوار کر اس طور سے جلوہ گر کیا کہ ایک جوان روزگار پیشوں سے تھا۔ اور حاجت روائی کی دولت سے ایک مشت پونجی اپنے پاس رکھتا۔ زندگانی کی گزران کے اسباب سے بے شمار خزانوں کا مالک۔ اپنے جسم کی فربہی اور تن بدن کی قوت کے سامنے ہم عصر کے جوانوں سے بہتر، ترکیب کی خوبی گات کی ظاہر انزاکت وخوبصورتی کے باعث اپنے برابر والوں سے نادر بلکہ شجاعت، دلیری وچالاکی میں اُس وقت کے جوانمردوں سے گوئے سبقت لے گیا تھا۔ سخاوت ومروت میں ہم چشموں سے اچھا۔ غرض اپنے چچا کی لڑکیوں میں سے ایک عورت حسین ومہ جبین وخوبصورت کو بیاہ کر اس پر اس قدر عاشق وفریفتہ ہوا کہ ایک گھڑی کی جدائی برداشت نہ کر سکتا بلکہ ہمیشہ اُس کی خاطرداری ودلجوئی ورضامندی کو اپنے اوپر سب چیزوں سے مقدم جانتا چنانچہ وہ عورت بھی عشق کی زنجیر میں قید ہو کر اپنے خاوند کی محبت کے جال میں پھنسی۔ یہاں تک کہ لونڈیوں کی طرح رات دن اس کی خدمت واطاعت میں اوقات بسر کرنے بلکہ اس قدر الفت پیدا کی کہ اگر وہ مرد گھڑی آدھ گھڑی کے واسطے دنیا کے کاموں کے جاری کرنے اور معاش کے حاصل ہونے کے لئے کہ جس میں تمام دوڑنے والے اس جہان بے بنیاد کی تنگ گلی کے لاچار ہیں، کہیں جاتا تو وہ عورت ہوش کی شراب دماغ کے پیانے سے پھینک کر آنکھوں کے جھرنے سے آنسو کی ندی بہانے لگتی۔

غرض اس شہر کی ہر ایک گلی کوچے کے زن ومردان دونوں کی عشق کی بات چیت

کے سوا اور کوئی حرف اپنی زبان پر نہ لاتے تھے۔ یہاں تک اگر دو شخص بھی کسی جاگہ باہم مل کر بیٹھتے تو انہی کی محبت کے قصے کے سوا کچھ بات منہ پر نہ لاتے حاصل کلام وہ جوان ازبس کہ شکار دوست تھا۔ ہر صبح کو جنگل میں جاتا اور شکار کر لاتا پھر اپنی بی بی کے ساتھ شراب بازی کے وقت اس گوشت شکاری کو کباب بنا کر گزک کرتا۔

اتفاقاً اس جوان اور حاکم کے بھائی سے یاری ہوئی۔ دوستی و آشنائی کی بنیاد نے مضبوطی پیدا کی۔ اکثر اوقات حاکم کا بھائی اُس کے گھر آتا۔ بھر بھر پیالے شراب کے پیتا۔ ایک دن اُس کی نظریں اس عورت سے لڑیں اور اُس کی بھی آنکھیں اس سے دو چار ہوئیں۔ تب وہ ناحق شناس شیطان کے ورغلانے سے پچھلی آشنائی کے حقوق اور نمک کا پاس بالکل بھلا کر اپنی شہوت نفسانی کے باعث اس کے ملنے کا خواہاں ہوا بلکہ ایک عورت مکرہائی کٹنی کو (کہ) وہ تمام جہان کے لوگوں کی حرمت کے گھر غارت کرنے والی تھی، تلاش کر کے اُس بی بی کے پاس بھیجا۔ اشتیاق اپنا کہہ سنایا۔ درخواست ملنے کی کی۔ پہلے وہ عورت دو چار دن اس بات کے قبول کرنے میں منہ پھرائے رہی۔ آخر کار اس لئے کہ رنڈیوں کی ذات میں وفا کی آب و گل کا مطلق اثر نہیں اور اس گروہ کے قالب میں راستی کی گنجائش ایک بال کے برابر نہیں، اپنے خاوند کی محبت کی کشتی کو نیستی کے بھنور میں ڈبو دیا اور وفا کا حرف کہ جسے ایک مدت تک اپنے دل کی تختی پر لکھا کی تھی، بدبختی کی چھری سے چھیل کے گناہ پر جی لگایا۔ اپنی عصمت اور شوہر کی عزت کا گریبان گل کی طرح پھاڑ ڈالا۔ رسوائی و بے غیرتی کا ڈھول چاروں طرف بجایا۔

جب تھوڑے دن اس طور سے گزرے اور یہ مقدمہ ننگ و ناموس کے شیشے کا توڑنے والا اڑوس پڑوس کی زبان زد ہوا تب وہ عورت اپنے خصم کی تلوار کے زخم سے ڈری جان کی دہشت حد سے زیادہ اُس کے دل میں پڑی ندان (نا) اپنی بدبختی اور بدذاتی کی راہ سے کارنا صواب کا ارادہ کیا بلکہ جو کہ ٹھہرایا تھا، اپنے چاہنے والے کو کہہ سنایا۔ اُس ناپاک نے بھی اس بُری بات کو بہت اچھا کام جان کر عہدنا درست مستحکم کیا اور فرصت کی تاک لگا بیٹھا یہاں تک ایک دن وہ جوان اپنی اسی عادت قدیم سے شکار کو گیا۔ قضا کار ایک ہرن اس کے آگے سے بھاگ کر اس بستی کی طرف جو اس عورت بدبخت کے ماں باپ کے رہنے کی جگہ تھی،

چوکڑیاں بھرتا ہوا جانکلا۔ اُس نے بھی اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر اس گاؤں کے قریب پہنچتے پہنچتے پکڑ لیا۔
جس وقت ان ساتوں سبز میدانوں کا ہرن پچھم کے غار میں جا چھپا۔ رات ہوگئی۔ جوان نے نہایت تردد کے سبب دوڑ دھوپ کی ماندگی کے باعث گھر پر آنے کی طاقت آپ میں نہ پائی۔ لاچار اسی بستی میں آکر اپنی سسرال چلا گیا۔ رات کی رات وہیں رہنے کا منصوبہ کیا اور تھوڑا سا گوشت اس ہرن کا اپنے پاس رکھا۔ سارے کا سارا ساس سسر کو دے ڈالا۔ مگر آپ کھانے کی طرف راغب نہ ہوا۔ اس مقام میں کہ وہ مہمان اُن کو نہایت عزیز تھا، اُس کے کھانا نہ کھانے سے آزردہ خاطر ہو کے سبب نہ کھانے کا پوچھا۔
اُس نے کہا یہ باعث تم سے چھپا نہ رہے گا۔ موجب یہ ہے کہ تمھاری بیٹی سے نہایت الفت و محبت رکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ بے اُس کے آج تک میں نے کھانے میں ہاتھ نہیں ڈالا۔ یہ کچھ شیخی سے نہیں کہتا بلکہ دل ہی نہیں چاہتا کہ بے اُس کے ایک دم جی تن میں آرام کرے۔ اس بات میں مجھ کو معذور رکھو۔ اپنی خاطر نازک کو نہ رنجیدہ کرو اور یہ لوتھڑا گوشت کا جو میں نے اپنے پاس رکھا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اگر اجل امان دے تو صبح کو اُس زندگانی بخشنے والی حیات کی پونجی کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤں گا اور اُس کے ہلالی ابرو کے طاق سے شراب پیوں گا۔
اس بات کے سنتے ہی ماں باپ اُس ناپاک کے نہایت حشاش بشاش ہوئے، اور وہ مرد سادہ لوح، جو عورتوں کے فریب سے غافل تھا، اس نے وہاں رہ کر وہ رات غم و غصے میں کاٹی اور اُس عورت بدذات نے اُسی رات نہایت سخت دلی اور نادرستی و بدطینتی سے اپنے آشنا کو خاوند کے نہ آنے کی خبر پہنچائی۔ اپنی ناقص عقل کے باعث اور رائے ناصواب کے سبب ایک تدبیر ٹھہرا کر اُس ناپاک کو مضلت دگمراہی کی راہ دکھلا کے لئے رہبر ہوئی۔ یہاں تک کہ آدھی رات کو پچھواڑے سے اپنے گھر کے ایک کونے میں آگ لگادی۔ وونہی وہ مرد ایک برق سے گھوڑے پر جلد سوار ہوا اور ایک گھوڑے ہوا کی مانند خوش رنگ کو اپنے ساتھ لے کر اُس کے دروازے کے پاس آکر کھڑا ہوا۔
بعد ایک دم کے جب آگ بھڑکی، اور لوگوں کے ہاتھ اُس کے بجھانے سے باز رہے، اُس عورت بدذات نے کہ جس کے باعث یہ آتش فتنہ بھڑکی تھی اپنے تئیں مکر و فریب کے باعث فرشِ راحت سے اُٹھایا۔ ڈرتی اور ہول کھاتی ساس اور لونڈیوں کو جگا دیا اور یہ احوال کہہ سنایا۔ وہ یکایک

گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ندان سراسیمہ ہو کر اپنے گھر کی چیز بست نکالنے لگیں اور وہ بدسرشت اس عرصے میں فرصت کا وقت غنیمت جان کر گھر سے نکلی اور اس گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے یار کا ساتھ اختیار کیا۔۔۔ راتوں رات دوسرے شہر میں جا پہنچی۔ وہاں ایک مکان محفوظ سا لیا۔ اُس میں چھپ کر وہ دونوں رہنے لگے دل کی خواہش سے اپنے روزگار کے سر پر مضلت کی خاک ڈالی یعنی فسق و فجور میں مشغول ہوئے۔

جب وہ آگ بجھی، ساس نے بہو کو گھر میں نہ پایا، اضطرابی اور بے قراری کی رو سے ڈھونڈنے لگی۔ جس قدر کہ اپنے گھر کے دالان اور کوٹھوں میں تلاش کیا، عنقا کی طرح اُس کا نام و نشان بھی نہ پایا۔ گمان کیا کہ جل گئی، وونہی رونے لگی بلکہ اور بھی زیادہ اُس مصیبت میں گرفتار ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ جوان، شوق کی آگ کا جلا، جدائی کے درد و دکھ کا مارا بڑے اشتیاق سے گھر آیا دیکھا اُس نے کہ حویلی ساری جل کر راکھ ہو رہی ہے۔ ماں نے اس مصیبت کے باعث سر میں خاک ڈالی ہے۔ جورو کا گھر میں نام و نشان کچھ نظر نہیں آتا۔ جوان ہچکچک رہ گیا۔ لونڈیوں سے پوچھنے لگا کہ یہ حال ہے اور سبب اس خانہ خرابی کا کیا؟

باندیوں نے اس ماجرے کی کیفیت سے آگاہی بخشی۔ بی بی کے جل جانے کی بھی بات کہی اس سخن کے سنتے ہی آتش بلا کے شعلے اس کے دامن دل سے بھڑکنے لگے۔ حسرت کے آنسو آنکھوں سے جاری ہوئے۔ ندان یہ مصرع نہایت دلسوزی سے زبان پر لایا۔ مصرع

"افسوس ترے دید سوا اور نہیں کچھ"

القصہ کہنے لگا کہ اس کی جلی ہوئی ہڈیوں کو اس خاکستر سے نکال کر گاڑو۔ جس قدر کہ اس راکھ کو اس کے زمانے کے سر پر ڈالا مطلق اس بدکار کا نشان نہ پایا۔

جوان اس بات سے متحیر ہو کر اپنے جی میں اندیشہ کرنے لگا کہ اس عورت پر ایسا کیا حادثہ پڑا۔ الٰہی اس کو کیا ہو گیا کہ مطلق اس کا نشان نہیں ملتا۔ اگر جلی ہوتی تو البتہ اس کی ہڈیوں سے ایک آدھ ہڈی اس خاکستر سے نکلتی ہی نکلتی۔ یہ ممکن نہیں کہ جیتا آدمی طور سے آگ میں جلے کہ کوئی اس کے آغاز و انجام سے کچھ خبر نہ رکھے۔ نشان بھی اس کا نظر نہ آوے۔ مگر اس مقام میں کہ سرشت رنڈیوں کی نادرستی کے خمیر بنی ہے، کوئی مکر کیا ہو یا کوئی حیلہ اٹھا کر اپنی حرمت کے خانماں میں

آگ لگا ئی ہو۔

جوان کو اس سوچ سے نہایت شک ہوئی۔ وہاں سے اُٹھ کر حاکم کے بھائی کے گھر کی راہ لی۔ اس لئے کہ دل کا بھید کہے کہ وہ اس بات کی سعی کرے۔ جب اُس کی حویلی پر گیا سُنا کہ وہ آدھی رات سے گم ہوا ہے۔ یقین ہوا اس کو کہ اس بدبخت نے اپنی بدبختی و بدذاتی کے باعث حاکم کے بھائی سے مل کر اپنی عصمت کے دامن کو گناہ کی خاک سے بھرا۔ غرض وہیں سے خاکساری کے کپڑوں کا لباس اپنے تن بدن پر درست کر کے سر پر خاک ڈالتا ہوا، فقیروں جہان کے پھرنے والوں، تجسس کے طریق کی راہ چلنے باروں کی طرح بن کر تلاش کے میدان کا تیز چلنے والا ہوا۔ ہر ایک منزل و مکان اور ہر ایک شہر و بستی دگاؤں کے کوچے و گلی میں پھرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ جس شہر میں وہ دونوں بدکار چھپے رہتے تھے، جا پہنچا۔

عجیب اتفاق ہوا کہ اچانک جس گھر میں وہ رہتے تھے، اسی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا کہ ایک عورت بڑھیا اندر سے نکلی۔ جوان نے اپنی اعیاری سے اس کے کہنے کے پہلے ہی پوچھا کہ فلانی بی بی کیا کرتی ہے؟ اس عورت بے وقوف نے بے سوچے کہا، اپنے دوست کے ساتھ بیٹھی ہوئی دوستی کی شراب کے پیالے پی رہی ہے۔ جوان نے کہا "اسے کہہ کہ تیرا خاوند یہیں دروازے پر کھڑا ہے۔ اگر تیرے آنے میں یہاں تک تیرا اختیار ہو تو دیر نہ کر چلی آ۔ وقت کو غنیمت جان۔ اس رنڈی کم عقل نے اس گھڑی گھر میں جا کر جوان کا پیغام اس سیہ رو کے سامنے بیان کیا۔

وہ بدبخت اس خبر کے سنتے ہی اپنے نقد ہوش کو کھو کے زرد ہو گئی اور جھروکے سے سر نکال کر جھانکنے لگی۔ کیا دیکھتی ہے کہ بیچ بیچ خاوند فقیروں کی طرح حال بنائے نہایت غمگین و بے قرار دروازے پر کھڑا ہے۔ سر کھینچ لیا اور ہول کھاتی ہوئی یار کے پاس گئی۔ اس احوال سے آگہی بخشی اور کہا کہ جب تک اس کے ہاتھ نہیں لگتے کام ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بہتر ہے کہ یہاں سے کہیں بھاگ چلیں۔ نہیں تو کام ناکامی سے مل جائے گا۔

اس ناپاک نے اسی گھڑی اس کو دوسرے دروازے سے نکال کر ایک گھوڑے بادپا پر سوار کیا اور اپنے نوکروں میں سے اُن دو نفروں کو کہ جن کی شجاعت و چالاکی پر نہایت بھروسہ رکھتا تھا، اُن کو سونپ دیا۔ اس لئے کہ وہ ایک ہوا سے گھوڑے پر بٹھلا کے لے اُڑیں۔ دوسرے

شہر میں لے جاکر ایسے مکان میں چھپا رکھیں کہ وہ کسی کے گمان میں بھی نہ آوے۔

اس جوان نے جو اپنی عورت کو دیکھا کہ اُس نے کھڑکی سے سر نکال کر پھر اندر کر لیا۔ میرے حال پر مطلق متوجہ نہ ہوئی، نہ اندر سے پھر آواز ہی آئی۔ اپنی ہوشیاری سے تاڑ گیا کہ یہ آتش فتنہ اسی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ بے شک اسی نے اپنے ناموس کے برباد کرنے کی آندھی اٹھائی ہے۔ سوچا کہ شاید اس حویلی کے دو دروازے ہوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکل کر اپنی راہ پکڑیں تو میں اسی دروازے پر کھڑا ہوا خاک پھانکتا رہوں۔ ہاتھ ملتا رہ جاؤں۔ وونہی وہاں سے بے اختیار دوڑ کر اس مکان کے پچھواڑے آیا۔ دیکھا اس نے کہ ایک عورت۔ برقعہ اوڑھے ہوئے ہوا سے گھوڑے پر سوار ہے اور دو جوان بجلی کی مانند نہایت چست و چالاک اس کے دونوں طرف رکابیں پکڑے بے اختیار دوڑے جاتے ہیں ۔ اس کی طرز و ادا سے معلوم کر لیا کہ یہ وہی بدبخت ہے۔ وونہی اپنے تئیں نہایت چالاکی و جوانمردی سے اس کے پاس پہنچا۔

اچانک پتھر کی کاٹنے والی تلوار میان سے کھینچ وونہی ان دونوں میں سے ایک کو ایک ہی ہاتھ سے صاف کر کے نیستی کی خاک پر ڈال دیا جب دوسرے نے اپنے یار کا یہ احوال دیکھا، جان کے ڈر سے بھاگنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس جوان دلاور نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ غرض عورت کے پیچھے بیٹھ کر اپنے شہر کا راستہ پکڑا جب شہر کے نواح میں پہنچا، دن کی رسوائی سے اندیشہ کر کے ایک باغیچہ میں جا کر قدرے دم لیا۔ اس لئے اندھیاری رات میں کام اس بد انجام کا پردہ فاش نہ ہو، سوار کر گھر آوے جب کہ تردد و فکر کے رنج، پاؤں پاؤں چلنے کی کوفت، رات دن گھر بہ گھر پھرنے کی مصیبت، ہر ایک گلی کوچے میں دوڑنے کی اذیت بہت سی اٹھائی تھی۔ ماندگی اور بدن بدن کے ٹوٹنے سے بے نہایت تکلیف دے رکھی تھی ۔ ایک لحظہ سرہانے ہاتھ دھر کے لیٹ لیا اور جورو سے کہا کہ تلوہ سہلائے۔

قضا کار نیند کے قابو ڈھونڈھنے والوں نے اس کی بیداری کے قافلے پر ڈاکہ ڈالا ہوشیاری کی دولت کا کارواں لوٹ لیا۔ جوان اپنی بدنصیبی کے باعث مردے کی طرح ہاتھ پاؤں پھیلا، غفلت کی دارو سے مست ہو کر سو رہا۔ اس جگہ کہ یہ آسمان پتنے باز اپنی ہر ایک گردش میں نئی پتے بازی دکھلاتا ہے۔ حاکم کے بھائی نے اس احوال سے مطلع ہو کر اس باغ میں کہ جہاں وہ بدبخت

پڑا سوتا تھا، آہستہ آہستہ چلا آیا۔ دیکھا کہ وہ بدبخت اپنے سوئے ہوئے نصیب کی طرح سو رہا ہے۔ اور وہ قحبہ اُس کے پہلو سے لگی بیٹھی ہے۔ فرصت کا وقت غنیمت جان کر جیرواں باڑھ کی تلوار میان سے نکال کر چاہتا تھا کہ اس مردک کو نیستی کے بچھونے پر بآرام تمام سلا دے کہ اس عورت ناقص عقل و تیرہ باطن نے اس ارادے سے باز رکھ کر کہا۔ یقین کر یہ بداختر اس قابل نہیں کہ ساتھ اس آسانی کے واصل جہنم ہووے۔ بلکہ سزاوار اس بات کا ہے کہ طرح طرح کے عذاب۔ قسم قسم کے دکھ دیکھے۔ پہلے اس کے کئے کا بدلا اس جہان عوض لینے والے میں یہ ہے کہ اس اُلٹے نصیب و برگشتہ وقت کو اُلٹا کر کے لٹکا دیں بعد اس کے جہنم بھجوائیں کہ قیامت تک لالہ کی طرح حسرت کا داغ اس کے دل پر باقی رہے۔ اس لئے اس کے ہاتھ پاؤں ایک موٹے مضبوط رسّے سے خوب جکڑ کر باندھیں۔

جوان نے اس عرصے میں آنکھیں کھول کر دیکھا تو موت سامنے کھڑی دکھلائی دی۔ قضا پیچھے نظر پڑی۔ سوچا کہ ہاتھ سے کام جا چکا ہے۔ اپنی نادانی و بے تدبیری پر بہت سی لعنت ملامت کر کے بموجب اس کے چپکا ہو رہا۔ مصرع

"تقدیر کے لکھے کو مٹا ہی نہیں سکتا"

راضی بہ رضا ہو کر کچھ نہ بولا۔ غرض اس عورت بدذات نے اس رسی کو ایک اونچی ڈالی میں ڈال کر کھینچ لیا۔ خاوند الٹا ہو کر لٹکنے لگا بلکہ بازی گروں کی طرح اُدھر میں رہ گیا۔ اور آپ نہایت غرور و ناز سے اس بدبخت کے روبرو اپنے چاہنے والے کی گود میں بیٹھ کر عشرت کی شراب کے پیالے پینے لگی اور لال شراب کے پیالے جو کہ معشوقوں کے چہرے لال کرنے والے تھے، ان کے پینے میں مشغول ہوئی۔ کبھی سرخ شراب کے جام بھر کر یار کو دیتی۔ کبھی اپنے لب لال سے کہ وہ خوشی کی منتہا اس بڑھانے والے تھے، بوسے لیتی۔ یہاں تک کہ دارو کی مستی اور ناز کے نشے سے چہرہ اُس کا گلنار ہو گیا۔ شہوت کی شراب نے جوش کھایا۔ خواہش کے ہاتھ سے یار کا دامن پکڑ کر ملنے کی خواہاں ہوئی اور کہنے لگی، وہ وقت آیا ہے کہ مباشرت کی لذت سے چاشنی چکھوں حسرت کا زہر ہلاہل اس بدبخت کے حلق میں چواؤں کہ یہ بھی دشمنی کی جان کنی کا مزہ چکھے۔ بعد اس کے طرح طرح کے عذاب۔ قسم قسم کی عقوبتوں کے کہ سر اس بدنصیب کا اس کے تن پر بوجھ ہے، کاٹ کر اس کی گود میں دھر دوں کیونکہ سزا اس کی بدبختی کی سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔

اس اندھے دل بے وقوف نے چھنال کی بد صلاح اور شیطان کے ورغلانے سے اپنے تئیں گناہ کے دریا میں ڈبو دیا۔ آخر اس بے گناہ کی آنکھوں کے سامنے جو اپنی حماقت کے گناہ میں گرفتار تھا، اس بدکار سے مارے شہوت کے ملنے لگا، اور بد شراب کے پیالے کہ وہ فعل جہان کے کاموں سے بد ہے، انڈیلنے (میں) مشغول ہوا جب کہ وہ غریب ہر ایک طرح کے عذاب میں گرفتار تھا، جو چیزیں نہ دیکھنے کے لائق تھیں سو بھی آنکھوں سے دیکھیں۔ نہایت عاجزی و انکساری سے اپنے خدائے کریم کی درگاہ میں بموجب اس کے کہ جس نے اس کے سامنے ہاتھ عجز سے پھیلائے دکھ سے نجات پائی، ملتجی ہوا۔

قضا کار مستی کی شراب نے اُن دونوں بدکاروں، ناحق شناسوں کے دماغ کی پیالیوں کو ہوش کی دارو سے خالی کیا، کہ وہ بدنصیب بدشراب کی مستی سے بدبختی کے بچھونے پر غافل سو گئے۔ مگر دارو کا پیالہ بھرا ہوا اسی طرح سے فرش پر دھرا رہا اور وہ جوان اُلٹا لٹکا ہوا ان بد طینتوں کی خرابی کا تماشا دیکھتا تھا۔ اس سبب سے کہ موہ کے کسی میں بدلا لینے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اس عرصے میں اچانک کریم کارساز کے حکم سے ایک کالا سانپ ہیبت ناک و خونخوار نے درخت کی ڈالی کے اوپر سے اُتر کر اس لٹکے ہوئے کے تمام بدن سے لپٹنا شروع کیا۔ ندان پھن اُس کے منہ کے برابر پھیلا دیا۔ بلکہ زہر بھری آنکھوں سے تیوری چڑھا کر دیکھنے لگا۔

جوان اس آفت جان کی لینے والی کے ڈر سے کہ وہ مرگ مفاجات کا کنایہ تھی، خشک ہو گیا۔ اپنے جی میں کہنے لگا، سبحان اللہ یہ کیا حالت ہے، جو مجھ پر ظاہر ہوئی کہ رسّے سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے، درخت کی ڈالی میں الٹا لٹکوں اور ایسے عذاب سخت جان کے لینے والے آنکھوں سے دیکھوں سوائے ان ظاہر و باطن کی عقوبتوں کے اس طرح کا دیو ہلاک کرنے والا کہ جس کی صورت و ترکیب سے پتا پانی ہوتا ہے۔ سر پر بیٹھا ہوا دم بہ دم ہلاک کرنے کا قصد کرتا ہے۔ یہ کیسے فعلِ بد و عملِ نالایق اس بندے گندے اور سراسر گناہوں کے بھرے ہوئے سے صادر ہوئے کہ جن کے بدلے حق تعالیٰ نے ان مصیبتوں میں ڈالا کہ دوزخ کے عذابوں میں دنیا ہی میں گرفتار کیا۔

ظاہرا یہ دو چار دم حیاتِ مستعار کے جس پر موت بھی فوقیت رکھتی ہے، باقی ہیں۔ جو یہ دیو جان نکالنے والا ڈھیل دینے بیٹھا ہے۔ جب مرنے کا وقت برابر ہو گا بے شک اپنے نیش سے ہستی کے

نقش کو وجود کی تختی سے چھیل ڈالے گا۔ سچ ہے جب کہ قضا کے قلم نے حق تعالیٰ کی کچہری سے مجھ سیاہ اختر کے حق میں یونہی لکھا ہو کہ ساتھ اس رسوائی و ناکامی سے نیستی کے میدان میں دوڑوں، اس کے سوا کچھ چارہ نہیں، راضی بہ رضا رہوں۔ بہتر ہے کہ اپنی نقد جاں کو موت تلف کرنے والی کے سپرد کردوں کیونکہ بس نہیں، پر یہ بڑا غضب ہے کہ یہ دونوں بدکار میرے ہاتھ سے نجات پا کر اپنے خاطر خواہ کام میں مشغول ہوں اور میں اس دنیائے پُرغم سے آرزومند جاؤں۔ اس غم وغصے کے باعث گور سے بھی آگ کی بھری ہوئی آہ نکالوں گا اور اس قبر کی خاک سے دھواں آسمان تک پہنچاؤں گا۔

جب کہ وہ پنجۂ بلا کا گرفتار دل فگار اپنے جی سے یہ باتیں کر رہا تھا کہ اُس سانپ نے اپنے تئیں زمین کی طرف لٹکا دیا، اور آہستہ آہستہ ان دونوں بدذاتوں کے چاروں طرف پھر کر سرہانے جا کھڑا ہوا اور قہر بھری آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس شراب کے بھرے ہوئے پیالے کے پاس گیا اور سونگھا۔ جونہی اس کی بُو اس کے مغز میں گئی مستوں کی طرح مدہوش ہو کر پھن کھڑا کر دیا بلکہ غصے کے غلبے سے دو چار بوندیں پسینے کی پھن ظاہر الایا۔ یہاں تک کہ کئی قطرے مائل بہ سبزی و زردی کے منہ سے نکال کر اس شراب کے بھرے ہوئے پیالے میں ٹپکا دیئے۔ اب پھر اُس جوان اُلٹے لٹکے ہوئے کے سر پر پہنچ کر اسی طرح اُس کے بدن سے لپٹ گیا۔ گھڑی آدھ گھڑی اُس کے منہ کے برابر پھن پھیلائے رہا۔ آخر ایک نگاہِ گرم سے دیکھ کر اس درخت کی ڈالی پر سے کہ جس طرف سے پہلے آیا تھا، چلا گیا۔ آنکھوں سے پنہاں ہوا۔

جوان گرفتار اس نادر تماشے کے دیکھنے سے حیرت کے دریا میں غوطے کھانے لگا۔ پر ایسی طرح طرح کی صنعتیں اُس صانع بے شک و شبہ کی کچھ نہ دریافت کر سکا۔ اتنا بھی نہ سمجھا کہ اب اس پیالے سے کس حکمت کی شراب جوش کرے، اور اس آسمان پتّے باز کی گردش سے کیسی بازی ہوش کی کھونے والی ظاہر ہووے۔ جب گھڑی آدھ گھڑی اس پر گزری۔ وہ مردک بدکار بے ہوشی کی نیند سے چونک اُٹھ بیٹھا اور اپنی معشوقہ کو خوابِ ناز سے خوشی کے بچھونے پر سوتے دیکھا، اور ایک پیالہ شراب سرخ سے بھرا ہوا گل کی طرح پایا، قدرے نشہ بھی اترا دیکھا بہ ضرورت اُس پیالے زہر ہلاہل کے ملے ہوئے کو بے اختیار اٹھا لیا۔ قطرہ ساں سمجھ کر پی گیا۔ ایک آدھ گھڑی کے عرصے میں اُس زہر قاتل نے تمام تن بدن میں بھن کر اس بدذات کو نیستی کے مستوں میں ملا دیا۔

بعد ایک دم کے جو وہ چھنال بدبخت چونکی، اپنے چاہنے والے کو فنا کی شراب سے نہایت سرشار پایا۔ اس احوال کے دیکھنے سے بے اختیار ہو کر پریشانی کے دریا میں ڈوب گئی اور کچھ نہ سمجھی کہ اس کی زندگانی کے حلق میں فنا کے منکے کی دار وکیوں کر پڑی اور اُس کے سرنے حیات کی ادا و ناز کے تکئے کو چھوڑ کر نیستی کی خاک کس طرح قبول کی۔ کامرانی کا نشہ ناکامی کے خمار سے کیوں کر بدل گیا۔ غرض اس ناپاک کی طبع میں غصے نے غلبہ کیا۔ یار کی تیغ آبدار میان سے کھینچ کر اپنے خصم کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔ چاہتی تھی کہ اس ناکام کا کام تمام کرے اور اس کی زندگانی کی شراب اس کی ہستی کے پیالے سے نیستی کی خاک پر پھینک دے۔

اس جوان نے جب اس عورت بدکار کو قہر کے جوش اور غضب کے غلبے سے ننگی تلوار ہاتھ میں لئے دیکھا، سہم گیا۔ کیونکہ اس وقت وہ ہاتھ پاؤں بندھا ہوا درخت کی ڈالی میں الٹا لٹکتا تھا۔ کام ایک چوہے کے عہدے کا بھی نہ کر سکتا تھا، اور وہ عورت گربہ صورت شکاری شیر کی طرح تھی۔ لاچار ہو کر نہایت غریبی و بے کسی سے عرض کرنے لگا کہ قدرے ٹھہر جا اور دو چار باتیں مجھ ناچار کی اپنے گوشِ دل سے سُن۔ اگر تیرے مزاج کے پسند ہوں تو بہتر، نہیں تو پھر اختیار ہے تیرا، جو چاہے سو کر۔

عورت نے اس کے قتل کرنے سے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ اے بدبخت سولی چڑھنے کے لائق کیا کہتا ہے۔ وونہی اس دامِ بلا کے گرفتار نے اس کی بہت سی تعریفیں کر کے نہایت عجز و انکسار سے کہا کہ یہ فعل جو تجھے ظاہر ہے، جانتا ہوں کہ اس میں تیرا کچھ اختیار نہیں۔ اس لئے کہ روزِ ازل کی کچہری کے منشی تقدیر نے میرے ماتھے کے فرمان کو اسی رسوائی و ناکامی کے خطِ طغریٰ سے لکھا ہو۔ قضا کے قلم نے مشیت کے دفتر میں میرے نام پر اسی ذلت و خواری کا نقش بھرا ہو لیکن تجھ سی پری چہرہ، اور مہر و یدار سے آزردہ ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ پس جس صورت میں کہ مجھ سے اصلاً اذیت متصور نہ ہو، پھر مار ڈالن کیا فائدہ رکھتا ہے اور خون اسی کسی کا کہ جس کے وجود سے ضرر کا ڈر نہ ہو، گرانا کیا حاصل۔ مگر وہ شخص کہ جسے تو نے اپنا دل دیا تھا، نیستی کا گوشہ نشین نہ ہوتا تو میرے وجود کے کانٹوں کو فنا کی تلوار کے شعلے سے جلانا گنجائش رکھتا تھا۔ اب کہ جاگہ اس کی بہشت بریں میں ہوئی۔ جو اس جہانِ سست بے بنیاد کو چھوڑ کر چلا گیا۔ چاہئے کہ تو بھی صبر کرے۔ میرے گناہوں کی ذلتوں کو اپنی بخشش کے دامن میں چھپا دے۔ کیونکہ تو اب جانتی ہے کہ میں ایسا شخص ہوں، اگر آسماں کی چکی میرے سر پر پھر جائے تو بھی میں اپنے اقرار سے

نہ پھروں۔ پس عہد کرتا ہوں کہ اگر تم اپنی نوازش و مہربانی اور قدیم صحبت کے حقوق پر رعایت رکھ کر اب میرے قتل کرنے سے باز رہے، یقین ہے کہ جتنا میں (آگے) تھا، اس سے بھی زیادہ پیار کروں گا۔ بلکہ ایک بال برابر اذیت دینے کا روادار نہ ہوں گا۔ سچ جان کہ اس عالم بے بنیاد میں عاشق و معشوق کے درمیان عزیزوں، مہربانوں کے بیچ ایسے مقدمے طرح طرح کے بہت ہوتے ہیں۔ یہ بات کچھ تو ہی نے اب سے نہیں کی۔ نہ یہ اختراع ہی تو نے ایجاد کیا ہے۔ مجھے لازم نہیں کہ میں ایسے سبک کاموں پر جو قضا و قدر کے حکم سے ہوتے ہیں، تجھ سی نازنین و مہ جبین پر کینے کی کمر باندھوں یا اس بدی کو یاد رکھوں"۔ نظم

ہاتھ سے تجھ زلفِ مشکیں کے خطا گو ہو گئی ۔۔۔ ناز سے تل کے ترے، مجھ پر جفا گو ہو گئی
گو اٹھائے غمزۂ دلدار سے رنج و تعب ۔۔۔ اب نہیں کچھ میل باقی ظاہرا گو ہو گئی
مذہبِ یاری میں بیاری غم نہیں بس لاتثرب ۔۔۔ جان و جاناں میں رکاوٹ اک ذرا گو ہو گئی

خاوند کی ایسی چکنی چپڑی میٹھی، احمق کی فریب دینے والی باتوں نے اُس عورت سنگدل کو نرم کیا۔ وو نہی اُس کے ہاتھ پاؤں کی رسی کھول کر ہلاکت کی قید سے نجات دی اور اپنی پچھلی تقصیروں کے بخشوانے کے لئے اس کے پاؤں پر سر رکھ کر معذرت چاہی۔ جوان نے اپنے قول کی رعایت کر کے اس خانہ خراب کے مارنے سے ہاتھ اٹھالیا اور خدائے کریم کی درگاہ میں ہزاروں سجدے شکر کے ادا کر کے اپنے گھر کا راستہ پکڑا، اپنے دل کے دامن کو جہاں کے کاموں سے جھاڑ کر ایک تنگ و تاریک گوشہ میں بیٹھنا اختیار کیا۔ اپنے خدا کی عبادت و بندگی میں مشغول ہوا۔

بس اے شہزادے عورتوں کے جمال ظاہر پر فریفتہ ہونا یا اپنے تئیں آوارگی کے میدان کا دیوانا بنانا اور اس عمر دو روزہ کی آسائش کے لئے درد و دکھ کو قیامت کے دن تک مقدم رکھنا عقلمندی کے آئین سے دور ہے بلکہ دانش و بینش کی مجلس کے سنوارنے والے اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اس لئے عورتوں کے گل رخسار وفا کے رنگ و بو سے بے نصیب ہیں اور یہ گروہ ناقص بموجب اس مثل کے جو ہمیشہ سے مشہور ہے، مثل "اندراین کا پھل دیکھنے ہی کا ہے، کھانے کا نہیں"۔ نظم

جب عہدِ وفا کا نقش لکھا ۔۔۔ اسمائے زناں پہ خامہ توڑا
کرتی ہے وفا یہ قوم جب تک ۔۔۔ تجھ سار کھتی دوست تب تک
پہلو میں کسی کے جب یہ بیٹھے ۔۔۔ پھر حشر تلک تجھے نہ دیکھے

دوسری نقل

ایک جوان خوش قد کے گلے پر اس کی جورو کے ہاتھ سے سموسے کی طرح زخم لگنے کی

اس کے مصاحبوں میں سے دوسرے مصاحب نے اپنے کمیت خامہ کو فصاحت کے میدان میں جولاں کر کے زبانِ شیریں سے یوں بیان کیا۔

سنا ہے کہ کئی یار ایک باغ میں مجلس جما کے باہم بیٹھے ہوئے سرگرم صحبت تھے اور موافق اپنے مقدور کے ہر ایک طرح کی جنسِ عیش و عشرت کی مہیا کر کے جامِ حضور سے شراب سرور پی رہے تھے۔ خوشی و خرمی کی بھری ہوئی باتوں، نشاط و شادمانی کی ملی ہوئی کہاوتوں سے مجلس کی رونق بڑھا رہے تھے کہ اس عرصے میں ایک شخص اجنبی نے اُن کی ایسی حالت میں آکر مسلمانوں کی رسم کے موافق سلام کیا۔ ان مجلسیوں نے اُس کا سلام نہایت بے پروائی سے لیا، بلکہ اُس کا آنا ازبسکہ مکروہ جانا مطلق اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اُس کے ہونے کو اپنے عیش و آرام کی محفل کا مخل سمجھے۔ اس نے اپنی دانائی سے معلوم کیا۔ ناچار خجالت کا پسینہ منہ پر لا کے شرمندوں کی طرح بچھونے کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔

بعد ایک دم کے تامل کے گریبان سے سر نکال کر سکوت کے طلسم کو گویائی کے سر گنج سے کھولا۔ بہت بہت جواہر آبدار و گوہر شاہوار خوشی کی باتوں سے ملے ہوئے، اس مجلس میں بکھیر کر رنج و ملال کے غبار کو ان کے چہرۂ حال سے خوشی کی بھری ہوئی باتوں کے ٹھنڈے پانی سے دھویا۔ اور مجلس کے لوگوں کو، جو برف کی طرح سرد ہو رہے تھے، اپنی گرم اداؤں سے شاد کیا۔ اس قدر کہ اُن کے دلوں کے جو غنچے اُس کے آنے سے مندرہے تھے، میٹھی حکایتوں، رنگین نقلوں، نادر قصوں، بہتر لطیفوں کی ہوائے خوشگوار کے باعث کھلنے لگے۔ غرض یہاں تک اُس نے اس محفل کے لوگوں کو لبھایا کہ ہونا اُس کا اہل مجلس نے غنیمت جانا اور اُس کی محبت کو دل سے قبول کیا۔ آخر اُس کی محبت کے مال کو نقدِ جی دے کر مول لیا۔

یہ جوان ظاہر اپنی نک سک سے درست تھا اور ازبس کہ دیدارو، لیکن رخسار کے

ورقوں پر خطِ غیر مقررہ تھوڑے بہت سات کے ہندسے کی صورت قدرے قلیل سموسے کی شکل کو نے معلوم ہوتے تھے۔ اُن لوگوں میں سے ایک نے کہا، حضرت سلامت، تمہاری دلچسپ باتوں، نادر حکایتوں سے دل ان نیازمندوں کے گل کی طرح کھل گئے پر ان نقشوں کے معنی کے سمجھنے میں جو آپ کی صورت شریف کے صفحے پر بظاہر نظر آتے ہیں، ذہن ان اخلاص مندوں کے عاجز ہیں اگر گستاخی معاف ہو تو یہ التماس رکھتے ہیں کہ آپ اپنی ہی زبانِ دُرفشاں سے اس سپارۂ پر معنی کی تفسیر بیان کریں۔ اس مہربانی کے باعث ٹیس کی گرہ جان کی رگ سے کھولیں۔

جوان نے اس بات کے قبول کرنے سے منہ پھرایا۔ اس لاحاصل کے انکار کرنے کے لئے عذر کیا۔ یار اور بھی اس بات کے درپے ہوئے۔ ازبس کہ اس رمز کے کھلنے میں ہٹ کرنے لگے جوان نے ان کے جی کی خواہش کے بہ سبب لاچار ہو کر زبان گویائی کھول کر کہا، اگرچہ یہ واردات اس لائق نہیں کہ بیان کے قالب میں سمائے لیکن تم دوستوں کی خاطر کے باعث عرض کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ چاہیئے چھپی نہ رہے کہ اس سے آگے بیس برس کے یہ خاکسار ذرۂ بے مقدار بطور لشکریوں کے زیست کرتا تھا۔

ایک دن کئی آشناؤں اور صداقت کیشوں، کئی محبوب موافقت اندیشوں کے ساتھ ہو کر کسی باغ میں سیر کو گیا۔ اتفاقاً وہاں ایک درخت خرمے کا اور درختوں کی نسبت نہایت بڑا اور ہرا بھرا لہک رہا تھا۔ خرمے اس کی ہر ایک ڈالیوں میں نہایت کثرت سے تھے۔ لذت میں بھی تر حلوے کی مانند بہت مزیدار و پُر مغز، میٹھے خوش بُو لٹکے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور وہ درخت ازبس کہ بلند تھا اسی سبب سے کسی کا ہاتھ اس کی پھُنگی تک نہ پہنچتا تھا بلکہ کوئی بشر اُس پر چڑھنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ ہر ایک طرح وہ آدمیوں کے دستِ ظلم سے محفوظ رہا کرتا۔ نظم

درخت ایک خرمے کا اس میں بڑا تھا   اسی سے باغ کا رتبہ بڑھا تھا
ہرا گوشہ تھا اس کا گنجِ جلوہ   پرندا سے ہر ایک کھاتا تھا میوہ

جب کہ بندے نے درختوں کے چڑھنے کے فن میں خصوصاً خرمے اور نارجیل و تاڑ کے نہایت مشاقی بہم پہنچائی تھی اور یار بھی اس کسب میں ممتاز جانتے تھے۔ اس لئے وہ سب کے سب باہم متفق ہوئے۔ لالچ کے ہاتھ سے میرا دامن پکڑ کر کہنے لگے، چاہتے ہیں کہ تیری توجہات علیٰ

کی برکت سے اچھے اچھے خرمے میٹھے اور مزے دار اس درخت کے کھاویں۔ تماشا دیکھیں کہ اس بڑے، موٹے، لمبے درخت پر جو اپنی پھننگی بام فلک تک پہنچا رہا ہے۔ اس سبب سوائے پرندوں کے کوئی بشر اس کے پھل سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ دیکھیں تو کیونکر چڑھ جاتا ہے۔ سچ جان اگر یہ ہو سکے تو یہ اعجاز ہے، نہیں تو انسان کی کیا قدرت کہ بامِ سپہر پر چڑھے۔ جس قدر کہ میں نے اس کام کے قبول کرنے میں پہلو تہی کیا، کئی وجہیں درمیان میں لا کر مانع ہوا، اس امر کی معافی کے لئے سر جھکا دیا۔ پر خرمے کے لالچ دوستوں نے ہرگز مجھ غریب کا پنڈ نہ چھوڑا۔ اسی بات پر راضی ہوئے کہ میں اپنا دامن بطور چالاکوں کے کمر سے باندھ، کمنیوں تک آستین چڑھا، نٹوں، جادوگروں کی طرح اس درخت عظیم الشان کے اوپر کہ جسے تو دیکھتا تو کہتا کہ آسمان کے کوٹھے کی سیڑھی ہے، بہ سرعتِ تمام چڑھ گیا۔

ایک خلقت نے کمال کثرت سے تماشے کے لئے اس درخت کے گرد اگرد ہو کر حلقہ باندھا۔ جب کہ اس کی پھننگی تک پہنچا، اس کی بلندی کے بہ سبب بڑے بڑے موٹے تازے آدمی اور نہایت لمبے چوڑے قد و قامت کے جوان جو اس کے نیچے کھڑے تھے، چھوٹے چھوٹے لڑکوں، خرد سالوں، شیر خواروں کی طرح نظر آنے لگے۔ بلکہ کبھی کبھی نگاہ بھی دیکھنے کے وقت ادھر ہی رہ جاتی تھی اور وہ لوگ کمان کے نقش کی مانند خیال میں گزرتے تھے۔

القصہ تھوڑے سے خرمے تر و تازہ۔ اچھے خاصے بڑے میٹھے توڑ کر میں نے اپنے دامن میں رکھے۔ تھوڑے بہت نیچے ڈال دیئے کہ اچانک ایک کالا سانپ، جس کے سر پر سفید زرد نشان دکھلائی دیتے تھے، نہایت موٹا لمبا کہ جس کی نگاہ جان کی لینے والی کے ڈر سے پتّا پانی ہوا جاتا تھا، دل نمک کی طرح پانی میں گھل جاتا تھا، پتیوں سے ظاہر ہوا اور مجھ اجل گرفتہ کی طرف لپکا۔ اس کے دیکھتے ہی میرے میرے تمام تن بدن میں تھرتھری پڑ گئی۔ جان نکلنے لگی بلکہ اس کی ہیبت کے صدمے سے ہر ایک رگ و اعضا نے چاہا کہ خود بخود بکھر جائے۔ مرغ روح اس کالبد کے آشیانے سے اُڑ لاگے۔

یہ اندیشہ اپنے جی میں کیا کہ اگر اپنے تئیں اوپر سے نیچے گرا دیتا ہوں تو اس چار عنصر کے پنجرے کو طائر روح ادھر میں توڑ ڈالے گا اور اگر قدرے ڈھیل دیتا ہوں تو یہ اژدہا خونخوار

جان نکالنے والا کہ اس سے آفتِ آسمانی اور اجلِ ناگہانی کا کنایہ ہے، ایک ہی دم میں نوالے کی طرح نگل جائے گا اور ان دونوں شکلوں سے یہ بڑا غضب ہے کہ خلق کی زبان زد ہوں گا کہ اس مردکِ نادان، پیٹ کے بندے نے خرمے کے لئے اپنا جی دیا۔ یہ روزمرہ ہے کہ مرنا اور اپنا نام بدکر کے زمانے کے صفحے پر لگاتا ہے۔ خدائے کریم اس عقدے جان کے لینے والے کہ یہ فلک، مجھ غریب و ناتواں ایک مُٹھی مٹی پر لایا ہے۔ تو بھی اس سے نجات دے۔

سخن کوتاہ جب تک میں عقل لڑاؤں، فکر کروں، تب تک وہ اژدہا خونخوار میرے پاس آپہنچا۔ تمام بدن میں لپٹ کر گلے میں ہار کی طرح ہو پڑا اور اپنا پھن ہیبت ناک آفت کا نمونہ، اٹھا کر میرے منہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ زہر بھری آنکھیں میری نظروں میں گڑا کر دیکھنے لگا اور لمحہ لمحہ منہ سے زبان نکالنے کہ اس کی دہشت سے ایک عجب حالت ہوئی میری کہ جس کے ڈر کی کیفیت کی تعداد اور ناامیدی اس کی زبان کی تقریر سے باہر ہے بلکہ قیاس کے قالب میں بھی نہیں سماتی چنانچہ اُس کے یاد کرنے سے اب بھی رونگٹے کھڑے ہوئے جاتے ہیں۔

غرض اُس کی دہشت بے حد کے باعث خشکی نے ہر ایک رگ و اعضا میں یہاں تک غلبہ کیا کہ تمام بدن میں مطلق طراوت کا اثر باقی نہ رہا۔ سخن کوتاہ خون بھی رگوں میں خشک ہوگیا۔ میرے ہاتھوں کے پنجے اس درخت کو اس صورت سے چمٹ گئے تھے کہ تو کہے گویا یہ پنجۂ چنار اسی درخت سے نکلے ہیں۔ اس کی جڑ کے پاس ایک جہان جمع تھا۔ ایک عالم حلقہ باندھ کر دستِ تاسف مل رہا تھا اور نہایت متحیر احوال ہو کر شور و فغاں کر رہا تھا۔ ان کے رونے پیٹنے کی آواز میرے کان میں ایک بھنک پڑتی تھی اور میرے خویش و اقربا یار و آشنا بے بسی کے باعث نوحہ وزاری کی آواز بلند کر کے سر پر خاک ڈالتے تھے۔

اتنے میں ایک جوان، نیک منظر، نیک سیرت سے درست و دیدار رو، گھوڑے پر سوار، دو تین تیر اور ایک کمان خدمت گار کے ہاتھ میں لئے ہوئے آپہنچا۔ اُن لوگوں سے اژدہام کا سبب فریاد و فغاں کا باعث پوچھنے لگا۔ بعضوں نے اس ماجرے سے آگاہ کیا۔ انگلی کے اشارے سے مجھ انگشت نما کو دکھلایا۔ جوان نے مجھے اور میرے تن بدن میں سانپ لپٹا ہوا دیکھ کر کہا۔ اس

اجل رسیدہ کے مالکوں سے کوئی اس جاگہ حاضر ہے؟

میرے بھائی بند جو وہاں موجود تھے اور میری خرابی کا احوال دیکھ کر رو رہے تھے، اس سے کہنے لگے، کیا کہتے ہو، ہم حاضر ہیں۔ اُس نے کہا، تم سب پر ظاہر ہے کہ اس جوان کے سر پر اجل کھیل رہی ہے اور چھٹکارا اس بلائے جانکاہ سے بعید از عقل ہے بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر تم توکل کی مضبوط رسّی اور خدائے کریم کی استوار ڈوری پکڑ کر مجھے پروانگی دو تو میں اپنے کریم کارساز کے فضل و کرم پر نظر رکھ کر ایک تیر اژدہائے خونخوار کو ماروں اور اس جوان اجل گرفتہ کی بخت آزمائی کروں۔ سچ جانو میں تیر اندازی کے فن میں ایسا کمال رکھتا ہوں۔ کوئی اگر سرسوں کے دانے کو بال میں باندھ کر لٹکا دے تو خطا نہ کروں بلکہ اندھیاری رات میں چیونٹی کے پاؤں کو اڑا دوں۔ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے دستگاہ اس کسب میں مجھے اس مرتبہ ہے کہ کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ نشانے تک تیر کا پہنچانا میرے اختیار کے قبضے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ربع مسکون میں عَلَم اس عِلم کا میرے نام سے کھڑا کیا ہے اور اس فن میں نام آوری کا نقارہ ہفت اقلیم کے میدان میں میرے نام پر بجایا ہے۔ یقین تو ی ہے کہ سرمو تجاوز نہ کروں، چاہیئے کہ پہلے ہی شست سے سر اس سانپ کا ایسا معلق اڑا دوں کہ ہوا بھی تیر کے پر کی اس جوان تک نہ پہنچے بلکہ اس کے ایک رونگٹے تک خلل نہ پڑے لیکن اس واسطے ڈرتا ہوں کہ قضا و قدر میں اختیار نہیں۔ شاید قضیہ برعکس ہو جاوے اور تم اس کے خون میں میرے دامن گیر ہو۔

یہ سن کر اُن لوگوں نے بالاتفاق زبان کھولی اور کہا کہ بچنا اس جوان کا ممکن ہو سوائے اس تدبیر کے اور کوئی نظر نہیں آتی۔ اگر قدرے زندگی اس کی اس جہان میں ہے تو اس فکر درست سے مخلصی پاوے گا۔ دعا کا تیر قبولیت کے نشانے تک پہنچے گا۔ نہیں تو وہ خود اجل کے منہ میں پڑا ہے۔ غرض میرے وارثوں نے راضی بہ رضا ہو، تن بہ تقدیر جان کر اس جوان تیر انداز کو اجازت دی۔ وونہی اُس جوان نے کہ رحمت خدا کی ہو جیو اُس پر، کمان معجز نشان اپنے قبضے میں رکھ کر ایک تیر سوفار کے دہن کو چلّے کی زبان سے ملایا۔ بسم اللہ کر کے سحر پرداز و جادوگروں کی طرح بلکہ اسے جادوگر نہ سمجھے، سراسر صاحب اعجاز کہیئے تیر کو کمان کے پٹے میں لایا۔ پھر اس صورت سے اس کے پیکان اور سانپ کے پھن کو نظر کے تار سے باندھ کر تیر چھوڑا کہ بس بیت ؎

کپھے پہ تیر جس گھڑی اس موذی کے لگا   تحسین فلک نے کی اور فرشتے نے مرحبا

تیر کا پیکان سیدھا نیک تدبیر کی طرح نشانے پر پہنچ کر اس کپھے کو زمین کے اوپر اتار لایا اور ایک شور خلق اللہ کے دل سے آسمان تک پہنچا کہ سبحان الملک الحی الذی لا یموت و ھو علیٰ کل شیئ قدیر یعنی پاک ہے اور جیتا ہے موت نہیں اس کو اور ہر ایک شے پر قادر ہے وہ۔ غرض وہ تیر سانپ کے سر سمیت زمین پر گر کے گڑ گیا۔

جو لوگ تماشائیں تھے، دوڑے۔ اس لئے کہ تیر سے اس سر کو جدا کریں۔ وونہی وہ جوان ان سبھوں کو منع کر کے سانپ کے پاس گیا۔ تیر کو سر سمیت اٹھا کر دیکھنے لگا۔ قضا کار وہ سرمار اچھلا جب کہ اس جوان کی زندگی کا پیالہ بھر چکا تھا جلد کے ہونٹ اپنے منہ سے داب بیٹھا اور اپنا نیش زہر آلود مارا ہے کہ وہ جوان فرشتہ صورت پل مارتے بہشت بریں (میں) داخل ہوا، بلکہ وہ سر اس سانپ کا کا غذ ماہی گیر کی طرح اس جوان کے ہونٹ سے لگا رہا۔ پھر ایک شور و غوغا ہر ایک چھوٹے بڑے کے دل سے بے اختیار نکلا۔ رنگ برنگ قدرتوں اور گوناگوں ارادوں سے اس یزد بیچوں کے کہ جس کے جلال کی بارگاہ میں اندیشے کے پیک کا بار نہیں، نہ اس کی مصلحتوں میں انسان ضعیف خلقت کو دخل کرنے کی قدرت۔ لاچار تحیر کے دریائے بے کنار میں ڈوب گئے۔ نئے سر سے اس کی خداوندی کے مقر ہوئے، بآواز بلند کہنے لگے۔ سچ ہے تو ایسا ہی کریم کارساز ہے، اور ہیں شکر و سپاس اس قادر ذوالجلال کی موافق اپنی قدرت انسانی کے بجا لا کر اس درخت کے اوپر سے نیچے اتر آیا اور اس گلشن جنت کے سرو کے جنازے پر جا کر قبر گاہ تک اس کے ساتھ گیا، بلکہ اس کی تجہیز و تکفین کا اسباب جمع کر کے، نہلا دھلا گنج کی طرح زمین دفن کر دیا اور رحمت الٰہی کو سونپا۔ پھر وہاں سے اس کے گھر گیا۔ رسم و آئین اس جہان کے عزیزوں کی طرح اس کے دامنند گانوں کی طرح بجا لا کر دل داری اور دل جوئی کی شرطیں، عزاداری کی رسمیں ادا کر کے تسکین دی کہ اس جہان بے بنیاد کے ایسے امر استمراری و اضطراری میں کسی بشر کا چارہ نہیں۔ سوائے صبر و شکیبائی کے، کیونکہ گریہ و زاری کچھ فائدہ نہ بخشے گی۔

جب تعزیداری کے آئین، مصیبت کے قوانین ادا ہو چکے میں ایک ساعت وہاں ٹھہر گیا اچانک ایک لڑکی چودھویں رات کے چاند کی صورت اپنے باپ کے مرنے کی تعزیت میں

آسمان کی طرح نیلے کپڑے پہنے، بہت بہت آنسوؤں کے ستارے کہ وہ فی الحقیقت ستارے ہی تھے، ہچکی لے لے کر اس طرح آنکھوں سے برساتی تھی کہ جس کی آواز گلوسوز نے میرے دل وجگر سے آہ دود آلود نکالی اور اُس کی زلفِ تاب دار میرے جی کے گلے کا ہار ہو پڑی۔

غرض سات روز تک وہ لوگ اس غم و الم کی مصیبت میں مبتلا رہے اور وہ دن میری بیقراری بے صبری کے باعث مجھ پر سات برس کے برابر گزرے۔ جب ماتمی لباس اتارا، غم کا بچھونا اٹھایا طرح طرح کے میوے، ترحلوے، قسم قسم کے عطر و کھانے روزمرہ و ہمیشہ بھجوانے کے باعث موافقت کی گرہ، دوستی کی بنیاد مستحکم و مضبوط باندھی اور ڈالی، یہاں تک کہ ہمارے ان کے تھوڑا بہت ربط و ادب کا اُنس پیدا ہوا تحفہ تحائف کے پہنچنے سے اخلاص و پیار کی رسم بہم پہنچائی بعد اُن کے اپنا مطلب بنا کر کے یگانگت کی بنیاد بنا کر بے پیوند سے پیوند ملانے کی تاکید میں مشغول ہوا۔

کئی دن تک اس کی ماں غیروں، بیگانوں کی طرح ادائیں لا حاصل کر کے نا، ہاں تو نہیں کرتی رہی۔ آخرالامر دوستی و اخلاص کے آئین پر نظر کر کے اس عصمت کی ڈبیا کے بے بہا موتی کو میری زوجیت کے رشتہ میں گوندھا۔ میں اس شادی سے کہ حور ہم بستر ہوئی، پری ساتھ سوئی، گل کی طرح کھل گیا۔ مارے خوشی کے اپنے پیراہن میں پھولا نہ سمایا۔ غرض اس کی رضامندی و خاطرداری کی جستجو نہایت کرتا رہا۔ یہاں تلک کہ میری محبت و دوستی کے جذبے نے اس کے دل کو میری طرف کھینچا بلکہ درجہ معشوقی کا عاشقی سے بدل گیا۔

آخرکار ہمارے اس کے خویش و اقربا میں ہم دونوں کا اخلاص و پیار ظاہر ہوا۔ ہر ایک چھوٹے بڑے، اپنے بیگانے کیا نزدیک و کیا دور کے رہنے والے نے اس کیفیت کو سُنا۔ غرض رفتہ رفتہ الفت کامل اور محبت صادق اس اُس عورت کی کمال درجے پہنچی۔ بلکہ مجھ پر ہر ایک طرح فوقیت پیدا کی۔ آئین دوستی و اطاعت، قوانین حرمت و عصمت میں سب سے گوئے سبقت لے گئی۔ اسی صورت سے ایک مدت گزری۔ احکام یک دلی و یک رنگی کا ایک ہی وتیرے پر رہا۔ یہاں تک کہ میں بال بال احسان مند ہوا۔

اتفاقاً ایک شب آدھی رات کو بادشاہی نوبت کہ نہایت بآواز بلند بج رہی تھی، میری آنکھ کھل گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھا میں نے اس عورت کو بچھونے پر نہ پایا۔ گمان کیا کہ شاید قضائے حاجت کے لئے

کہ وہ ضروریاتِ انسانی سے ہے، گئی ہوگی۔ غرض نیند کا مجھ پر نہایت غلبہ تھا، سر تکیہ پہ دھر کے سو گیا۔ خراٹے لینے لگا دوسری شب کو بھی ایسا ہی اتفاق ہوا۔ تب اُس کی عصمت کے حق میں مجھے گمان فاسد گزرا۔ جب تیسری بار پھر وہی آش کاسے میں پائی، قدرے اس کے انتظار میں آنکھیں کھلی رکھیں۔ قصہ کوتاہ پچھلے پہرے کوّوں کے بولتے، مؤذنوں کے اذان دینے کا وقت قریب پہنچا، آہٹ اُس کے پاؤں کی کانوں میں پڑی۔ کواڑ کے کھلنے کی آواز زیادہ آئی۔ اس مرتبہ میرا ظن یقین کو پہنچا۔ اُس کی عصمت کی دیوار میں گمراہی کا رخنہ معلوم ہوا۔ خاطر میری اس رمز کے کھلنے اور اس دقیقے کے دریافت کرنے میں متوجہ ہوئی۔ اضطراری نے دل میں جگہ کی۔

آخر کار ایک رات میں سرِ شام ہی سے اس نابکار کے کام کی گرہ کے کھولنے اور اس بدکردار بھید معلوم کرنے کے لئے جاگتا رہا۔ نیند کے تکیئے پر سر بھی نہ دھرا۔ دیکھا میں نے کہ میرے جاگنے سے ملال کے آثار اُس خفتہ بخت کے چہرے پر ظاہر ہونے لگے۔ اشاروں کنایوں (سے) درپے ہوئی سونے کی (جب کہ) اس کے ارادۂ فاسدے میں واقف ہوا۔ مصلحتاً سر تکیئے پر رکھ کے سو گیا بلکہ منہ پر چادر تان کر سوئے ہوؤں کی طرح خراٹے لینے لگا۔

وہ سیاہ رو بد باطن مجھ کو اپنے بخت کی مانند سوتا جان کر بے تحاشا بچھونے سے اٹھی۔ دیوار کو دکر چل نکلی۔ میں بھی اٹھا اور ایک نیمچا خوش غلاف، آب دار بغل میں مار چادر سے منہ چھپا، اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اس بد ذات، بد انجام نے نہایت تیز قدمی سے صحرا کی راہ لی۔ تخمیناً ایک کوس کے پلے پر قبرستان میں جا گھسی، اس میں ایک جھونپڑا تھا اور اس چھپر میں ایک ملنگ کوتہ گردن، تنگ پیشانی زشت رو، چاق چوبند، مونچھوں پر تاؤ دیئے، دھونی لگائے، آسن مارے، بھنگ گھونٹنے کے خدکے کا تکیہ بنائے اُس کے آنے کا منتظر بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس چلی گئی اور میں اُس گھر کے نزدیک ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں کھڑا ہو رہا۔

ملنگ اُس کے پہنچتے ہی غصے ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بھنگ کے خدکے سے اُس کے پیٹھ اور پہلو کو مار مار کے تھیلا کر دیا۔ قرار واقعی سزا کو پہنچایا۔ غرض نہایت خفا ہو جھونٹے پکڑ گھر سے باہر نکال دیا۔ تب اس عورت نے عذر کی زبان کھول کر عرض کی۔ سائیں اگرچہ میں تقصیروار ہوں۔ خطا مجھ سے ہوئی پر یہ دیر میرے اختیار نہ تھی۔ کیونکہ وہ بدبخت سیہ اختر آج کی رات جاگتا تھا۔ جونہی سویا، میں جلدی جلدی

حضور میں حاضر ہوئی۔ اگر اس تقصیر بے اختیاری کو بخشیے اور اس میرے گناہ کو اپنی عنایت کے دامن سے چھپا دے، ہو سکتا ہے۔

بارے بعد تھوڑی دیر کے اُس فقیر کا غصہ ٹھنڈا ہوا آخر اس کم بخت نے اس بدطینت و بداصل کو اپنے جھونپڑے میں مل کر گناہ کی خاک اُس کے زمانے کے سر پر ڈالی، اپنا اور اس کا دونوں جہاں میں منہ کالا کیا۔ اس احوال کے دیکھنے سے غضب کی آگ میرے تلوے سے سر تک بھڑک اٹھی۔ تن بدن میں تھرتھری پڑ گئی۔ اس عرصے میں وہ قلندر فراغت کر کے جس درخت تلے (میں) کھڑا تھا، وہاں پیشاب کرنے آ بیٹھا۔ میں تو شمشیر زنی میں نہایت چالاک و چست تھا۔ وونہی نیمچا گھسیٹ کر اس کی گردن پر ایسا مارا کہ سر اُس ناپاک کا گیند کی طرح نیستی کی خاک پر گر پڑا۔ میں درخت پر چڑھ کر پتوں میں چھپ رہا۔ بعد ایک ساعت کے وہ عورت بدبخت اندر سے باہر آئی اور اُس فقیر کو پکارنے لگی، جواب نہ پایا کلیجا دھڑکنے لگا کیوں کہ ذبح کیا ہوا مرغ نہیں بولتا۔ جب اُس کے قریب تر پہنچی۔ دیکھا اُسے کہ سر اُس بدکار کا دھڑ سے جدا پڑا ہے اور خون کا دریا بہا جاتا ہے۔ اس احوال کے مشاہدہ کرتے ہی غم کی آگ حد سے زیادہ اس کے تن بدن میں بھڑکی وونہی گھبرا کر جھونپڑے میں آئی ندان ایک ہاتھ میں تیغ آب دار اور دوسرے ہاتھ میں چراغ، غصے میں بھری ہوئی باہر نکلی، اور دیوانوں کی طرح قبرستان کے ہر ایک طرف پھرنے لگی۔ اس لئے کہ جس شخص نے اس کے مارنے میں سبقت و پیش دستی کی ہے، اسے مار کر بدلا لے۔

غرض اس طور سے قہر و غصے میں بھری ہوئی پھرتی تھی کہ اگر غراتا ہوا شیر نظر پڑتا تو اس کو بھی مارتی۔ جب کہ قاتل کا نام و نشان نہ پایا، ناامید ہو کر پھری اور اس قلندر کی لاش ایک تھیلے میں مضبوط باندھ کر کندھے پر اٹھائی۔ وہاں سے ایک کوس بھر کے فاصلے پرے جا کر دریا میں بہا دیا اور آپ غم والم میں بھری ہوئی دریا کنارے سے پھر کے شہر کی راہ لی۔ میں نہایت تیز قدمی و سبک روی سے اس بدکارہ ستم گار کے پہنچنے کے پہلے گھر میں داخل ہوا۔ منہ پر چادر تان کے سو رہا اور اس بدذات و بدکار نے جو آن کر مجھے سوتے پایا۔ اس دہشت سے خاطر جمع کر کے نہایت غم والم میں بھری ہوئی، بچھونے کے ایک کونے پر بیٹھ کر قدرے قرار لیا۔

جب سیاہی رات کی گئی اور سفیدی صبح کی ظاہر ہوئی۔ میں اپنی عادت قدیم سے اُٹھ کر

نماز کے ادا کرنے کے تہیے میں مشغول ہوا۔ چنانچہ اس بدکار کے سات بھائی بہمن و اسفندیار کی مانند مضبوط و زورآور تھے اور اپنے جہل و بے دانشی کے باعث علم و اہلیت سے سراپا بے نصیب۔ میں ان جاہلوں کے ڈر سے اس وقت اس بدکار و سیہ رو کا کام تمام نہ کر سکا لیکن آہستگی کے ساتھ اس کام کی تدبیر کے درپے ہو کر چاہا میں نے کہ پہلے اپنے تئیں بچاؤں۔ پھر اس ناپاک کے کام کو انجام دوں۔ اس لئے مصلحتِ وقت جان کر کئی روز اس معاملے سے اپنے تئیں ہرگز آشنا نہ کیا بلکہ ایک حرف اس مقدمے کا زبان پہ نہ لایا اور وہ عورت ہمیشہ غم زدوں کی طرح اُس کے غم و الم میں رہا کرتی۔ چپکے چپکے اس کی ماتم داری کے رسوم بجا لاتی۔

ایک دن میں نماز پڑھنے کے تہیے میں طہارت کی جستجو کر رہا تھا کہ ایک کونے میں استنجا کرنے کو جا بیٹھا۔ آفتابہ پانی سے بھرا ہوا انگنائی میں دھرا تھا، اور وہ نیرہ عقل بدباطن اُس کے نزدیک ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ میں نے کہا ذرا آفتابہ دے جاؤ۔ وہ بدبخت کچھ بھویں چڑھا کر آہستہ سے اٹھی اور نہایت نزاکت سے اس پر ہاتھ ڈال کر چھوڑ دیا، نہ لائی۔ میں نے کہا کیوں نہیں لاتی۔ بولی بڑا بوجھل ہے، نہیں اٹھا سکتی۔ اس بات کو سن کر بلا تحاشا میری زبان سے تیر کی طرح بے اختیار شست سے نکل جاتا ہے، یہ سخن نکل آیا کہ البتہ سنگین ہے پر اُس قلندر کی لاش سے زیادہ بھاری نہ ہوگا۔

جونہی یہ بات میری زبان سے سرزد ہوئی وونہی اس بدکار کی آتش غضب اشتعال پاکر بھڑک اٹھی۔ رنگ متغیر ہو گیا۔ یہاں تک کہ مارے غصے کے قہر کا پسینہ منہ پر آ رہا۔ بے اختیار چستی و چالاکی سے اُس نیچے کو کہ جس سے وہ قلندر مارا گیا تھا، اندر سے لے آئی جب تک کہ میں دیکھوں اور اپنے تئیں سنبھالوں یا اُس کو دریافت کروں کہ وہ بجلی کی طرح آ پڑی۔ ازبسکہ تیزی و چالاکی سے میرے چہرے پر وار کرنے لگی میں اس حرکت سے غافل تھا۔ استنجے کے خیال میں مشغول ہو رہا تھا جب تک ازاربند باندھوں یا اپنے تئیں بچاؤں، اُس نے حکیم اقلیدس کی مانند کام کر کے اس طرح کے نقش عجیب و غریب اور اس طرح کی اشکال نادر میرے چہرے کے صفحے پر کھینچ دیں۔

بعد اس احوال کے میں نے اس بدسرشت دیوانی کو پکڑا و وہیں مشکیں چڑھا پہنچے کھول دیئے پھر اس کے ساتوں بھائیوں کو بلا کر اس بدکار کے احوال پر ملال سے آگاہ کیا اور آپ خانہ داری

سے ہاتھ اٹھالیا۔ سچ ہے کہ تمام دنیا کے تعلقات سے طبیعت اٹھا کر سوسن کی طرح شیوۂ آزادی اختیار کیا۔ سوسنی کفنی گلے میں ڈال کر فقیروں، خاکساروں کے گھر میں جا بیٹھا۔ پھر دوسری بار دنیا داری کی طرف رُخ نہ کیا اور اس سیہ بخت کو اس کے بھائیوں نے نہایت عذاب اور سختی کی آگ سے جلا کر جہنم پہنچایا۔

اے جہان کے شہزادے حق تعالیٰ نے بادشاہوں کی پیدائش ہر ایک عام و خاص کی بہتری کو بنا کی ہے بلکہ ذات پاک اُن کی ہر ایک خلقت سے نادر و بہتر مخلوق ہے کہ خالق نے اُن کو اپنی خلق کی نگہبانی کے لئے انتخاب کیا ہے۔ ان کو یہ نہ چاہیئے کہ اپنے دل و دین کو اس گروہ ناقص کے خال و خط و ابرو پر مبتلا ہو کر برباد کریں کیونکہ ان سبھوں کی سرشت مکر و فریب سے بنی ہے۔ ان کے رخسار کی بوئے وفا کا امید کے دماغ تک پہنچنے کی مطلق توقع نہیں۔ ان بد نہادوں پر اپنے تئیں مبتلا کر کے نادانی و بیوقوفی سے جہان میں انگشت نما کرنے سے کیا حاصل۔ ابیات

تو نہ رہ عورت سے غافل کیونکہ ہے وہ مثل کاہ
اور ہوا کے دوش پر ہر طرف سے رکھتی ہے راہ
خوشۂ انگور کی مانند ہے زن بے گناہ
سبزہ کچا ہے جب تک پکتے ہی ہے روسیاہ
پر کٹا تو تا سمجھ کر تو نہ پنجرے سے نکال
اور نہ کر کچھ عورتوں کی پارسائی پر خیال

تیسری کہانی

ایک جوان حسین و مہ جبین کے رخِ نازک پر کسی بڑھیا کی پوتی کے ہاتھ لام الف کی شکل زخم ہونے کی

تیسرے مصاحب نے اس حکایت کے معشوق دل فریب کو بیان کے گھر میں اس طور سے جلوہ گر کیا کہ ایک خوبصورت و حسین، نیک شمائل و مہ جبین نے کسی شہر میں اپنی بود و باش اختیار کی تھی۔ پر دو زخم اپنے گال پر لام الف کی شکل رکھتا تھا کہ ایک دوسرے پر بطور بدھی کے معلوم ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی میرے پاس آتا۔ طرح طرح کے لطیفے، قسم قسم کے قصے کہا کرتا۔ ایک دن میں نے پوچھا اس سے کہ اس طور کے زخم تو نے اپنے گلِ رخسار پر کہاں سے کھائے۔ کیا کسی لڑائی میں مرد دلاوروں کے مقابل ہونے کا اتفاق ہوا تھا یا کسی جا گہ چوروں، حرام زادوں، ڈکیتوں سے پالا پڑا تھا۔ چاہتا ہوں کہ تو اس بھید سے آگاہ کرے۔

جوان اس بات کے سنتے ہی متغیر ہو کر قدرے چپ رہ گیا۔ پھر اپنے سر کو تامل کے گریبان سے نکال کر کہنے لگا کہ تم اگر اپنی مہربانی کی رو سے یہ تکلیف نہ دو تو ہو سکتا ہے کیونکہ یہ سخن قابل کہنے کے نہیں بلکہ لائق چھپانے کے ہے۔ اس کے پوشید کرنے اور متغیر ہونے کے باعث میرا دل اس مطلب کے کھلنے کے باب میں چوگنا متوجہ ہوا یہاں تک جس قدر میں منت کرتا تھا اس سے بھی زیادہ کرنے لگا۔ مبالغے کے درجے کو قیاس کے انداز سے باہر لے گیا۔ پر وہ جوان اپنے اسی پہلے وتیرے پر ساکت ہوا۔ ہرگز اپنے لب کو گویائی سے آشنا نہ کرتا تھا۔ نہ اپنی زبان کی مچھلی بیان کے دریا میں پیراتا۔ جس قدر میں اس کے سامنے مبالغے کو بڑھاتا تھا۔ اتنا ہی وہ منت و معذرت کو زیادہ کرتا۔ اس معنی سے میں یہاں تک متعجب ہوا کہ طاقت نہ رہی صبر و شکیبائی کی لگام اختیار کے ہاتھ سے چھٹ گئی۔ غرض میری ضد اور ہٹ اس مرتبہ پہنچی کہ اس سے زیادہ کوئی بات خیال میں نہیں آتی۔

ناچار اُس جوان نے اپنے بھید کے معشوق کے منہ سے نقاب اٹھانے اور بیان کی مجلس

میں جلوہ کرنے کے سوا کچھ چارہ نہ دیکھا خواہ نخواہ راز کا جواہر بیان کی ترازو میں تولنا شروع کیا کہ کسی وقت میں کئی دوستوں کے ساتھ اتفاقاً صحرا کی طرف سیر کے واسطے گیا تھا میں اچانک ایک ہرن آہو چشموں، بانکوں خود بینوں کی آنکھوں کی طرح ایک سبزے کے کنارے سے نکلا اور گل گھاس چرتا ہوا ان دھڑک میرے قریب تر آپہنچا۔ میں نے اپنے گھوڑے ہوا سے زیادہ اڑنے ہارے کو اس کی طرف کدکایا۔ ہرن نے بجلی کی مانند صحرا کا رستہ پکڑا اور اس سبزہ مینا رنگ میں چوکڑیاں بھرنے لگا۔ میں بھی اپنے گھوڑے بادپا کو پھینکے باگ اٹھائے اس کے پیچھے لگائے چلا گیا۔ اس عرصے میں اپنے عزیزوں، رفیقوں سے جدا ہو کر ایسے جنگل میں جا پڑا کہ جہاں نہ بستی دکھلائی دیتی تھی نہ آبادی کی بو امید کے مغز میں پہنچتی تھی اور دوڑ دھوپ کی محنت اور تردد کے جوش کا دھواں جو قطرہ قطرہ پسینہ نشان ہو کر ستارہ کی مانند اس گلگوں بادرفتار کے ہلال نعل سے چھو کر روئے زمین کو مانند میدانِ آسمان کے ثوابت وسیاروں سے بھرتا تھا۔

اتفاقاً گھوڑے کا پاؤں ایک چھوٹی سی نالی میں جا پڑا کہ وہ گھوڑا سر کے بل اُلٹ گیا۔ اور میں گیند کی طرح جو چوگان کے صدمے سے غلطاں پیچاں ہو جاتا ہے معلّق آسمان سے زمین کے اوپر آرہا۔ غرض اس صدمے سے ایسی چوٹ کھائی کہ کچھ کہی نہیں جاتی بلکہ جی میں یہ بات گزری کہ شاید حیات کا پاؤں اجل کے گڑھے میں گر پڑا۔ زندگانی کا رشتہ ٹوٹ گیا لیکن اس حیاتِ مستعار سے کچھ روز زندگی کے باقی تھے، نہ مُوا۔

قصہ کوتاہ نہایت محنت ومشقت سے کفن پھاڑ کر گور سے نکلا۔ کتنے درد دکھ سہہ کر اٹھا اور جب اپنے تئیں آزمایا، اتنی طاقت نہ تھی کہ غیر کی بے دست گیری رکاب پر پاؤں رکھوں یا خانہ زین پر جا بیٹھوں۔ ناچار پہر گھڑی دو گھڑی زمین پر گر کے پڑا رہا اور اپنے ہوش و حواس جمع کرنے لگا۔ یہاں تک کہ میرا کاسہ سر جو آسمان کے طاس کی طرح پھرتا تھا، اپنی اصلی حالت پر آیا، اُٹھ بیٹھا۔

ایک عورت اسی حالت میں نہایت بوڑھی، ضعیف وناتواں کہ اس کی ہڈی ہڈی میں نقاہت وکم طاقتی سما گئی تھی بلکہ تیر اس کے قد کا مارے دبلاپے کے مہ جبینوں کے ہلالِ ابرو کی طرح خم ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے دانتوں کے موتی کی لڑی ٹوٹنے سے دانت بھی

جو کے ہیست جھڑ پڑے تھے۔ زمانے نے اس کے روئی سے گالوں پر جھریاں اس طور سے ڈالی تھیں کہ جس طرح ہوا کے باعث پانی پر لہریں پڑ جاتی ہیں، لاٹھی کے سہارے پر قدم دھرتی تھی بلکہ نہایت ناتوانی سے راہ چلنے میں ہر ہر قدم پر کراہتی تھی۔ ہوا کی مانند گرتی پڑتی میرے پاس آ پہنچی۔

میں اس کے اس احوال کے دیکھنے سے حیرت کے دریائے عظیم میں ڈوب گیا بلکہ نہایت ڈرا کہ اس لق و دق میدان میں کہ جہاں بنی آدم کا وجود تصور کے خیال میں بھی نہیں آتا کیونکہ یہاں جواں مرد رُوئیں تن، دلیر و شیر افگن بھی اپنی جان کے ڈر سے بید کے پتوں کی طرح تھرتھراتے ہیں۔ یہ عورت اس ناتوانی ونقاہت سے یہاں کس طرح آئی۔ کیا کام رکھتی ہے۔ یقین ہے کہ یہ غول بیابانی ہے جو اس ہیئت سے دکھلائی دیتا ہے یا کوئی دیو ہے کہ جس نے اپنے تئیں اس صورت سے ظاہر کیا ہے۔ غرض بہر تقدیر اس کا نمود ہونا فتنے سے خالی نہیں بلکہ آپ بھی نہ سمجھا چاہیے کہ ہو۔

غرض جب نزدیک تر آئی میں نہایت ڈر سے دو ہی تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا۔ حد سے زیادہ تعریفیں کرنے لگا مکاروں کی طرح تملق کی راہ سے چاپلوسی میں مشغول ہوا لیکن اس عورت پیرزال نے جو مجھے اس حالت سے ڈرتے اور کانپتے دیکھا۔ بطور مادروں مہربانوں کے آگے آ کر بے حد شفقت و مہربانی ظاہر کی۔ نوازش و اخلاق سے میری حقیقت پوچھی۔

میں جو درد و دکھ کی گلی کا سراسیمہ، حیرت و حسرت کے میدان کا سرگرداں و آوارہ ہو رہا تھا کسی صورت سے اس وقت اس کے سامنے زبان نہ کھول سکا غرض اس کی عنایت بے نہایت سے اپنی خاطر جمع کر کے امید کے ہاتھ سے اُس کی مہربانی کا دامن پکڑ لیا۔ اپنے احوال کی کیفیت سے آگاہ کیا۔ باوجود اس جوانمردی و چالاکی کے اپنے کام کی تدبیر اس عورت منحنی و کم قوت سے پوچھی اور ہولناک میدان ہلاکت کرنے والے سے سلامت نکلنے کی راہ ڈھونڈی۔

آخر وہ عورت دُبلی پتلی کہ ہمت و قوت میں رستم سے بہتر، دلیری و شجاعت میں سو مردوں کے برابر تھی، جوانمردوں، رحم دلوں کی مانند میرا ہاتھ پکڑ کے خواجہ خضر کی طرح رہبر ہوئی۔ ندان اس ظلمت آباد رنج و مصیبت کے بھرے ہوئے میدان سے نکال کر اس امن کے چشمۂ آب حیات پر لے گئی جو ویسے وِرانے میدان میں اُس بڑھیا نے اپنے رہنے کو ایک مکان بنایا تھا کہ وہ نہایت لطیف و دلکشائی، نزاکت روح افزائی کے ساتھ دریا کے کنارے بنا تھا کہ حضرت خضر کا چشمہ

اس کے آبِ زلال کا پیاسا تھا۔ حوض کوثر کی نہر کا پانی اس کی بخشش کے بارِ احسان سے نہت شرمندہ۔

حاصل کلام اس نرسل کے گھر کو اس صورت سے آراستہ کیا تھا کہ وہ قیصر و فغفور کے محل و قصور پر بھی طعن کرتا۔ اس کے سامنے کا سبزہ جنت کے میدان کی طرح لہلہاتا تھا۔ باغِ ارم کی مانند خوشی کا بخشنے والا ہو رہا تھا۔ ہر ایک طرح کے گل و پھول اس میں پھولے ہوئے تھے۔ ہر ایک گل کی ڈالی پر چہچہے کرنے والے جانور بیٹھے بول رہے تھے۔ ابیات

نیچے اُس سبزے کی ہر اک گھانس کے	نہر جاری تھی نہایت لطف سے
تھی ہوا بہتر و بہوے خوب تر	سبز تھی ڈالی لدے پھل سے شجر
تھی رواں سبزے پر ہر اک نہر یوں	سبز کاسے میں رہے سیماب جوں
قطرے یوں تھے وہاں کی ہر ایک گھانس پہ	شاخِ مینا پر جڑے ہوں جوں گہر

مجھے ایسے مکان جنت نشان میں لے گئی۔ مہربان غمخوں، والا ہمتوں، مہمان نوازوں کی مانند ضیافت کے آئین مہمانی کے قوانین بجالائی۔ یہاں تک کہ جو کچھ کھانے پینے کی چیزوں سے اپنے پاس رکھتی تھی، مہیا کی۔ غرض بزرگوں کی طرح اپنی طوطی زبان کو عذر کے شکرستان میں نطق سرا کر کے کہنے لگی۔ اگرچہ یہ ٹوٹی جھونپڑی تجھ سے والا گوہر، عالی شان کے تکلیف کرنے کے لائق نہیں لیکن تیرے قدوم بہجت لزوم کی برکت سے روشن ہوئی۔ جو میں نے دنیا میں پایۂ اعتباری زیادہ کر کے بزرگی پیدا کی۔ پس لازم ہے کہ غریب نوازی و مہربانی کی رو سے مجھ سی بے نوا کو سرفراز کرے اور میرے سر و چشم پر قدم دھرے۔ قطعہ

اگر میرے بیٹھے سر و چشم پر	سمجھیو نہ فرق اس میں تو ایک مو
اٹھاؤں گی یہ ناز دل سے ترے	کہ ہے صاحبِ ناز و ممتاز تو

میں نے جو ویسے میدانِ جانکاہ سے نجات پائی تھی اور ایسے مکان مینو سواد و دل فریب میں جا کر ایک کیفیت اٹھائی تھی بلکہ اس عورت مرد سرشت کی بے حد مہربانی سے ایک نئی حلاوت پائی تھی۔ اس نعمت غیر مترصدہ کے ادا کرنے میں شکر و سپاس اس واجب بے منت کی درگاہ میں طاقتِ انسانی، وقت بشری کے موافق بجا لا کر اس عورت پاک دامن حق تعالیٰ

کی عبادت کرنے والی کو دعا دی۔

اگرچہ دل میرا گھر بار کی دوری و دوستوں کی مفارقت و مہجوری سے بے قرار تھا لیکن اس سبزہ رشک ارم کی آب و ہوا کے باعث پانی کے بہنے، سبزے کے لہلہانے کے سبب گل و ریحان کی سیر کرنے (کے) لیے اُس مکان جنت نشان میں رہنا اختیار کیا اور وہ عورت نیک ذات ایک چمن کے کونے میں جائے نماز بچھا کر اپنے خدائے کریم کی بندگی میں مشغول ہوئی۔

میں اس نیک بخت، حق شناس کے احوال دیکھنے سے کہ وہ اس ضعیفی و ناتوانی اور نقاہت دیکھ سیالی میں خلق سے نفرت کر کے اس واحد ذوالجلال کی جستجو میں کہ تنہائی اس کو سزاوار ہے تنہائی قبول کی۔ توکل کے چو گوشے پر پالتھی مار کر جا بیٹھی تھی، متحیر ہو گیا۔

جب زاہد نورانی خورشید کے چہرے کو مغرب کے چلے میں لے گیا اور دنیا کی اندھیاری رات چاند کی شمع سے روشن ہوئی کہ ایک لڑکی آفتاب دیدار اپنی زلف مشکین کو تاب دیئے اپنے گل رخسار پر لٹکائے، دبری کی ٹوپی اس حال کے سر پر دھرے اپنی عنبریں بھوں کے طاق کو نیکبختوں کی پیشانی کی طرح کھولے چلی آئی اور ایک گائے نہایت اچھی ازبس کہ دلچسپ، ہرنوں مشک پیدا کرنے والوں کی سی اپنے ساتھ لئے ہوئے وہاں آکھڑی ہوئی۔

اس بڑھیا نے جو اسے دیکھا، آثار شگفتگی اس کی پیشانی سے ظاہر ہوئے۔ اٹھی اور اس کا استقبال کر کے ماتھا چومنے لگی۔ ندان ایک نرسل کی مسند پر کہ وہ تاش و بادلے سے بہتر بلکہ ابریشم و حریر سے بھی زیادہ فخر رکھتی تھی بٹھلا دیا۔ جو چیز حاضر تھی فقیروں کی طرح موجود کی اور اس گائے کا دودھ دوھ کر تھوڑا سا مجھے عنایت کیا، قدرے قلیل اس غزال رعنا شمائل کو دیا اور ایک کٹورا آپ پیا۔

جب اس لڑکی پری دیدار کے ساتھ میں اُس گھر میں بے حجابانہ بیٹھا اور حسن گلوسوز اس کا بخوبی دکھلائی دیا، میرا دل اُس کے بال مشکیں میں پھنسا اور مرغ روح میرا اس کے طرۂ تاب دار عنبریں کا اسیر ہوا۔ نہایت بے قراری و بے صبری سے ساری رات جاگا کیا۔ جب آسمان کی کنواری نے اندھیاری رات کے پردے سے سر نکالا، تمام دنیا کا صحن اپنے نور سے منور کیا۔ وہ رنگی گل اندام، پری پیکر اپنی اسی عادت قدیم سے اٹھی۔ اُس گائے کو چراگاہ میں لے گئی اور وہ عورت ضعیف ایک جائے نماز پر تنہا جا بیٹھی۔ عبادت الٰہی میں مشغول ہوئی اور میں بے قراری و

بے صبری کے باعث شوخی کے گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کی خدمت میں گیا۔ گستاخوں کی طرح اس احوال کی کیفیت پوچھنے لگا۔

اے مادر مہربان اس پیری میں کہ ضعف و ناتوانی تمھارے گوشت پوست میں چھا گئی ہے، آبادی سے نفرت کرنا اور اس ویرانے میں گھر بنانا۔ تنہائی سے خوگر ہونا کس واسطے اور یہ لڑکی چاند کی سی صورت کس کی ہے؟

اس عورت فرشتہ طینت نے اپنے لب اس بات کے جواب میں کھول کر کہا۔ اے لڑکے میں وہ ایک عورت منحنی وضعیف ہوں کہ اپنے خدائے کریم کو واحد اور برحق جانتی ہوں اور اس جہان بے بنیاد کی برخورداریوں سے دل اٹھا کر تمام دنیا کے تعلقات خاطر کا رشتہ توڑ ڈالا بلکہ اس ایکتائے بے شرکت کی قربت میں پیوند کیا کیونکہ اس جہاں کے عزیزوں رفیقوں سے فلاح اور بہتری کی توقع کچھ نہ دیکھی۔ ناچار ہو کر اسی کی محبت اختیار کی۔ اس واسطے دنیا کی آبادی سے دل اٹھا کر اس ویرانے میں رہنا قبول کیا۔ قطعہ

اس جہاں کو میں وفا کرتے نہ دیکھا زینہار — بے وفا کو آشنا کرتا ہے کوئی ہوشیار

آشنائی قطع کی میں نے ہر اک سے اے عزیز — بس ہے میرے واسطے اک دوستی کردگار

اور یہ لڑکی میرے بیٹے کی بیٹی ہے۔ باپ اس کا عین حالتِ نوجوانی میں اس جہانِ فانی کو چھوڑ گیا بلکہ اس کی ماں نے بھی مکان جاودانی اختیار کیا۔ تب میں نے کہا اے مادرِ مہربان تمھارے انفاس بزرگ کی برکت سے توفیق اس کو جہ گنہگاری کے سراسیمگی کی رفیق ہووے۔ چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی عبادت کی سعادت کے حاصل کرنے میں تمہارے طور سیکھوں۔ بعد اس کے پھر کبھی آبادی کا منہ نہ دیکھوں اس لئے کہ اس صحبت فیض کی بخشنے والی کی برکت سے عقبیٰ کا ثواب پیدا کروں۔ لیکن امیدوار اس بات کا ہوں کہ تو اپنی نوازش و مہربانی سے میرا ہاتھ پکڑے۔ اپنی فرزندی میں داخل کرے اور اسلام کی رسم کے موافق اس عصمت کے نئے پودے کو میری زوجیت کے رشتے میں باندھے اور اس نوازش سے میرے افتخار کے سر کو آسمان کی بلندی تک پہنچادے کیونکہ یہ امر ناگزیر کہ حق تعالیٰ کے فرمانے سے ہے، اس کا ادا کرنا لازم ہے اور اس معنی کے سرانجام کو نشوونما کرنا واجب۔ پس اس صورت میں بھی چاہیئے کہ اس پیوند کرنے سے مجھے سربلند کرے اس لئے کہ دوسرا

اس محبت اور عقیدت سے موافقت نہ کرے گا۔ اس وقت کہ ضعف و پیری نے تیری ہر ایک رگ و پے میں اثر کیا ہے۔ درجہ تیری عمر کا حد سے گزر گیا ہے۔ پس بندوں فرمانبرداروں کی مانند رات دن تیری خدمت کیا کروں گا۔ قبولیت کا سر پرائی فرمانبرداری میں جھکاؤں گا۔

اس بڑھیا نے اس بات کی دلہن کے ہاتھوں کو اجابت کی مہندی سے رنگ کر میری آرزو کی معشوقہ کا چہرہ مراد کے ابٹنے سے آراستہ کیا کہ اُس دریائے محبوبی کے گوہر یکتا کے وصال کی خبر کے پیوند سے مجھ ایسے ناچیز کو خوشی و خرمی کا خزینہ (عطا) کر دیا۔ بعد اس چند روز کے نکاح کے آئین اور وصال کے مراتب ادا کر کے اس چودھویں رات کے چاند کی ہم بستری سے سرفراز فرمایا۔ میں نے ایک مدت تک اس میدان رشک گلستاں میں بخوبی تمام زندگانی بسر کی۔ سوائے اس کے اس لطافت و حسن کے دریا کے بے بہا موتی میں عصمت و پارسائی اس قدر تھی کہ اس کے جمال آرا سے چاند کی نگاہ آلودہ نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ مہر لقا شب ماہ میں بھی اپنی انگنائی میں نہ کھڑی ہوتی بلکہ میرے روبرو بھی مارے شرم و حیا کے شوخی و گستاخی سے آنکھیں نہ اٹھاتی اس لئے کہ حسن و عصمت کو حق تعالیٰ (نے) اس کے کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ حسن و جمال و کمال معنی قد سے زیادہ عطا کیا تھا۔ میں نہایت خوشی و خرمی سے اپنے پیراہن (میں) پھولا نہ سماتا۔

غرض اس کی ایک گھڑی کی مصاحبت کو ہفت اقلیم کی بادشاہت، ربع مسکون کی کامرانی سے بہتر جانتا۔ بے شک و شبہ اس حور لقا کی صحبت و انسیت کی دولت سے تمام دنیا کی شادمانی و کامرانی میرے ہاتھ لگی۔ سچ ہے کہ اس نعمت سے کوئی چیز بہتر نہ ہوگی کیونکہ وہ عورت حسین و مہ جبین گل اندام و مہر لقا۔ صاحب ناز و اہل کرشمہ۔ دانش مند و لطیف طبع نیک ذات، و صاحب اداد عصمت کی پوشاک سے نئی نئی دلہنوں کی طرح میرے ہاتھ لگی نیک بختی و بختاوری کے گہنے پاتے سے سجی سجائی پائی۔ نظم

عورت ہو گر حسین و خوش آئین و پارسا	کر دیوے ایک دم میں گدا کو وہ بادشاہ
گر تو تمام دن رہے غم میں تو غم نہ کر	شب کو ہو غم گسار اگر بر میں سیم بر
روشن ہو چکا دوست کی ہم بستری سے گھر	رہتی ہے چشم رحم خدا کی لگی ادھر
عورت ہو اہل پردہ و بہتر و نیک خو	شوہر عدن میں اس کا ہے دیکھے سے اس کا رو

دل خوش کیا اُسی نے جہاں میں بصد وقار   دل جوئی جس کی دہر میں کرتا ہے جس کا یار

قضا کار بعد کئی برس کے وہ پیر زال فرشتہ خصال اس جہانِ فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کی طرف متوجہ ہوئی اور اپنے دامن کو اس خاک وال کی گرد سے جھاڑ کر طوبیٰ کی ڈالی سے کامرانی کا پھل اپنے ہاتھ میں لائی۔ اس جنت کی صدر نشیں کی مفارقتِ ناگزیر سے میں نہایت تنگ احوال ہوا بلکہ اُس بہشت کی کیاری کے اُس وجود بزرگ کے نہ ہونے سے وہ مکان فردوس فریب جی کو نہایت ناگوار معلوم ہونے لگا۔

ناچار وہاں طاقت رہنے کی نہ پاکر اپنے اسی دستور قدیم سے آبادی کی طرف متوجہ ہوا آخر اس میدان کو چھوڑ کر شہر میں آیا۔ ملنا خلایق کا قبول کیا اور اپنے بحسب ضرورد بجہت وجہ معاش کے لئے کہ اس سطحۂ خاک کے دوڑنے والوں کو اس میں چارہ نہیں۔ کیونکہ اس عالمِ اسباب میں کہ بے وسیلہ وسعی کے وجہ قوت حاصل نہیں ہوتی، دنیاداروں سے ملتجی ہوا۔

ایک مکان محفوظ سا کرائے (پر) لے کر اس مہر لقا رشکِ حور کو اس میں رکھا اور ایک عورت ضعیف و نیک بخت کو نوکر رکھ کر واسطے کار ضروری کے اس پری پیکر کے تعین کیا۔ خدائے کریم کے فضل اور اپنی قسمت سابقہ کی خواہش سے اس شہر کے حاکم (کے) یہاں سلسلہ توسل اور بسبیل نوکری کے بہتر و مضبوط ہونے کا اتفاقاً ہوا۔ میں کبھی کبھی اپنی بی بی کو اس عورت کے اعتماد پر جو اس کی حرمت و عصمت کی نگہبان و محافظ تھی، شہر میں چھوڑ کر اپنے خاوند کے حکم سے جو کام کہ اپنے متعلق تھے، اُن کی سربراہی کے لئے گانوں میں جاتا اور ان کاموں کی نہایت کثرت کے باعث اور بے حد دیر ہونے کے سبب گھر آنے کی طاقت نہ پاکر اکثر اوقات راتوں کو میدان ہی میں رہ جاتا۔

ایک دن اسی اپنی عادتِ قدیم سے بی بی سے رخصت ہو کر کسی گاؤں کی طرف بطور مسافروں کے متوجہ ہوا کہ اُس عورت ضعیف نے آکر کہا۔ صاحب میں ایک عورت دبلی پتلی سی ہوں بلکہ نہایت ضعیف و ناتواں۔ یقین ہے کہ ایسا کار لاحل ہیں۔ بخوبی تمام تمھارے گھر کا نہ کرسکونگی سچ جانیئے کہ محافظ و نگہبانی قرار واقعی مجھ ناتواں سے نہ ہوسکے گی۔ بے شک اب اس بات کی حافظ و کفیل بوجہ احسن نہ ہوسکوں گی۔ مصلحت نیک و بہتر یہی ہے کہ اس کام کے لئے کوئی اور مجھ سے عقلمند و

ہوشیار مقرر کرو. مجھ ضعیفہ کو معذور رکھو. کیونکہ زمانہ اب اس طور ہے، بیان میں نہیں آتا۔

غرض میں بے وقوف و ناداں اس مقام میں کہ اپنی بی بی کی عصمت و پاک دامنی پر اعتماد کمال رکھتا تھا، مطلق اُس عورت نیک خصال کے سخن رمز آمیز کو کہ جس نے صاحبانِ دانش و بینش کے روبرو اس آسانی کے ساتھ کوئی بات چیت نہ کی ہوگی، خیال میں نہ لایا. برعکس اس کے اس بڑھیا کے عذر کو اس جہان کی رسموں کے موافق یوں سمجھا کہ جب کو چالاک و چست نیک نیت و حق پرست ہوتا ہے سو اپنی فروتنی کے باعث یونہی کہتا ہے۔ آخر اس کو اسی طور سے اس کی خاطر داری اور دل جوئی کے لئے مقرر کر کے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوا۔ اب کی بار بھی عقل کی نارسائی کے باعث اپنے ناموس کے کھیت میں رسوائی کا سانڈھ اسی صورت پڑا رہا۔

جب دوسری دفعہ میں سواری کی تلاش و سفر کے تہیے میں متوجہ ہوا، ناچار اُس عورت ضعیف نے تنہا پا کر پھر کہا۔ اے جوان نادان تو کچھ اپنے ننگ و ناموس کے کھیت کی خبر نہیں لیتا دیکھ تو کیونکر بیلوں کے (سبب) پامال ہو رہا ہے ۔ ہے ہے نہیں جانتا کہ یہ گروہ عورتوں کا نہایت بد ذات ہے ۔ اگرچہ ظاہر الباس حیا و زیورِ عصمت سے آراستہ ہو، تو بھی احتیاطوں کی برایت و تاکیدوں کے لوازم بخوبی تمام ادا کرنا موجب غیرت و باعثِ ہوشیاری کا ہے. کیا نہیں سنا تو نے کہ خردمند کہہ گئے ہیں. بیت ؎

تو نڈر عورت سے مت رہ گو ہوئی وہ پارسا ہے بندھا بہتر گدھا گو ہو گیا چور آشنا

اس بات کے سنتے ہی میرے ہوش کا مرغ دماغ کے آشیانے سے پرواز کر گیا اور آتش بلانے میرے تن بدن میں بھڑکنا شروع کیا غصے کے غلبے سے دیوان پن میرے مغز تک پہنچا. کہنے لگا اے پیر زال برائے خدا اس احوال کی کیفیت سے آگاہ کر یہ کیا معاملہ ہے. کیا میری حرمت کے کھلیان میں بلا کی بجلی پڑی. میرے ننگ و ناموس کی شیشی رسوائی کے (سبب) پھوٹی ؟

اس بڑھیا عورت نے کہا۔ اے جوان ناداں میں بری الذمہ ہو چکی ہوں بلکہ حق نمک ادا کر چکی ہوں اب اس سے زیادہ چغلی کھانے کی توقع تو مجھ سے نہ رکھ اور اس بڑھاپے میں دامن حال نگائی بجھائی کے غبار سے مت بھر. جس قدر تیری عقل رہبری و یاوری کر سکے، اپنا مال ہاتھ رکھ دم بہ دم اس کی نگہبانی کر!

اس احوال کو سن کر میں گھڑی آدھ گھڑی قالب بے جان کی طرح بے حس وحرکت رہ گیا۔ حیرت واندیشہ نے میری طبیعت پر نہایت غلبہ کیا۔ مثل مشہور ہے مصرع

"نہ چلنے کو پاؤں نہ رہنے کو ٹھاؤں"

ناچار تفکر کے گریبان میں سر ڈال کر سوچنے لگا۔ ندان اپنی عقل مصلحت پہچاننے والی سے ملتجی ہوا۔ اس عرصے میں یک بیک میرے دل میں (ایک) خیال گزرا (اور میں) شاداں شاداں کھلی پیشانی اپنی بی بی اس بد ذات سے رخصت ہو کر گھوڑے پر سوار ہو، لوگوں کے سامنے اس اسپ باد پا کو کڑکا کر شہر کے باہر نکلا اور ایک باغ میں جا کر مصیبت زدوں کی مانند، سیکڑوں غم وغصے کے جوش۔ ہزاروں درد والم کے غلبے، جو دم بدم آتش مصیبت کی گرمی سے جی جلاتے تھے۔ جن کے صدمے سے دل خون ہوا جاتا تھا۔ کلیجا منہ کو چلا آتا تھا۔ آخر اس روز کو کہ وہ ماتم کی شب تار سے زیادہ تاریک تھا، شب سے بدلا۔ معلوم کیا کہ اس روز کو اللہ تعالیٰ نے ہزار برس کے برابر پیدا کیا ہے یا یہ اپنے پیچھے رات نہیں رکھتا۔

بہرصورت جب رات نے سیاہی کا پردہ اس جہان کے منہ پر ڈالا، میں ظلم وستم کا مارا، عیش وعشرت کا ماتم زدہ۔ ننگ وناموس کی مصیبت ومشقت کا مبتلا۔ فقیروں خاکساروں کی مانند ٹاٹ (کا) ٹکڑا (کاندھے) پر ڈالے پیادہ پا اس باغ (سے) نکلا چھپا چھپا اس حویلی کے پچھواڑے جا پہنچا اور ایک دیوار کے نیچے کھڑا ہوا اپنے کان کھڑے آواز کی طرف لگا کر سوچنے لگا کہ سنوں تو، اندر سے کس ڈھب کی آواز آتی ہے۔

بعد ایک دم کے معلوم ہوا کہ بدکاری جاگتی ہے۔ نیک بختی سو رہی ہے۔ بدی سلامت ہے اور نیکی مر چکی ہے۔ اس غصے کی زیادتی سے تمام جہان میری آنکھوں سے تاریک ہو گیا۔ سر سے پاؤں بدن تھرتھرانے لگا۔ ناچار دیوار پر چڑھ گیا اور اس ڈھب سے دبے پاؤں اتر کر گھر میں پہنچا کہ آواز بھی نہ آئی۔ انگنائی میں ایک ایسا باغ تھا کہ جس کے درختوں کی پھنگیاں آسمان سے لگ رہی تھیں، اور ڈالیاں پتوں کی کثرت سے چھتر کی طرح پھیل رہی تھیں۔

میں ایک درخت پر چڑھ گیا اس کے پتوں، ڈالیوں میں چھپ رہا۔ دور سے اس ناپاک کا تماشا دیکھنے لگا۔ اس باغ کے بیچوں بیچ ایک چبوترہ ہشت پہل جو نہایت لطافت وزینت سے آراستہ

تھا ، دیکھا میں نے کہ اُس کے اوپر فرش پر تکلف بچھا ہے شمعیں روشن ہورہی ہیں اور بی بی باوجود
اس عصمت و پارسائی کے جو ظاہر رکھتی تھی یعنی اپنے یار کی گود میں ہزاروں ناز وادا وٗں سے طاؤس
طناز کی طرح بیٹھی ہوئی ناکامی کی شراب دوستی کے پیالے میں بھر بھر پی رہی ہے اور ایک لونڈی نمک حلال
حقیقت آشنا دوزانوں بیٹھی ہوئی شراب کے پیالے بھر بھر کے پلا رہی ہے. ناز و نیاز کا وقت گرم ہو رہا
ہے. بوسہ و کنار کا پیالہ چھلک رہا ہے خواہش کی ہوا نے اس کی عصمت کا دامن گل کے گریبان
کی طرح پھاڑ ڈالا. بخت بد نے اس کی پارسائی کا بچھونا گناہ کے کانٹوں تنکوں پر بچھایا۔

میں نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ یا اس شرمناکی، وراست روی، و حجاب آلودگی و نیک نشینی
کے ساتھ کہ چاند کی طرف بھی شوخ چشمی سے نظر نہ کرتی تھی، گستاخوں کی مانند سورج کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتی تھی
یا اس بے حیائی و بدبختی کے ساتھ نہایت رغبت کر کے غیر کی گود میں بیٹھی ہوئی چین کر رہی ہے بلکہ بخواہش
تمام شراب بازی میں مشغول ہے نہ وفاداری کا اثر پایا جاتا ہے۔ نہ شرم و حیا کا نام و نشان دکھلائی
دیتا ہے. بیت ؎

پہنچی ہے آگ دیکھ تو ہر استخواں تلک　　　اس راہ میں ہے فرق کہاں سے کہاں تلک

القصہ جب تھوڑی سی رات گئی۔ دم بدم کے دور. گھڑی گھڑی کے پیالوں نے ان دو
بدبختوں کے دماغ کی پیالی عقل و ہوش کے نشے سے خالی کر دی۔ بے ہوشی نے طبیعت پر نہایت
غلبہ کیا. شہوت کی دیگ نے دارو کی آگ سے جوش کھایا۔ تمنا کا دیگچہ وصل کی آتش سے اُبل چلا۔

آخر کار وہ مرد نابکار خواہش کے ہاتھ سے اُس کا دامن پکڑ کر اپنے دل کی مراد بر لانے کا امیدوار
ہوا. تب وہ عورت بدکار وہاں سے اُٹھ کر جلد اُس باغ کے ایک کونے میں چلی گئی کہ عورتوں ہوشیار
طبعوں کے قاعدے کے موافق مباشرت کی صحبت کے لئے مستعد ہو کر اپنے بچھونے پر آوے۔ ایک
لونڈی بھی اُس ناپاک کے پیچھے پیچھے آفتابہ پانی سے بھرا ہوا لے گئی اور وہ مردک بطور مستوں کے اس
جگہ کام جوئی و کامرانی کی امید میں غافل ہو رہا تھا. اس وقت میں فرصت کی ساعت غنیمت جان کر
جلد درخت سے اُترا چھپا چھپا اس چبوترے کے کنارے جا پہنچا اور اس اجل گرفتہ. شوریدہ بخت
کی تلوار کو اُس کے آگے سے نہایت چالاکی و سبک دستی کے باعث اٹھا لیا. غرض ایک ہی وار
سے اس بدانجام کا کام تمام کیا اور اس لہو بھری تلوار کو اس کے سینے پر رکھ دیا اور آپ نہایت چستی و

چالاکی سے اس درخت پر چڑھ کر جس جاگہ بیٹھا تھا وہیں جا بیٹھا۔

وہ عورت بدذات لڑنے والے کی طرح، جو کارزار کا مستعد ہو کر میدان کی طرف متوجہ ہوتا ہے، نہایت شہوت کے جوش میں بھری ہوئی بلکہ سر سے پاؤں تک اپنے مطلب کے شوق میں آلود چلی آئی۔ جوں اس مردک بدکار کے خون سے بچھونا تربتر دیکھا اور اس تلوار کو لہولہان اس کی چھاتی پر دھرے مشاہدہ کیا اور اس مردک کو کمال آرام سے پاؤں لمبے کئے ہوئے نیستی کے بستر پر خواب ناز میں غافل سوتے پایا۔

اس حال کا مشاہدہ کرتے ہی آتش بلا اس کے تمام بدن میں بھڑک اٹھی اور غضب کی آگ سر سے پاؤں تک شعلہ زن ہوئی۔ نہایت خفگی دشمنائی سے وہ تلوار اس ناپاک کے سینے سے اٹھالی اور ایک لونڈی کے ہاتھ میں چراغ دے کر اس باغ کے ہر ایک گوشے و کیاری میں بطور دیوانوں کے دوڑنے لگی۔ اس وقت اس بدبخت تیرہ اختر کی طرز سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ اگر سفید دیو (اس) کے سامنے آجاتا تو اپنی بددماغی و غضب ناکی سے رستم کی مانند بلا تحاشا سامنا کر بیٹھتی۔

جب کسی کا نام و نشان نہ پایا، مایوس ہو کر پھری اور تلوار ہاتھ سے ڈال کر گھڑی آدھ گھڑی دیوانوں کی (طرح) باغ کے صحن میں حیرت زدوں کی طرح کھڑی ہو رہی۔ بعد اس کے باندی سے کہا، تا کہ ایک بڑا سا مٹکا حاضر کرے سے آئی۔ وونہی اس کے اعضا اعضا جدا جدا کر ڈالے پھر اس مٹکے میں بھر کر اس باغ کے ایک کونے میں گاڑ دیا اور آپ غم و الم کے باعث ہائے ہائے کر کے خوب سا روتی پیٹتی پھر اپنے خانۂ تاریک میں چلی آئی۔ اپنے بخت خفتہ کے مانند سو رہی۔

بعد اس کے میں آہستہ آہستہ اس درخت سے اتر کر جس راہ سے آیا تھا پھر اسی راہ سے باہر چلا گیا جب افلاطون روز مغرب کے خم سے نکلا اور صبح کے نور کو تمام جہاں میں پھیلا کر روشن کیا۔ میں اپنے گھر آیا دیکھا میں نے کہ وہ عورت اس قدر درد و الم کے دام میں مبتلا، غم و مصیبت کی زنجیر میں گرفتار ہو رہی تھی کہ سوائے اس بلا کے اور کوئی مصیبت متصور نہ ہوتی تھی جب میں نے اس احوال سے اس کو دیکھا کہا، اے جان جہاں میرا دل و جی تیری عصمت و دوستی کے قربان ہووے، یہ آثار ملال تیرے چہرۂ گلگوں پر کس واسطے ہے اور تیرا آفتاب سا مکھڑا کدورت کی میل سے کیوں بھرا ہے کہا اس نے کہ تیری دوری ایسا ہی روز سیاہ دکھلاتی ہے کیونکہ میں گھڑی آدھ گھڑی کی جدائی تو تیری

برداشت کرہی نہیں سکتی پھر دو چار دن کی مہاجرت کس طور سے سہوں اور کس طرح صبر کروں۔
یہ بات سن کر میں نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ رات کو اس صورت سے سرگرم عیش و عشرت میں رہنا۔ اپنے یار دل نواز کے ساتھ دوستی و اختلاط کی چوسر کھیلنا۔ اب اس طور کے جادو ٹونے مجھ پر دم کرنا اور ان ابلہ فریب باتوں کی ٹٹی کھڑی کرکے فریب دینا۔ غرض ہر صورت وہ روز گزر گیا۔

دوسرے دن اس روز سے بھی زیادہ غمگین و ملول خاطر ہو رہی تھی دیکھ کر کہا میں نے کہ اب تو خدا کے فضل و کرم سے پہلو بہ پہلو بیٹھے ہیں بلکہ دولت ہم آغوشی میسر ہے۔ آرزو کا پیالہ مراد کی شراب سے بھرا دھرا ہے پھر غم والم کرنے کا موجب کیا ہے۔ جواب دیا۔ اس لئے کہ آج کی رات میں نے ایک خواب ایسا ہی دہشت آلود دیکھا ہے کہ جس کے ڈر سے سہمی جاتی ہوں اور تعبیر اس کی نہیں جانتی کہ کیا ہے۔ تب میں نے کہا کہ تم مفصل بیان کرو کہ فی الحقیقت کیا دیکھا ہے جس کے باعث اس طور کا غبار ملال تمہاری خاطر نازک کے دامن پر پڑا ہے۔ کہنے لگی میں نے تجھے ایک دریائے عظیم موج مارنے والے کے کنارے کھڑے دیکھا ہے کہ تو کھڑا ہے اور ایک دیو نہایت زور آور و مضبوط تیرے ہلاک کرنے کا قصد کر رہا ہے۔ تو اپنی جان کے ڈر سے اس دریائے متلاطم میں گر پڑا ہے اور وہ دیو بھی تیرے پیچھے کود پڑا اور تجھے پچھاڑ کر ہلاک کرنے کے درپے ہو رہا ہے۔
میں نے مسکرا کر کہا۔ غم نہ کھا، اندیشہ نہ کر۔ تعبیر اس خواب کی بہت بہتر، نہایت نیک ہے۔ یعنی وہ دیو لعین میرا دشمن ہے اور میرا دریا میں گرنا حضرت خواجہ خضرؑ سے التجا کرنا ہے۔ بلکہ میرا پچھڑ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت خواجہ خضرؑ اس کو تیغ سیاست سے ٹکڑے کریں اور بورے سے مٹکے میں ڈال کر زمین میں گاڑ دیں۔

اس بات کے سنتے ہی مارے غضب کے چہرہ اس کا لال ہو گیا۔ نہایت قہرناکی سے اٹھ کر ایک چھری ہاتھ میں لی اور مجھ کو کہ میں اپنے بچھونے پر پاؤں پھیلائے غافل پڑا تھا کچھ یونہی سمجھی۔ ندان دو زخم پیہم میرے رخسار پر مار کر کہا کہ افسوس رات کے وقت تو میرے ہاتھ سے سلامت بچ گیا۔
جب دیکھا میں نے کہ وہ شوخی و گستاخی کی رو سے میرے مارنے کے درپے ہے۔ یہاں تک کہ ارادہ میرے ہلاک کرنے کا کر رہی ہے۔ ازبسکہ چستی و چالاکی سے اٹھا۔ وہ چھری اس کے ہاتھ سے چھین کر

ایک ہی وار سے کام اُس بد انجام کا تمام کردیا کہ وہ بدذات جہنم داخل ہوئی اور وہ باندی بھی جو اخلاص و پیار کی خواہش اپنی بی بی کی خدمت میں بہت رکھتی تھی، ہمراہ اس کے اس مکان میں کہ جہاں وہ بدکار سیہ رو گئی تھی، جا پہنچی۔

پس اے شہزادے عورتوں کی محبت کے واسطے کہ یہ کم بختیں باطن میں دیونیاں ہیں گو ظاہر انسان کی صورت سے دکھلائی دیتی ہیں۔ سچ جان کہ ذات ان کی ایک طلسم ہے، سو بھی مکر و فریب کے گنج سے ملی ہوئی ہے۔ مردوں کو نہ چاہئے کہ ننگ و نام کے کوچہ سے انھیں اپنا دیں دل ہاتھ سے دیں یا جنون کے میدان میں دوڑ کر تمام جہان کی راحتوں، زندگانی کی حلاوتوں کو پامال کریں۔ ایک مدت تک کام جوئی و کامرانی کی تمنا میں طرح طرح کے رنج والم اٹھا کر ناحق خاک نشیں ہو ویں۔ یقین کر کہ ان باتوں سے آخر اپنے تئیں بے وفائی کے درد و بے حقیقی کے آزار میں مبتلا کرنا پڑتا ہے نظم

عورتوں کے مکر دل مردوں کے کرتے ہیں دونیم
مکر ہیں ان عورتوں کے دوستو! ازبس عظیم
عورتوں کے مکر کر دیتے ہیں مردوں کو خوار
عورتوں کے مکر میں پڑتا ہے کوئی ہوشیار

چوتھی حکایت

ایک سُنار بچے حسن ورکی اور وزیر کے قبیلے کی

چوتھے مصاحب نے اپنی زبان کے لہجے کی طوطی کو سخن کا شکر شکن کر کے یوں کہا، سراندیپ کے ملک کا ایسا بادشاہ تھا جس نے اپنے تخت کے پائے کو آسمان کے بام پر رکھا اور ٹوپی کے گوشے کو فرق دانوں کے سر تک پہنچایا۔

اس کے دو وزیر تھے۔ ایک کو دستور یمین کہتے تھے دوسرے کو دستور یسار۔ قضا کار کئی جزیروں کا بادشاہ جو ہمیشہ سے اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں رہتا تھا۔ مال گزاری سرکار کی سال بہ سال دیا کرتا تھا۔ اپنی مکنت اور جاہ کی بہتات کے غرور کے باعث حشم و سپاہ کی کثرت کے سبب ایک اندیشہ ناصواب دل میں لایا۔ زمانے کی اونچ نیچ طبیعت سے بھلا کر بادشاہت کا جھنڈا خلل کے میدان میں گاڑا۔ سراندیب کے گرد و نواح کی زینت کے مال و ناموس کے برباد کرنے میں ظلم کا ہاتھ بڑھایا۔

یہ بات سن کر سراندیب کے بادشاہ نے اپنے ملک رکھنے والی مصلحت کی خواہش سے دستور یسار کے ساتھ ایک فوج قاہرہ و کار آزمودہ بیر لینے ہاری تعینات کر کے فرمایا اس لئے کہ وہ اس سرحد میں جاکر اس فتنۂ عالم سوز کی آگ آبِ شمشیر سے بجھا دے، سزا دینے ہارے ہاتھ سے ان دشمنوں گنج آہنگوں کو بطور طنبوروں کے گوشمالی دیوے۔ غرض وہ گیا مگر اس کی جورو اس کی جدائی [کے] ایام میں آٹھوں پہر اس کی مفارقت کے باعث جدائی کے رنج و الم کے سبب مصیبت و ملال کے ہم دوش ہو کر ہزاروں درد و الم سے اپنے رات دن کے اوقات بسر کرتی تھی۔

ایک دن اس کی خواصوں حقیقت کیشوں میں سے ایک نے دوستی و خیر خواہی و ہواداری پر نظر رکھ کر نہایت دل سوزی (سے) کہا کہ اس جہان کی بی بی کو باوجود اس نعمت و ثروت کی بہتات اور اس مال و منال کی کثرت اور کمال حسن خداداد کے ہونے کے غم و الم کے پنجے میں گرفتار رہنے اور اپنے چاند سے مکھڑے کو کہ وہ رشکِ آفتاب ہے، غم و الم کے گہن سے ماہ کی مانند بے نور و کم کرنے کا باعث کیا ہے۔ بی بی دنیا کچھ ایسی جگہ نہیں کہ کوئی اپنی عمر عزیز بے بنیاد کو غم و غصے میں

برباد کرے یا اپنے گلِ عیش کو حسرت د افسوس کے آفتاب کی ہوائے گرم سے کھا دے مرجھا دے۔

یہ عرض کرتی ہوں کہ اس شہر میں ایک "سنار بچہ" نہایت حسین د مہ جبین ہے کہ اس کے کندن سے چہرے کے سامنے زرِ آفتاب تانبے سے بھی کم قیمت معلوم ہوتا ہے۔ گل اُس کے دہن تنگ مٹھاس بھرے ہوئے کئی رشک سے چمن میں اپنا احوال کلی سا پھرنے سرے سے کیا چاہتا ہے۔ آوازہ اس کے حسن کا شہرۂ سخن کی طرح تمام جہان میں پھیل گیا ہے۔ جمال کا غم روزی کی مانند ہر ایک چھوٹے بڑے نصیب میں لکھا ہے۔ بیت۔۔

ہے وہ ایسا بت کہ دیکھے اُس کی خوش رفتار کو   زاہد صد سالہ پہنے خود بخود زنار کو

بالفعل آئین کار صواب یہی ہے کہ اس کو خلوت گاہ میں بلوا کر اپنی مصاحبت سے سرفراز کرے۔ ایسے غم جاں کاہ سے دل کو رہائی بخشے۔ اس بات کے سنتے ہی اس عورت نے اپنے شوق کے بازو بلبل کی مانند اس گلشن رعنائی گل کی خواہش د ہوا میں کھولے، نہایت خوش ہو کر اُس کے ہاتھوں میں جڑاؤ کڑے ڈلوا دیئے۔ اپنے چہرۂ حال سے عصمت کا پردہ اٹھایا۔ پارسائی کے حلقے سے قدم باہر رکھ کر رسوائی کے چاروں طرف دوڑ دھوپ کرنے لگی بلکہ اپنے مطلب کے اسباب کے حاصل کرنے میں اپنے محرمیت کے بچھونے کی مصاحبوں سے ملتجی ہوئی۔

جب کہ یہ کار لاحل ان فرمانبرداروں کی سہولیت کے باعث جلد رونما نہ ہو سکا اور مقصد کے برآنے کی ساعت نے طول کھینچا عشق کی آگ اس کے سینے کی انگیٹھی میں بھڑکنے لگی۔ پروانے کی طرح بے قراری آگ کے دریا میں گر پڑی۔ آخر ایک دن ناچار ہو کر کہ طاقت طاق ہو چکی تھی صبر کی ڈوری ہاتھ سے جاتی تھی۔ اس لئے کہ شیوہ ان نازنینوں پری شمائلوں کا یہی ہے کہ جرأت کر بیٹھتی ہیں، اپنی آرزو کے برلانے کو آپ ہمت کی کمر باندھی۔ لباس بیش قیمت سے آراستہ ہوئی۔ گہنے پاتے سے "بنی" ٹھنی۔ لال دیا قوت کے ہار پہنے، انمول موتیوں کے دولڑا تیلڑے گلے میں ڈالے کنگھی چوٹی کی، مسی لگا کر دھڑی جمائی۔ چاند سے مکھڑے پر زلف مشکیں کو چھوڑ دیا۔ کانوں میں موتیوں کے گچھے ڈال کر بناؤ کیا، عشوہ د ناز کو جادو کے ہنر سکھائے۔ عقدۂ پروین کو ماہ سے ملا دیا۔ بال بال موتی پرو دیا۔ فریب کا سرمہ اپنی نرگسی انکھڑیوں میں دیا۔ ناز و انداز پر نظر رکھ کر اپنے سرو سے قد کو کیسریا جوڑے سے ارغوانی کیا۔ سراپا کو بخوبی سنوارا۔ تاج جبہر سر پر رکھا۔ آنچل پلو کا دوپٹہ کاندھے پر ڈالا۔

طوقِ غبغب میں گوش تک لے گئی۔ سج سج کی‘‘ بنی نظم

چاند سے مکھڑے پر اُنے زلف کو لٹکا دیا ۔۔۔ اور ادا و ناز کو جادو زبس سکھلا دیا
جوں ستارے ماہ کے ہوتے ہیں آگے جلوہ گر ۔۔۔ اس طرح موتی کے بچھے خوشنما تھے کان پر
سرو سا قد اُس نے اپنا ارغوانی کر دیا ۔۔۔ قامتِ لالہ کو اُس نے خسروانی کر دیا
تاج عبہر جس گھڑی اُس نے رکھا بالائے سر ۔۔۔ کان کے دُر سے ہوا غبغب سراپا جلوہ گر
سرو سے قد کو سنوارا موتیوں سے اُنے گل ۔۔۔ ہے بجا گر تو کہے بیٹھی تھی وہ موتی میں تل
نرگسی آنکھیں کٹیلی اُنے کیں سرمہ لگا ۔۔۔ اور ادا و ناز کو ظلم و ستم سکھلا دیا

آخر اُس باندی خطا کیش [کی] رہبری سے گل کی مانند اپنے خاوند کی ناموس کا پیراہن اور عصمت کا گریبان تا بہ دامن چاک کر کے بازار میں نکل گئی۔ پل مارتے اُس سنار بچے عیار پیشے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ ندان ...... ایک مُٹھی پر جواہر نہایت بیش قیمت اُس کے حوالے کر کے کہنے لگی، تو جس قدر جلد بنا سکے ایک جوڑی کنگن کی جڑاؤ از بسکہ نادر و لطیف بنا۔ اتنی ہی گفتگو کے عرصے میں ایک انوٹھی ادا و دلبری سے برقعے کا کونا اپنے رُخ آفتاب عالم تاب سے سرکا لیا، نگاہ عاشقانہ سے دیکھا۔

سنار بچہ اُس کی ایسی نادر و بہتر صورت کا جمال خیال مشاہدہ کرتے ہی کہ اگر تو دیکھتا تو کہتا کہ فی الحقیقت رُخ زیبا اس کا شمشاد فریب کے ابر خورشید کی مانند جلوہ گر ہے اور سرو سہی کے اوپر ظاہر و درخشاں آتشِ حیرت میں جل کر خاکستر ہو گیا۔ ندان عقل کا اسباب جنوں کے سیل میں ڈبا دیا بلکہ اُس کی آشنائی کے دریا کی موجزنی سے آپ میں نہ رہا۔ بعد کتنی دیر کی بے خبری کے دریائے قعر سے نکل کر ہوش کے کنارے آیا۔ اس کمان ابرو کے تیرِ نگاہ کے شوق میں آنکھیں کھول کر کھڑا ہو رہا۔ بیت

ایسا جمال حسن کا دیکھا بھرا ہوا ۔۔۔ جس نے جہاں کے عشق کا جامہ قبا کیا

مارے بے قراری و اضطراری کے کہنے لگا، اے جن و انسان کے صبر و قرار کی غارت کرنے والی اب مجھ سے خود پسند کے دل و دین کی متاع تیرے ستمگر کرشمہ و ناز سے تاراج ہو چکی ہے۔ بلکہ باگ میرے اختیار کی تیری پلکوں خنجر مارنے والیوں کے ہاتھ جا چکی ہے خدا کے واسطے

تغافل کیشی دلا پروائی نہ کر۔ جلد بتلا کہ تجھ سی دلربا کا نام کیا ہے اور تیرے رہنے کا مکان جاں فزا کہاں۔ بیت ؎

بندہ ہوا ہوں تیرا بتا مجھ کو اپنا نام ۔۔۔ بے دام بے درم کے ہوا ہوں ترا غلام

چہ نامے کہ مولائے نامِ تو ام ۔۔۔ درم ناخریدہ غلام تو ام

اس صاحب ناز و کرشمہ سنج نے شیوۂ سامری اختیار کیا اور طریق جادوگری کا اٹھا کر ایک آئینہ اپنی بغل سے نکالا تھوڑی سی سیاہی اُس پر مل کے ایک لمحہ اُس بے دل کے روبرو رکھا۔ پھر دو چار پتّے انار کے پانی میں ڈال کر کہا، میرا مکان عالی شان ایک قلعہ ہے بطور قلعے کے اور وہ قلعہ چرخ بریں کی مانند بلند ہے کہ عنقا اُس کی آرزو میں اپنی پروازی بھول جاتا ہے۔ سیمرغ اُس کی آدھی دور کے پہنچنے میں اپنی طاقت کے پر ڈال دیتا ہے تو اپنے بیہودہ پن سے خواہش کے گھوڑے کو اجل کے میدان میں نہ دوڑا اور بے حاصل اپنے پاؤں کو گھڑیال کے منہ میں مت ڈال عبث عبث اپنے تئیں جنون کے جنگل کا سرگرداں مت کر۔ خواہ نخواہ مجنوں کی مانند رسوائی کے صحرا کا دیوانہ نہ بنا کیونکہ ذرے کا ہاتھ خورشید کے شکاربند تک نہیں پہنچتا۔ مچھر بام فلک تک نہیں جا سکتا۔

یہ کہہ کر اپنے گھر کی راہ لی اور وہ سنار بچہ اُس ماہ فریب جادو فطرت کے عشق کا تیر دل و جگر پرونے والا سوفار تک اپنے دلِ نازک پر گاڑ چکا تھا، بے صبری کی خاک پر گر پڑا۔ نہایت بے قراری سے اپنی زرگری کا اسباب پھینک پھانک کر گھر چلا گیا۔ ملامت کے رشتے سے دیوانگی کی دوکان ازبسکہ چالا کی وچستی سے آراستہ کی۔

اس کی جورو نے جو اس کے منہ کی طرف خیال کیا، دیکھا کہ اس کے ریاض کا گلزار جو خورشید کی طرح سرخ و سفید ہو رہا تھا گل کی مانند شگفتہ، سونے کے ورق کی مثال زرد ہو رہا ہے۔ لگام اختیار کی عقل کفایت اندیش کے ہاتھ سے اچھٹ گئی ہے۔ یہ بات جونہی اس نے اپنی عقل کمال و ادراک کامل سے دریافت کی کہ کسی عشوہ گر کے عشق کا تیر اس نوجوان کے دل پر لگا یا کج ابرو کی نگاہ نے اس راست باز کو حیرانی و سرگردانی میں ڈالا۔

سچ ہے عشق ایسا ہی بے بہا گوہر ہے کہ جس کو آفتاب کی روشنی کی مانند پوشیدگی کے پردے میں چھپانا امکان کے حلقے سے باہر ہے۔ بے شک جس کسی کے دل پر اُس کے جمال کا پرتو پڑتا ہے

اس کے دماغ کے آئینے کو عقل کے خیال سے خالی کر دیتا ہے۔ محبت اس کی طلب خواہ ہے۔ بے کسی و حیرانی کی معرفت اس کی پونجی ہے، بے چارگی و سرگردانی کی۔ اس کی کمند کا گرفتار کبھی کبھی آپ میں نہیں رہتا بلکہ کدھی کدھی جنگلی جانوروں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔ اس کے خوانِ کرم کی آتش کھانے والے سوائے لختِ دل و خونِ جگر کے کچھ نہیں کھاتے پیتے اور اس کی شرابی مجلس کے پیالے دار و پینے ہارے سوائے نمکین آنسو کے اپنی شراب کے پیالے میں کچھ نہیں دیکھتے، گلشن اس کا آنکھوں کے ساتوں پردوں کے چشمے سے سیراب ہے۔ ہوا اس کی داغوں کے پھولوں کو چمن چمن مزرعۂ دل میں شگفتہ کیا کرتی ہے۔ مثنوی

دل کی خاکستر کو ہے آنکھوں میں ہر دم چھاننا
سینۂ سوزاں سے دیتا ہے جوں پانی بہا

ہے جنوں کے سلسلے سے اس کے سب تن کا نگھار
ہر گھڑی خونِ جگر سے کھینچے ہے نقش و نگار

کعبے کو توڑے ہے، دے ہے پل میں بت خانہ گرا
رہزنی کی رسم سے یہ دے ہے گھر کے گھر بٹھا

غرض وہ عورت دانائی سے اس کے تئیں ظاہرا متفکر و پریشاں دیکھ کر گھبرائی۔ ندان اس معاملے کی حقیقت کے دریافت کرنے میں متوجہ ہوئی یہاں تک کہ اچھی اچھی دل فریب باتوں، خاصی خاصی روح افزا حکایتوں سے اس کو اس ڈھب پر لائی کہ اس نے اپنے راز کے کھیسے کی مہر توڑی۔ دل کی شراب گویائی کے پیالے میں بھری۔ آخر اس ماہ فریب ستمگر سامری کیش کی محبت کی حقیقت ظاہر کی۔ کیفیت اس کی گفتگو کی جو اشاروں نغز آمیزوں سے ہوئی تھی بالکل کہہ سنائی۔

اس عورت عقلمند نے اپنے فہم رسا کے باعث اس مشکل معاملے کو بہ آسانی دریافت کر کے اس عاشق بے دقوف سے پوچھا، تو کس صورت سے اپنے مطلب کے کوچے میں پہنچا، یعنی اس بت دل فریب نے جو وہ ادائیں بطور رمز و کنائے کے تھیں ان سے کیا بات نکلتی تھی۔ سنار بچے نے کہا میرا ہاتھ اس کے مقصد کے شکار بند تک مطلق نہیں پہنچتا۔

عورت بولی۔ اے بے دقوفی کی گل کے سراسیمہ! آئینہ خبر دیتا ہے روز روشن پر اور شب تار پر ڈال سیاہی اس کی، کہ وہ عاشقوں کے راز کی چھپانے والی ہے۔ انار کے پتوں کو پانی میں ڈالنے کا یہ سبب ہے کہ اس پری پیکر کی حویلی کے صحن میں ایک نہر نہایت لطف سے جاری ہے

اس کے کنارے پر ایک درخت انار کا ہے۔ پس چاہئے کہ تو دن میں اپنی معشوقہ دریافت کر رکھے۔ رات کے وقت کہ وہ مشتاقوں کی رونق بخشنے والی ہے، اپنی محبوبہ کی خدمت میں اپنے تئیں پہنچا وے مطالبِ دلی (زبان) پر لاوے۔

سنار بچہ اپنی جورو کی رہبری سے تلاش کرنے میں متوجہ ہوا۔ غرض نہایت دوڑ دھوپ کر کے اس مقصود میں جا پہنچا اور اس مکان کے پہچاننے کے بعد دریافت کیا کہ یہ حویلی دستور لیسار کی ہے جب یہ بات اُس پر ظاہر ہوئی وونہی اپنے اپنے جی میں سوچنے لگا کہ مجھ سے غریب دبلے چارے گم نام وبپٹ مارے کو ایسے مقام برتر سے اپنے مقصد کے برآنے امیدوار ہونا کسی شکل نہیں پھبتا بلکہ ہو ہی نہیں سکتا یقین ہے کہ اس عیار نے دل و دین غارت کر کے مجھ بادیۂ شوق کے تشنہ لب کو امید کی راہ سے مایوسی کے صحرا میں ڈالا۔ گمراہی کا دھوکا دے کر سرگرداں کیا۔

آخرش اس مکان سے ناامید ہو کر مراجعت کی۔ اپنے گھر آیا۔ اس احوال کی کیفیت سے بھی جورو کو آگاہ کیا۔ وہ عورت عقل و دانائی میں مردوں سے کہیں بہتر تھی، کہنے لگی۔ اے عاشق بے وقوف یہ کون بڑی بات ہے جو نہ ہوسکے گی۔ ہوسکتا ہے کہ تیرے مقصد کا پیالہ اس مکانِ عالی شان میں کامرانی کی شراب سے مالامال ہووے۔ تو اپنی مراد کو پہنچے۔ بیچ جان یار کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کچھ تعویذ جادو درکار نہیں کیونکہ جذبۂ دل چھتے آسمان سے حضرت جبرئیل کو زمین پر لے آتا ہے۔ بیت ؎

جادو اور ٹونا نہیں درکار ہے وصل یار میں
چرخ سے دل کی کشش جبرئیل کو لے ہے اُتار

کیونکہ عشق کا رتبہ اس سبب کے بڑا ہے کہ جس طرح عقل پہچاننے والوں کی تعلق و تعینات کی پابند ہو کر تحقیقات کے کوچے میں دوڑ دھوپ کرتی ہے، برابری وہم جنسی کے دریا میں شناوری دریافت نہیں کر سکتی۔ اس لئے اور حضرت شہنشاہِ عشق کی بارگاہ میں تاج شاہی و کلاہ گدائی ایک ہی بہا و مول لیتے ہیں۔ خسرو کے لباس کو فرہاد کے پلاس پر تفضیل نہیں دیتے مصرع

وہاں نسب کا دخل کیا ہے یہاں حسب کا ذکر کیا

صلاح نیک و بہتر یہی ہے کہ آج کی رات تو پھر اپنی معشوقہ کی گلی میں خاک نشیں ہو کر امیدوار رہے کہ عالمِ غیب سے تیرے مقصد کا سامان پہنچے۔ ناامیدی کی رات روزِ روشن سے مبدّل ہووے

سوائے یاس و ناامیدی کے اور کسی چیز سے حاصل نہ تھی۔ اس اپنے بخت خفتہ کے سبب سوائے بے قراری و انتظاری کے کچھ دولت مجھے نہ ملی۔

یہ سن کر اُس عورت نے دروازے دلداری و دلجوئی کے اس کے سامنے کھولے اور کہا درد و الم میں آلودہ نہ ہو۔ غم و غصہ مت کھا۔ کپڑے رات کے گلے سے اُتار، دوسرے پہن تاکہ دور جاتی رہے۔ دل کو صفائی حاصل ہو وے۔ جونہی اس نے اپنی قبا کے بند کھولے، کئی اخروٹ گریبان سے نکل کر زمین پر گر پڑے کہ اس عورت نے بے تحاشہ ایک دوہتڑ اس احمق کے حماقت بھرے منہ پر مار کر کہا۔ اے بے صبر یقین ہے کہ رات کے وقت تو اپنی معشوقہ کے پہنچا، پر بے خبری کے باعث اپنے بخت خفتہ کی مانند سو کر اُس نعمت سے غافل ہو گیا۔ کیونکہ وہ دولت بیدار تیری بالیں تک آئی تھی جب تجھے خواب غفلت میں دیکھا اُس نے، دو چار اخروٹ تیرے گریبان میں ڈال کر چلی گئی، اس لئے کہ تو ابھی عالمِ عشق میں لڑکا ہے جاں بازی نہ کرے بلکہ ان اخروٹوں سے دل بہلا دے خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ آج کی رات پھر اپنی معشوقہ کی گلی میں جا کر ہوشیاری سے بیٹھ تاکہ خواب کے ڈاکو تجھ پر رہزنی نہ کریں۔ ایسی دولت لوٹ نہ لے جاویں۔

جب کہ عروس شب نے مشکیں چادر اوڑھ کر مشتاقوں کو وصال کی خوش خبری پہنچائی اور اپنے معنبریں بالوں کی بُو سے عاشقوں کے دماغ حال کو معطر کیا۔ زرگر بچہ سر سے پاؤں تک امید سے بھرا مُو بہ مُو ڈر و دہشت کا مبتلا یار کے کوچے میں جا پہنچا۔ دل کو ہزاروں آرزوؤں سے مالا مال کئے لاکھوں انتظاروں سے آنکھیں ڈبڈبائے پھر اپنے اسی گوشے میں جا بیٹھا کہ وہ مراد کی ہوا لہراتی جھونکے کھاتی ہوئی آ پہنچی۔ دولت و اقبال کے دروازے اس کے سامنے کھل گئے یعنی وہ پری شمائل، حور فریب ظاہر میں مست طاؤس طنازی مانند ہزاروں ناز و کرشمے کرتی باطن میں شمع کی طرح با سوز و گداز سر سے پاؤں تک آتش عشق میں بھری ہوئی دروازہ کھول کر باہر کی طرف دوڑی۔

جب پہر پہر کے چوکی دینے والوں گھڑی گھڑی کے نگہبانی کرنے ہاروں کو نیند کی شراب سے مست و سرشار پایا فرصت کا وقت فتوحات و مغتنمات غیبی جان کر سنار بچہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ غیروں کی زحمت و رسوائی سے بچ کر محل میں لے گئی۔ نہایت خوشی و کمال شادمانی کے سبب بے حد شوق کے نشے کے باعث اصلا دروازوں کو بند کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوئی بلکہ کہنے لگی کہ جو جو خواصوں میں سے

کیونکہ بہت سے قفل ایسے ہیں کہ وہ کنجی نہیں رکھتے، پر کھولنے والا اُن کا غیب سے پیدا ہوتا ہے نظم

کنجیاں جن کی نہیں، تالے بہت ایسے ہیں یار

کھولنے والا پر اُن کا غیب سے آجائے ہے

جب عروس مہر جہاں کی روشن کرنے والی ظلمت شب سے اُبٹنے کے رنگ کی سی چادر زردی بمائل اس لاجوردی آسمان کے پاسبانوں کی شرم سے اوڑھ کر مغرب کی عماری میں جا بیٹھی۔ سنار بچہ اپنی بی بی کی مصلحت سے اس معشوقہ کے کوچے میں جاکر ایک کونے میں لگ رہا۔ اپنی آنکھیں نرگس کی مانند اس کے انتظار میں چاروں طرف دوڑانے لگا اور اس ماہ جمال کے طلوع ہونے کا منتظر ہوا!

قضا کار فکر کے غلبے کے خواب نے کہ وہ بدبختی کی پونجی ہے، اس دل فگار پر مسلط ہوکر بیخودی و بے خبری کو سُوا دیا گیا۔ جب کہ آدھی رات کا عرصہ گزرا، وہ شراب ناز کی مست و سرشار علامۂ عصرو ہوشیار یعنی دستوریسار کی جورو کہ اُس سنار بچے کا تیرِ عشق اپنے دل پر کھا چکی تھی، بے اختیار اپنی محل سرا سے باہر نکل کر خراماں خراماں اُس زرگر پسر کے پاس گئی۔ دیکھا اُس نے وہ عاشق نادان مطلب کے آئین سے ناآشنا خوابِ غفلت میں پاؤں پسارے سو رہا ہے۔ ناچار اپنی ایک خواص کو اشارہ کیا کہ کئی اخروٹ اس عالم بے خبری کے لاثانی کی جیب و گریباں میں ڈال دے اور آپ وہاں سے پھر کر اپنے دولت خانے میں چلی گئی۔

سچ ہے کہ بہت سی دولت گزرگاہ تک آتی ہے۔ اگر مرد آگاہ ہوشیار نہ ہو تو پھر چلی جاتی ہے۔

بیت ؎ وہ دولتیں بہت ہیں جو آتی ہیں راہ پر

انساں خبر نہ لیوے تو گم ہو دیں سر بسر

بسا دولت کہ آید بر گزرگاہ   چو مرد آگاہ نباشد گم کند راہ

جب خورشید عالم تاب نے پورب کے غارِ تاریک سے نکل کر آسمان کے میدان میں اپنا نورانی جھنڈا گاڑا۔ سنار بچہ بدبختی کے خواب سے بیدار ہو کر غمگین دل و ملول خاطر اپنے گھر آیا۔ عورت نے اپنی عقل رسا سے دریافت کیا کہ اس نامراد کے ہاتھ نے اپنی معشوقہ کے باغ سے گل وصال نہیں چنے اور نہ اُس کے دماغ میں امید کی بو پہنچی۔ بہر تقدیر اس کے سر دامن کی خاک و دھول پاک کر کے احوال پوچھا کہ آج کی رات پردۂ غیب سے کیا ظلم ظاہر ہوا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگا کہ میری رات

محرم راز و ہمدم و دمساز ہوں عیش و عشرت کا آئین نئے سر سے جاری کر کے خوشی و خرمی کے قاعدے کو گانے بجانے سے جلوہ بخشیں۔

یہ سنتے ہی ساقی سیمیں ساعد نے شراب گل رنگ کو ساغر سیمیں گوں میں بھرا۔ جام کے دور کو فلک کے دَور کی طرح یکساں گردش میں رکھا۔ آثارِ خوشی و نشان شادمانی ان دونوں مشتاقوں کے چہرے پر ظاہر ہوئے۔ کبھی یہ اُس کے حسن کے باغ سے نظارے کے گل تازہ اپنی آنکھوں کے ہاتھوں سے چنتا۔ کبھی وہ اس کے لب شیریں سے زندگانی کا ٹھنڈا پانی پیتی۔ یہاں تک کہ ان دونوں مشتاقوں کے مغز تک کام جوئی کے جنون نے اثر کیا۔ بے قراری و اضطرابی کا اسباب بے دلوں کے دلوں میں جمع ہوا۔ قرار اُن کے دلوں سے اڑ گیا۔ نشاط کامرانی نے غلبہ کیا۔ خواہش نے ہوس کی لگام پکڑی۔ صبر و شکیب نے تیر و طایر کی طرح سینے سے پروازی کی۔ غرض دہن سے دہن ملا دیا۔ لب پر (لب) رکھا وصلی وار ل گئے دنیا کے اندیشوں سے بے خطر ہوئے۔ نظم

دو عاشقوں کے دل سے گیا صبر اور قرار   کارِ خوشی نے گھیر لیا مغز ایک بار
دل کی خوشی نے باگ ہوس تھام لی جو نہی   سینے سے مثل تیر گیا صبر بس وو نہی
لب ملا کے لب دو ہاں سے لگا دہاں   باہیں گلے میں ڈال کے رانیں ملا دیاں
دو عاشق را قرار از دل بر افتاد   نشاطِ کامرانی در سر افتاد
ہوائے دل ہوس را شد عناں گیر   شکیب از سینہ بیروں رفت چوں تیر
دہانش بر دہانش، نوشش بر نوشش   میانش بر میاں و دوشش بر دوشش

اسی حالت میں کہ ان دونوں مشتاقوں کے درمیان سوائے عیش و عشرت کے بات کی بھی سمائی نہ تھی۔ یہاں تک کہ پیالوں کے لب اُن کی بے ہوشی دیکھ کر غنچوں کے لبوں کی طرح ہوا سے تبسم کر کے کھلے جاتے تھے۔ زمانے نے امید کے بچھونے کو شادمانی و کامرانی کی طرز پر بچھایا تھا۔ دورِ فلک نے مراد کی شراب کو تمنا کے پیالے میں بھرا۔ بیت

زمانہ ہو گیا بس عشرت آگیں   فلک نے کھڑکیاں دولت کی کھولیں
زمانہ برگِ عشرت ساز کردہ   فلک دَرہائے دولت باز کردہ

ناگاہ شہر کا کوتوال کہ رات کا بادشاہ تھا۔ تمام شہر میں شب گشت کرتا۔ سوتوں کو جگاتا ہوا

دستور یسار کے محل کی طرف آنکلا۔ اس لئے کہ اس کی حویلی کے چوکیداروں کو جو سو گئے ہوں اٹھائے کیا دیکھتا ہے کہ نگہبان سب کے سب غافل پڑے سو رہے ہیں اور دروازے عاشقوں کی آنکھوں کی مانند کھلے ہیں، نہایت متعجب ہوا۔ حیرانی نے دل میں گھر کیا۔ گھڑی آدھ گھڑی اندیشہ کیا کہ اس ایسے وقت میں کہ رات نے تمام جہان کے چہرے پر پردۂ ظلمانی ڈالا ہے۔ پس دستور یسار کے محل کے دروازوں کے کھلے رہنے کا سبب کیا ہے اور ان چوکیداروں کے اس طور سے غافل سو رہنے کا باعث کیا ہے۔

بہر تقدیر اس مقدمے کے ظاہر کرنے اور اس کام کی گرہ کے کھولنے کو فرض جان کر قدم آگے بڑھایا۔ اتفاقاً ساتوں دروازوں کو سخی جواں مرد کے ہاتھوں کی طرح کشادہ پایا۔ معلوم کیا کہ البتہ اس گھر میں فتنہ جاگتا ہے۔ ناچار دلیرانہ اس محل کے اندر چلا گیا۔ دور سے کھڑا ہو کر اُن کا تماشا دیکھنے لگا۔ کیا دیکھتا ہے کہ زرگر بچہ اپنے لیٹرے ہاتھ سے دستور یسار کی ننگ و ناموس کا مال تاراج کر رہا ہے بلکہ اپنی تہی دستی کے باعث ایسے گنج بے شمار پر تصرف کا ہاتھ ڈالنا غنیمت جانتا ہے۔ اس حال کو مشاہدہ کرتے ہی غضب کی آگ اس کے تن بدن میں بھڑک اٹھی۔ بلا تحاشہ اندر چلا گیا۔ نہایت غضب ناک ہو کر پکارا کہ اے بے خبر، خدا فراموش یہ کیسی آتش بلا ہے۔ جو تم نے اپنی زندگانی کے خرمن میں ڈالی۔ خدا کی دہشت بھی دل سے بھلا دی۔ سنار بچہ اس بات کے سنتے ہی اپنی جان کے ڈر سے سرد ہو گیا گویا جان بدن سے نکل گئی۔ دستور یسار کی جورو کے چہرے کی بھی رنگت جاتی رہی۔ عیش و عشرت کا شیشہ غم و الم کے پتھر سے توڑا۔ خوشی و کامرانی کی شراب کو دماغ کے پیالے سے نکال کر ناامیدی کی خاک پر گرا دیا۔

ندان اس عورت نے ایک لونڈی کو اشارے سے کہا۔ اپنی بی بی کا ایما سمجھتے ہی بہت سا زر و جواہر کوتوال کے سامنے کشتیوں میں لگوا کر لا رکھا تب اُس عورت نے نہایت منت سماجت سے التماس کیا۔ اس وقت بہتر یہی ہے جو کہ دردمندوں کے طریقے سے پہلوتہی کر کے عیب پوشی و حذر خواہی کے شیوے کو محلِ ظہور میں لاوے، ہو سکتا ہے۔

کوتوال نے مطلق زر و جواہر کی طرف التفات کی نظر سے نہ دیکھا نہ اس عورت کی عرض کو قبولیت کے درجے تک پہنچایا بلکہ نہایت خفگی سے اُٹھ کر کہنے لگا کہ ایک مدت سے اس لڑکے عقل فریب کے حسن نے

مجھ کو مجنوں وار کر رکھا تھا اور جس قدر کہ میں منت وزاری اس کے سامنے کرتا تھا کسی طور سے اس کے پتھر سے دل میں جونک نہ لگتی تھی بلکہ کبھی اس نے چشم رحم سے دیکھ کر شاد نہ کیا۔ اب جو گردشِ فلکی نے اس طور سے اس کو میرے ہاتھ میں ڈالا ہے۔ جب تک میں اپنا بدلا ایسے نہ لوں گا خدا کی قسم چین نہ کروں گا آخر ان دونوں بدبختوں کو ایسے حال خراب سے کہ وہ احوال خدا دوستوں کو نہ دکھلا دے بلکہ کسی دشمن کو روزی نہ کرے گھسیٹتا ہوا گھر سے باہر نکال لایا ازبس کہ ذلت و خواری سے کہ کوئی مصیبت اس کے اوپر فوقیت نہیں رکھتی محبوس خانے میں لے جا کر قید کیا۔

عورت نے جب دیکھا کہ دروازے امید کے ہر ایک سمت سے بند و مسدود ہو گئے کام میرے وجود کی بنیاد کے نیست و نابود ہونے کے درپے ہوئے نقطے کی مانند بے قراری و انتظاری کے حلقے میں میں پڑ گئی اور جس قدر اپنے اندیشے کے گھوڑے کو چارہ جوئی کے میدان میں دوڑاتی تھی۔ ناامیدی کے صحرا کی حد نہ پاتی تھی لیکن تھوڑا بہت احوال اس سنارنی کا اس کے اسی شوہر بے وقوف و خرد دشمن کی زبانی سنا تھا بلکہ قدرے قلیل اس کی کیفیت عقل و دانائی کی انتہا سے حاصل کر چکی تھی، ناچار ایک باندی کو کہ وہ کچھ کچھ عقل و دانائی کی چاشنی سے سودا رکھتی تھی اشارے سے کہا اُس نے وونہی نہایت جلدی و چالاکی سے اپنے تئیں اس سنار بچے کے دروازے پر پہنچا کے ایک طشت اُس کے گھر میں پھینک دیا۔ سنارنی نے اسی وقت اپنی عقل رسا سے دریافت کیا کہ شاید بھید ان دونوں مشتاقوں کا کھل گیا کہ طشت از بام افتادہ مقرر زمانے نے اپنی تنگ چشمی سے ان دونوں بے دلوں کے سامنے ایک مشکل عقدہ ڈالا بہر صورت بسرعت تمام اٹھ کر دروازہ کھول دیا دیکھا اس نے کہ ایک عورت برقعہ اوڑھے دروازے کی چوکھٹ سے لگی اپنے طشت کی آواز کے جواب کی منتظر کھڑی ہے پوچھا بی بی تو کون ہے کہ اس وقت مرغ سے لے کر ماہی تک اپنے اپنے آرام میں ہیں اور اس بے قراری و انتظاری سے کس کام کے لئے یہاں آئی؟

باندی نے ان دونوں گرفتاروں کے احوال کی حیرانی سے آگہی بخشی صورت حال ان کی کہ ہو بہو بیان کی سنارنی جوں ہی اس بات سے واقف ہوئی وونہی بہت سا ترحلوہ مشک و گلاب کا بنا ہوا مہیا کر کے اسی طشت میں دھر لیا۔ انگنت روپے اور بے شمار اشرفیاں اپنی رومالی کے کونے میں باندھ کر سر سے پاؤں تک اوڑھ لی پھر اس لونڈی کو ساتھ لے کر جلدی جلدی قید خانے کی طرف

کھود کر اس لحد سے مجھ کو نکال لے اور اس جگہ کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں لے جاوے تاکہ باقی عمر اپنے یار کی ہم صحبتی کی دولت کے باعث اپنی خاطر خواہ خوشی وخرمی سے بسر کروں۔ اس کی خلوت حضوری سے بے مزاحمتِ غیر کے مقصد کے گل وپھول راحت کے بچھونے پر بچھاؤں۔ تمنا کے خم خانے سے امید کی شراب جی بھر بھر کر پیوں۔ چاہیے اس معاملے سے کہ یہ مقدمہ فتح مندی وفیروزی بخشنے والا ابد وازل کا ہے ابھی اس بات سے اس عاشقِ زار کو آگہی بخشے کہ دولتِ عظمیٰ غیر متراقب سے غافل نہ ہو کر وقت کا منتظر رہے۔

دائی کو یہ بات نہایت دل پسند معلوم ہوئی اس کی فطرت ورزانتِ عقل وفہم کامل وذہن رسا پر بیحد تحسین وآفریں کرنے لگی۔ غرض اُس کے آشنا کو اس احوال سے آگاہی بخشی۔ وہ کم بخت بھی اس سخن کو ایک کارنیک وخوب سوچا۔ آخر اُس دولت جسمانی کو بزرگ وبرتر سمجھ کر مارے خوشی کے اپنی ٹوپی آسمانی پر پھینکنے لگا۔ اور وہ عورت فساد اٹھانے والی مکر ہائی بعد دو تین دن کے جو بستر ناتوانی پر تڑپتی تھی اور اپنے مکر سے بیماری کے بچھونے پر لوٹ رہی تھی۔ سیہ بختی کے باعث اپنے تئیں چراغ صبح کی مانند دکھلا کر اُلٹا دم بھرنے لگی۔ دمِ واپسیں کی منتظر ہوئی۔ بموجب اپنے قول واقرار کے دائی کو وصیت کرنے لگی اور اپنی قبر کے لیے چوڑے گہرے کرنے کے باب میں بہت سی تقیّد کی باتیں بے مبالغہ کرنے لگی جب کہ حبس دم اس قدر بہم پہنچایا کہ اس سے اور مردے سے فرق کرنے میں عاقل، دانش مندوں کی طاقت طاق ہوگئی۔ ہر ایک پکار اٹھا کہ مرگئی مرگئی۔

آخر کار جب اس بد بخت وسیہ اختر کو اس کی وصی اپنی دائی گاڑ داب کر اپنے گھر کی طرف پھری اور پچھم کی دلہن پورب کی لحد میں جا سمائی وہ حریف جو پھاوڑہ اور بیلچہ لئے ہوئے ایک قبر کے کونے میں چھپا اپنی گھات میں لگا بیٹھا تھا، وونہی چلا آیا بلکہ منکر نکیر کو بھی سوال وجواب کرنے کی فرصت نہ دی۔ اس بد ذات وسیہ اختر کو قبر سے نکال لیا۔ گور کا منہ پھر اسی طرح بند کر دیا۔ راتوں رات اس جگہ سے دوسرے شہر میں جا پہنچا۔

حاصل کلام اس جگہ دونوں اپنی تمنا کی حد کو پہنچے۔ شہوتِ نفسانی کی لذت ودولت سے آسودہ مالا مال ہوئے۔ یہاں اس کٹنی مکر ہائی نے بہت سے چیلے اٹھا کر اپنے مکر وفریب سے غم ومصیبت کا بازار گرم کیا۔ آہ وزاری سینہ زنی کا طریقہ پکڑا۔ نہایت شور وغل سے داڑھیں مار مار کر رونے میں مشغول ہوئی۔ ماتم کی صف بچھائی اور وہ مرد بے وقوف جو عورتوں کے فن وفریب سے غافل اپنا دل اس شمع رو پر پروانہ وار رکھتا تھا۔ اس حادثہ جانکاہ کے باعث گھاس کی مانند کاہیدہ وناتواں ہوگیا تمام منہ میں خاک مل کر سیاہ کپڑے

پہن بیٹھا بلکہ قیامت تک اس غم والم میں رہنے کا نقشہ باندھا یہاں تک کہ اپنے خویش واقربا یار و آشنا سے تنہائی قبول کرکے قبرستان میں رہنا اختیار کیا. جیتے جی اس ناپاک کی گور کا مجاور بنا. رات دن اپنی چشم اشک آتشیں بہاتا تاب دیدہ سے اس کی گور کو دھویا کرتا. غذا اُس کی اُس معشوقہ کا غم تھا. مونس و غم خوار اس کا اسی دلدار کا مزار لباس خاکستری میں مجنوں کی مانند سر و پا برہنہ رہتا. مقبروں ہی کی سیر کیا کرتا. سوائے اس بدکار عورت کی گور کے کسی سے انس نہ رکھتا. اپنوں بیگانوں کے جی اس کی پریشانی پر جلا کرتے. اس کی آوارگی پر دوست دشمن بھی رحم کھاتے۔

قضا کار بعد ایک برس کے ایک چوڑی والی اس شہر کی رہنے ہاری کسی تقریب سے اپنے وطن مالوف، سے برخواستہ خاطر ہو کر اسی بستی میں کہ جہاں اس بدانجام نے اپنا رہنا اختیار کیا تھا جا نکلی. اپنی معیشت کے اجرا کرنے اور قوت کے حاصل ہونے کے لئے ایک ستھری سی دوکان آراستہ کرکے اپنی کاریگری دکھلانے و پیشہ کرنے میں مشغول ہوئی

ایک دن بطور چوڑی والیوں کے شہر میں پھرتی پھراتی اچانک اس بدکار کے دروازے پر جا پہنچی پکاری کہ بی بی منہارن حاضر ہے۔ ووں ہی ایک لونڈی اندر سے نکل آئی. اس کو اپنی بی بی کے پاس لے گئی چوڑی والی اس کو دیکھتے ہی پہچان گئی اور نہایت حیرت زدہ ہو کر گھڑی آدھ گھڑی سامنے کھڑی ہوئی منہ تکتی رہی بلکہ دوبارہ اس کو سر سے پاؤں تک بھانپنے لگی. جب کہ خلش اس کے دل سے اُٹھ گئی پکاری، اے بی بی نیک بخت تو جو اس چار دن کی دنیا بے بنیاد سے اپنی ہستی کا لباس اٹھا کر جہان جاودانی کو لے گئی تھی، اور لالہ کے مانند حسرت کا داغ اپنے خاوند کے دل پر دھر گئی تھی اور اس کو مجنوں کی طرح دشت جنوں کا آوارہ کیا تھا پھر یہ کیوں کر ہوا کہ تو نے نیستی کے کہنے سے ساتھ اس جلدی کے دوبارہ عالم وجود ظاہر کیا خدا کے واسطے اپنی اس حقیقت عجیب و غریب سے جلد آگاہی بخش نہیں تو نزدیک ہے کہ اس اندیشے کی کثرت سے سودائے جنون میرے دماغ دل تک پہنچے کہ میں دیوانی ہو جاؤں. وونہی اس مکر ہائی بدبخت نے اپنے تئیں تجاہل میں ڈال کر مطلق اس معاملے سے آگاہ نہ کیا. بلکہ اس منہاری کو دیوانیوں، سودائیوں سے تشبیہ دے کر گھر کے باہر کر دیا.

جب کہ چوڑی والی قرب وجوار اور ہمسائیگیت کا وسیلہ اس کے خاوند سے رکھتی تھی. جلدی جلدی اپنے تئیں اس کے پاس لے گئی. پہلے نہایت دلداری و دلجوئی سے اس کا احوال پوچھا پھر اس کی جورو کی خوبصورتی و وفاداری، پارسائی و مہربانی کا تذکرہ کیا. جوان نے اس بات کے سنتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں

کا دریا بہا دیا۔ بی بی کو یاد کر کے بے اختیار داڑھیں مار مار کر رو یا بلکہ اس کی یاد میں پھرنئے سر سے ایک جنون تازہ پیدا کیا۔

تب چوڑی والی نے کہا اے مرد بے وقوف تیری جورو جیتی جاگتی صحیح و سلامت یار کی گود میں بیٹھی ہوئی اپنے میٹھے میٹھے ہونٹوں سے زندگانی کا شربت اس کے حلق میں چواتی ہے اور اپنے جسم نازک و رشک چمن سے اس کی تمنا کے دامن و گودی کو نسرین کے گلوں پھولوں کا کھلیان کر رہی ہے۔ پس تو کس واسطے سانپ کی مانند اس کی خاک کے ڈھیر دچبوترے پر پیچ و تاب کھا کھا کر غم و غصے کی آگ میں جلتا ہے۔ کس لئے ربع مسکون کی اس تنہائی کو، اپنے اوپر گوارا کرتا ہے۔ پس اس گور مذلت کی اٹھانے ہاری کی خاک سے اپنے دامن کو جھاڑ کر پاک کر۔ اگر کچھ کر سکتا ہے تو اس پاک مطلق کی محبت کے رستے میں اپنے تئیں خاک کر۔

جوان اس بات کو سن کر نہایت خفا ہوا اور کہنے لگا اے عورت خرد دشمن یہ کیسی گفتگو جنوں آمیز ہے جو میرے ساتھ کرتی ہے۔ اگر کچھ تیرے دل میں جہل سمائی ہے تو بارے یہ کہہ۔ مجھ سے یہ نسبت مجھ اپسے طبیعت و طینت والے کا کہ تیغ بلا سے جگر ٹکڑے ہے۔ غم و الم کی آگ سے دل بھن گیا ہے۔ یہ باتیں میرے واسطے بہتر و اچھی نہیں۔ بی بی کہ بہشت نصیب ہو جیو اس کے۔ اب تک تو اس کا ہر ایک اعضا گل کر تودۂ خاک ہو گیا ہوگا۔ اس کی ہڈی ہڈی کو اس گور کی خاک نے کھا لیا ہوگا پھر کیوں کر اپنے دوست کے ساتھ مباشرت کرتی ہے کس صورت سے عیش و عشرت کی شراب اس کے ساتھ بیٹھ کر پیتی ہے۔ مگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے آسمان سے نیچے اُتر کر اس کی سڑی ہوئی ہڈیوں کو اٹھا کر کے دم کیا ہو۔

وونہی چوڑی والی نے کہا، اے مردِ مت کھوئے "تو تو عورتوں کے مکر اور رنڈیوں کے فن سے واقف نہیں پھر مجھے کیوں جھٹلاتا ہے۔ اگر چاہتا ہے کہ یہ راز تجھ پر کھل جاوے یا یہ بھید تجھ پر آشکارا ہووے تو ابھی اٹھ کھڑا ہو اور میرے قدم بہ قدم پیچھے پیچھے چل۔ بے غیر کے روکے ٹوکے اپنے جاناں کا جمال دیکھ کر آنکھیں روشن کر۔

یہ بات سن کر اس جوان نے حیرت کے دریا میں ڈوب کر اس چوڑی والی کی رہبری سے اپنے تئیں اس شہر میں کہ جہاں اس عورت ناپاک یعنی اس کی جورو نے اپنا رہنا اختیار کیا تھا، پہنچایا، دَرانا گھر کے اندر چلا گیا۔ عورت کو دیکھا کہ نہایت زیب و زینت و بے حد کر و فر کے ساتھ گہنے پاتے سے لدی بھاری جوڑے سے "بنی" بنی مسندِ کامرانی پر پالتھی مارے بیٹھی ہے۔

بہ مجرّد اس مشاہدۂ ندرت طراز و حیرت اندوز کے جوان کا ساغرِ دماغ ہوش کی دارو سے خالی ہو گیا

اور آپ بطور صورتِ تصویر اس کے سامنے بے حس وحرکت بہ دیر کھڑا رہا۔ پر اتنا نہ سمجھا کہ یہ احوال عجیب و غریب میں خواب میں دیکھتا ہوں یا بیداری میں مشاہدہ کرتا ہوں۔ غرض بہر تقدیر اس وفا سرشت و پاک دامن سے پوچھا۔ جانی تو نے اس جہانِ فانی بے بنیاد سے ہستی کا جوڑا تہ کرکے اس خاک کے نیچے استراحت کی تھی۔ پھر کیونکر اس تودۂ خاک سے صحیح و سلامت نکلی اور کس طرح حیات کے مے خانے سے زندگانی کی پیالی دوبارہ پی۔

وہ عورت مکرہائی مطلق اپنے خاوند کے جواب دینے کی طرف متوجہ نہ ہوئی اور مظلوموں کی طرح آہ وزاری کرکے پکاری اے مسلمانوں۔ ہمسائے کے رہنے والو! خدا کے واسطے میری داد کو جلد پہنچو۔ دیکھو ایک مرد دیوانہ میرے گھر میں چلا آیا ہے۔ قصد میرے ہلاک کرنے کا کر رہا ہے۔ اس بات کے سنتے ہی ادھر اُدھر سے لوگ نکل کر دوڑے اور اس مرد کے گرداگرد ہو کر حلقہ باندھ کر کھڑے ہوئے بلکہ اس کو اذیت دینے کے درپے۔

اس جوان ستم رسیدہ نے اپنی عقل رسا کے باعث ان شخصوں کے ہاتھوں کو اپنے آزار کے دینے سے باز رکھ کر اس عورت مکرہائی کے مکر و شر سے نجات پائی اور اس احوال کی کیفیت سے ہر ایک کو آگاہی بخشی۔ بعد ظاہر ہونے اس مقدمے کے ہر ایک متنفس نے حیرت کی انگلی اپنے دانتوں سے کاٹی۔ خاموشی اختیار کی۔ آخر یہ معاملہ پل مارتے ظاہر ہو گیا۔ آخر سب کے سب کیا چھوٹے کیا بڑے بہ آواز بلند کہنے لگے انّ کیدکن عظیم یعنی تمہارے مکر بڑے ہیں۔ ندان ایک جوش و خروش میں آگئے۔ آخر یہ مقدمہ اُس وقت کے [بادشاہ سے] رجوع کیا۔

بعد واقع ہونے اس مراتب سیاست کے بہ مقتضائے اس کے حصحص الحق یعنی حق ظاہر ہوا۔ آخر یہ بات چھپی ہوئی کھل گئی۔ اور وہ عورت سیہ اختر اس فعل بد کے بدلے سزائے شرعی پا کر جہنم واصل ہوئی اور وہ دائی بھی اپنے اعمالوں کے عوض دار پر سرفراز ہو کے جہنم کی طرف جلد چلی گئی۔ پھر وہ مرد نہایت شرمندہ ہو کر شہر و خلائق سے آس چھوڑ بیٹھا۔ باقی عمر اپنی ایک صحرا [کا] کونہ اختیار کرکے اس ایزد پاک کی اطاعت میں کاٹی تا حیات عورتوں کا نام نہ لیا۔ جیتے جی حقیقت کی راہ میں اپنے تئیں فنا فی اللہ کیا۔

پس اے شہزادے تو ہرگز ان عورتوں کی زیبائی و پارسائی کا اعتماد نہ کر یہ ہرگز کسی سے دنیا کی طرح وفا نہیں کرتی ہیں ؂ بیت

جس قدر پرہیز تجھ سے ہو سکے تو کیجیو	پر نہ دل تا حشر ان بد طینتوں کو دیجیو

چھٹی داستان

ایک بادشاہ کی اور اس کی بیگم کے بلی ہونے اور اس کے مور بننے کی

اس کے مصاحبوں خیر اندیشوں میں سے چھٹے مصاحب دانشمند نے اپنی زبان کی بلبل معنی طراز کو سخن کے گل و پھول ڈالی پر اس طرح سے چہچہے کرنے والی کیا کہ بنگالے کے ملک وسعت آباد میں ایک بادشاہ نہایت نیک سیرت [illegible] آراستہ تھا اُس نے نوجوانوں کو جو صاحب صورت تھے ساتھ ملاحت معنی و فصاحت زبان [illegible] اور اپنی بلاغت طبع سے یکساں کر دیا تھا لطف و احسان سے اس کے دوستوں کے دل میں مہر و محبت نے جا کی اور اس کے قہر و غضب سے دشمنوں کے تن بدن میں تھرتھری پڑ گئی۔

حاصل کلام وہ ایک عورت چودہ پندرہ برس کی نہایت حسین و مہ جبیں کو کہ جس کے رخسار نیکی کے آسمان پر جلوہ گر تھے۔ ہلال ابرو اس کے ہلال چرخ کو شرماتے اپنی زوجیت کے بچھونے پر سرفراز کر کے اس کے ساتھ کا سونا بیٹھنا زندگانی کا پھل جانتا اور اس کو اپنی یگانگت کے لئے محبت کے آئین کی [تعلیم] ہمیشہ کیا کرتا۔ اس کی دوستی کے میخانے سے شوق کی شراب رات دن پیتا بلکہ ہر آن اس بت کافر کیش جادو نگاہ کی زلفِ تابدار کے ہر ایک بال میں اپنے دل شیدا کو باندھتا رہتا۔

اور وہ عورت شوخ و شنگ بھی اپنے حسن و جمال کے بے حد غرور سے آٹھوں پہر ساتھ ناز و ادا کے اس سے محبت رکھتی یہاں تک کہ اپنے ناز و کرشمے محبت بڑھانے والوں سے اس کو احسان مند و مرہون رکھ کر بار محبت سے سر نہ اٹھانے دیتی اور نہایت عیاری و دانش مندی کے باعث بڑے بڑے مکر و فریب اس بزرگ نیک سیرت و خجستہ خصلت کے کاموں میں کیا کرتی۔

ایک دن وہ عالی ہمت والا منزلت اپنی عزت و نشان کی دست گیری کے باعث اور اُن مانی منشوں، سبک دستوں کے بہ سبب اچھی خاصی وصلیوں پر کھنچی ہوئی تھیں، تماشا دیکھ رہا تھا اور وہ ذو فنون جادو فن بھی اس وقت اس کی ہم مجلس تھی۔ اتفاقاً ایک تصویر کسی جوان زیبا حسین و مہ جبین کی اُن ورقوں میں سے نکل آئی۔ وونہی اس عورت نے کہ اس کے وجود کا سراپا اس دنیا میں ہر ایک طرح کے فن و فریب سے بنا تھا۔ قد و قامت اس کا ہندسے کی معجون اور ہیئت کے خمیرے سے درست ہوا تھا

اس کے دیکھتے ہی منہ [پر] مقنعہ ڈالنے لگی۔ بادشاہ نے اس معنی سے خیرہ اندیشی کے قریب ہوکر کہا۔ جانی اس دولت سرائے عالی میں کوئی پرندا پر نہیں مار سکتا۔ کسی غیر محرم کا ہونا خیال میں نہیں آتا پھر اس طرح سے منہ چھپانے کا سبب کیا ہے۔

یہ بات سن کر اس مکرہائی نے التماس کیا۔ اے مصرِ محبت کے عزیز مجھ کو اس نامحرم مرد کی تصویر دیکھتے ہی جس کی چشمِ شوق، تو معلوم کرے کہ صریح دیکھتی ہے نہایت شرم آئی۔ حیا دامن گیر ہوئی اس لئے بہ لاچاری میں [نے] اپنا منہ مقنعہ سے ڈھانپ لیا بلکہ نہ چاہا میں نے کہ غیر و نامحرم مرد کا پیکر میری آنکھوں کے سامنے جلوہ گری کرے یا مجھے اپنی چشمِ خیال سے دیکھے۔ بادشاہ اس کی عصمت و پارسائی کو دیکھ کر نہایت خوش و خرم ہوا اور اس کی نیک نیتی و پاک دامنی کا بال بال بندھ اپنا جتنا اعتقاد اس کی حرمت و عزت پر رکھتا تھا، اس سے بھی سو حصے زیادہ رکھنے لگا دل و جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھا۔

جب اس صورت سے ایک مدت گزر گئی بادشاہ ایک رات اپنی عادتِ قدیم سے تختِ استراحت پر لیٹا تھا لیکن سوتوں کی طرح آنکھیں بند کی جاگتا تھا اور وہ نازنین اس کے پہلو سے لگی بچھونے کے کونے پر تکیہ لگائے ایک ناز و انداز سے بیٹھی تھی۔ اچانک ایک رنگین بلّی دروازے کی طرف سے نکل آئی۔ وہ ہی بچھونے کے پاس پہنچ کر دو تین بار لوٹی۔ ایک عورت حسین و مہ جبین، شیریں دہن، نازک بدن کی صورت پکڑ کر کھڑی ہوئی۔ آداب بجالائی۔

اس بی بی پارسا و پاک دامن نے بشوق تمام گلے سے لگایا۔ بہت سی تعظیم و تکریم کرکے اپنے پاس بٹھلایا۔ نہایت خوش و محظوظ ہوئی۔ بادشاہ کو نیند کی شراب سے مست و غافل پاکے بے حجابانہ اپنے بھید کی بیچک کھول کر کہنے لگی۔ بی بی اس وقت تمہارے قدم رنجہ کرنے اور تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟ اس نے بطور پیامبروں زبان دانوں، شیریں کلاموں کے اس پیام کو بیانِ محل میں لاکر عرض کی بیگم صاحب تمہاری بہن نے بعد ظاہر کرنے مراتب اشتیاق و آرزومندی کے التماس کیا ہے کہ آج کی رات تمہاری بھانجی کنواریت کے حجرے سے نکل کر ساتھ خیر و سعادت نیک بختی و عصمت کے تختِ عروسی پر جلوہ گر ہوگی اگرچہ ہر ایک چیز شادمانی و کامرانی کی بکثرت موجود ہے اقبال مجلس نے کمال خوشی و خرمی سے رونق پیدا کی تجھ سی عالی قدر کے نہ ہونے کے باعث کہ سچ مچ تو شمع محفل ہے یہ گھر شادی کا روشنی و نور نہیں رکھتا بلکہ ساری بی بیاں تجھ سی مہر لقا کی مشتاق ہو کر تیرے قدم شریف کے آنے کی راہ تک رہی ہیں۔ فرد

مطرب ہے مے ناب ہے اور گل ہے ولیکن راحت نہیں ہے جس کے میسر سو کہاں ہے

اگر اپنی قدیم الفت و مہربانی کی رو سے پچھلی شفقت و نوازش کے باعث تشریف لا کر احسان مند و سرفراز کرے ہو سکتا ہے، اور اپنے قدوم بہجت لزوم کے نور سے مشتاقوں کی شبستان آرزو کو روشنی بخشے بخش سکتا ہے سوائے اس کے وہ جوان بھی کہ تجھ سی خاتون جہاں کا دل جس کی محبت کے دام میں قید تھا اور اس آہوئے مرغزار اخلاص و پیار کے پکڑنے کا آگے اشارہ ہو چکا تھا آج کی رات دام میں آیا ہے اور وہ شراب رنگین و گلگوں، جو خوشی کے چہرے کو سرخ رو کرنے والی ہے آواز قلقل کی آرزوئیں نہایت جوش سے بلبل کی مانند مینا کی ڈالی پر چہچہے کر رہی ہے۔

اس بات کے سنتے ہی اُس پری پیکر نے قبول کی انگلی سرِ چشم پر رکھی نہایت خشاش بشاش ہو کر یہ بات کہی کہ میں جیسی رات ہزاروں دعائے سحری سے چاہتی تھی، آج میسر آئی۔ صبح کی دولت بیدار امید کے کنارے سے نمودار ہوئی۔ دوستوں کی آرزو کے چمن نے مراد کی ہوا کے چلنے سے سرسبزی و طراوت پیدا کی۔ پس لازم ہے مجھے کہ میں نرگس کی مانند آنکھوں کے پاؤں سے اس راہ دوڑوں۔ منزل مقصود کو پہنچوں۔ سوائے اس کے اس جوانِ رعنا شمائل کی صحبت سعادت کا حاصل کرنا کہ جس نے میرے صبر و قرار [کا] کلی اسباب غارت کیا ہے بلکہ میرا مرغ دل اس کی زلفِ عنبریں میں گرفتار رہتا ہے، اور بھی دونی خوشی ہوئی مصرع

"کیا خوب ہو دو کام گر ایک ناز سے بر آئیں"

سچ ہے کہ ایسی نیک و مبارک رات حق تعالیٰ نے کسی دن کے دامن سے نہیں باندھی، نہ ایسی بزرگی کسی روز کو بخشی۔ یقین ہے یہ رات نہیں بلکہ یہ خوبی کی جیتی جاگتی ایک لیلائے روح بخش ہے کہ جس کی زلفِ مشکیں کے ہر ایک بال میں ہزاروں ناقے سعادت کے مجنوں وار بندھے لٹکتے ہیں۔ فرد

کیا تم سے کہوں جس کے تئیں صاحب خلوت

کہتے ہیں شبِ قدر سو وہ رات یہی ہے

لیکن جس وقت کہ بادشاہ کے سونے کی طرف سے میری دل جمعی ہو گئی میں اپنے تئیں وقت کی یاوری سے پل مارتے اس مجلس فردوس نگار میں سر کے زور پہنچاؤں گی۔ یہ کہہ کر اس عورت نے پیام لانے والی کو رخصت کیا۔ جب کہ وہ مکان جہان کے جانے کا اس عورت نے ارادہ اپنے دل میں مصمم ٹھہرایا تھا۔

شہر کی منزلوں کے حساب دشمار سے تین سو کوس کی مسافت اس جگہ سے رکھتا تھا۔ بادشاہ اس معنی سے حیرت کے بھنور میں ڈوب گیا۔ نقدِ ہوش اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ دل میں سوچا الٰہی یہ دیونی پری نما اتنی دور و دراز کی راہ کہ انسان کی طاقت سے زیادہ ہے، ایک رات میں کیوں کر طے کرے گی۔ کس طرح پھر آئے گی۔ اگرچہ یہ آفت کی پڑیا آندھی کے گھوڑے پر سوار ہو تو بھی احاطۂ باطنی سے اس میدانِ ظاہری تک پہنچنا تعقل نہیں ہو سکتا۔

بہر تقدیر اس نادر مطلب کے آگاہ ہونے کے میدان اور ایسے عجیب و غریب بھید کے کھلنے کے دشت بے پایاں میں ہمت کا قدم رکھ کر مصلحت کی رو سے آنکھیں بند کر لیں۔ ہاتھ پاؤں پھیلا کر بے حس و حرکت ہو گیا۔ سوتوں کی مانند خراٹے لینے لگا اور اس عورت نے کہ جس کے مکر و فریب سے دیو سَو برس کی راہ پکڑے، بھاگ جائے، وونہی اپنے لباس شاہانہ اور زیور ملوکانہ سے آراستہ کیا۔ نہایت جلدی جلدی ہر ایک چیز سے بنایا سنوارا۔ وزیر کی جورو کو بلوالیا۔ پھر دونوں آپس میں متفق ہو کر فرش پر لوٹیں، وونہی رنگین بلیوں کی شکل ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ نہایت چستی و چالاکی سے گھر کے باہر نکلیں شہر چھوڑ جنگل کی طرف روانہ ہوئیں۔

بادشاہ بھی بسترِ راحت سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ان بلیوں کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ شہر کے کنارے ایک درخت نہایت عظیم الشان تھا۔ بہت بڑا سایہ دار چھتنا رکھتا تھا بلکہ اس کی ڈالیوں کی پھنگیاں آسمان سے لگ رہی تھیں۔ وہ دونوں بلیاں اس درخت پر چڑھ گیاں۔ بادشاہ بھی اس لمبے چوڑے درخت کے تنے سے لپٹ گیا اور اس کی کھندیوں میں پاؤں جما کر لگ رہا۔ اتنے میں وہ درخت ہلنے لگا۔ ندان اپنی جگہ سے اکھڑ کر اُس ملک کی طرف متوجہ ہوا۔ پل مارتے ٹھہر گیا۔ حرکت سے باز رہا۔

جب نوبت و قرنائے کی صدا، ڈھول و مجیری کی آواز بادشاہ کے کان میں پڑی، دریافت کیا کہ محفلِ شادی و شادمانی اسی شہر میں مقرر ہوئی ہے۔ وونہی درخت کا سایہ چھوڑ کر دور جا کھڑا ہوا اور ان بلیوں نے ان کے اوپر سے اُتر کر آبادی کا رستہ پکڑا۔ بادشاہ بھی ان کی بجائے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک وے گئے کہ اس محل کے قریب پہنچے۔ دیکھا اُس نے کہ جتنے چھوٹے بڑے اس شہر کے ہیں۔ سب کے سب ہاں جمع ہیں۔ ایک خلقت نے نہایت کثرت سے بھیڑ بھاڑ کر رکھی ہے۔

بلیاں محل کے اندر چلی گئیں۔ بادشاہ مردانی مجلس میں ایک کونہ اختیار کرکے فرش پر جا بیٹھا۔

بہ سبب غریبی و ناشناسائی کے چپکا ہو کر مجلس کا تماشا دیکھنے لگا۔ جب کہ کثرت نہایت مرتبہ تھی خلقت ہر ایک طرح کی جمع ہوئی تھی، ہرگز کوئی اُس کے احوال کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ بادشاہ اگرچہ محفل میں بیٹھا تھا لیکن ٹکٹکی اُن بلیوں ہی کی طرف لگائے تھا کہ کہیں وہ نکل نہ جائیں کیونکہ پھر غریبی کے میدان میں سرگرداں پھرتا۔ خرچ راہ کے نہ ہونے کے باعث یا کئی اور دقتوں کے سبب اپنے شہر نہ جا سکتا۔

جب آدھی رات کا عمل ہوا ایک مرد پھولوں کی بدّھیاں جڑاؤ خوان میں لگائے ہوئے مجلس میں لے آیا قاعدہ اس ملک کا ہمیشہ سے اسی طور پر تھا کہ پہلے دولہا (کے) گلے میں پھولوں کی بدّھیاں پہنا دیتے تھے۔ پھر محل میں لے جا کر مراسمِ شادی و مراتب شگونی بجا لاتے تھے۔

اتفاقاً وہ دولہا نہایت زشت رو نازیبا شکل تھا، جب کہ ان بدّھیوں کو اس کے گلے میں ڈالنے کے لئے مکلف ہونا اور ایسے بدصورت دیو ہیکل کو پری پیکروں کی مجلس میں لے جانا ویسی حور سرشت، پری شمائل و مہ جبیں کے ساتھ تختِ عروسی پر بٹھلانا مناسب نہ جان اس بات کے درپے ہوئے کہ ایک جوان حسین و نازنین خوبصورت و موہنی مورت کو اس محفل سے چن کر بالفعل یہ بدھیاں پھولوں کی اس کے گلے میں ڈالئے اور ان فردوس کی حوروں کے محل میں لے جا کر قواعدِ شگون و قوانین رسوم ادا کریں۔ بعد جاری ہونے ان تمام مراسم مستمرہ کے جو اس کے جو اس دولتِ بیدار کے مناسب ہوگا اور جس کے نصیب میں روزِ ازل سے یہ گوہر ناسفتہ لکھا گیا ہوگا وہی اس سے کامیاب ہو کر دل خوش کرے گا۔

قضا کار وہی جوان جو ان بلیوں کے طفیل اپنا شہر چھوڑ کر اس بزم میں وارد ہوا تھا۔ حسنِ ظاہری و جمالِ لاثانی رکھتا تھا۔ نظر اس شخص کی اس پر جا پڑی۔ نہایت پسند کیا۔ غرض وہ گجرا پھولوں کا اُس کے گلے میں ڈال دیا اور ہاتھ اس کا پکڑ لیا اس واسطے کہ وہ اُٹھ کھڑا ہووے اور وہ جوان شہر غریب ان بلیوں کے ڈر سے چوہے کی طرح کانپتا تھا، اس گل و پھول کی بدھی کو ایک خونخوار اژدہا جان کر سخت عاجز ہوا۔ دریائے حیرت میں ڈوب گیا۔ اس مقام میں کہ انکار کرنے کی مجال نہ رکھتا تھا۔ بحکم قضا کے ناچار ہو کر گردن کو جھکا دیا۔ مرگِ ناگہانی پر مستعد ہو کے کمر باندھی۔ اس محفل امین سے اُٹھ کر گھڑیال کے منہ میں پاؤں ڈالا یعنی اُس محل بادشاہی میں چلا گیا۔

دیکھا اُس نے کہ ہر ایک طرف نہایت کثرت سے پری تمثالوں کا مجمع ہے۔ ہر ایک سمت چمن چمن حسن کے

نسرین و نسترن جمال کے گل و ریحان سرسبزی بخشنے والے لہلہا رہے ہیں ــــ ناز و کرشمے گل و پھول کے پتوں کی طرح بہار کے موسم میں خوشی کے فرش چاروں طرف بچھے ہیں۔

آخر کار اس جوان خوش رو کو مسندِ شاہانہ پر بٹھلا دیا۔ ہندوستان جنت نشان کے لوگوں کی رسم کے مطابق موتیوں کا کنگنا ستاروں کے جھمکے کی طرح اس کی کلائی میں باندھا بعد اس کے وہ تمام حوریں پریوں کی مانند ستاروں کی طرح اس چاند کے گرد حلقہ کر کے مراسم شگون و مراتب رسوم اپنی قوم کے آئین و رسم کے مطابق بجالائیں اور اس بادشاہ نے بھی اس چرخ شعبدہ باز کی نیرنگی سے حیرت کے بھنور میں ڈوب کر کمال سکوت اختیار کیا۔ چپکا بیٹھا ہوا اپنی کن انکھیوں سے ان ہوش و صبر کی لوٹنے والیوں کے جمال خود فریب کو دیکھتا رہا۔ پر اس مصورِ بے ریب و رنگ کی کہ جس نے ایک مٹھی مٹی اور ایک بوند پانی سے ایسے عجیب و غریب پیکروں کو صفحہ ہستی پر منقش کیا ہے، حمد و ثنا کرتا تھا۔

اتنے میں نظر اس کی اپنی بی بی عصمت قباب پر جا پڑی۔ دیکھا اس نے کہ وہ وزیر کی جورو اور کئی پریوں گل رخوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی شراب ارغوانی پی رہی ہے۔ شراب کی مستی و خوشی و شادمانی کی ترنگ و بیباکی سے اپنے معشوق کو گلے لگا رہی ہے۔ کبھی اپنے لبِ شیریں سے آبِ حیات اس کے حلق میں چوا چوا کر بوسے لیتی ہے۔ کبھی صد سو بار صدقے جاتی ہے۔

آخر اسی حالت میں وہ عورت اُٹھ کر وہاں سے بادشاہ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ وزیر کی جورو سے کہنے لگی بی بی اس قادر بیچوں نے اس جوان کے صفحۂ رو کو میرے بادشاہ کی صورت کے برابر اس نوع سے بنایا ہے کہ کچھ فرق نہیں بلکہ یقین کر تو کہ وہی ہے لیکن شراب کی مستی و غلبے سے بخوبی نہ پہچان سکی۔ سوائے اس کے شہر کی مسافتِ بعید بھی اس عورت کے دل میں باعثِ شک ہوئی۔ غرض اتنے ہی مقال پر اکتفا کر کے پھر بہ سرعت تمام اپنے نئے بادشاہ کے پاس جو اس کے مصروں کا عزیز تھا، جا بیٹھی۔ بادشاہ اتنی ہی بات کے سننے سے باوجود اس مردمی و مردانگی کے قریب تھا کہ اس عورت کے ڈر سے مر جاوے یا غش کھا کر مرے۔

قصہ کوتاہ۔ بہر صورت محل سے رخصت ہو کر مردوں کے مجمع کی طرف چلا گیا اور اس حافظ حقیقی کی حمد و ثنا کے مراسم بجالایا اور اپنے دل میں یہ ارادہ مصمم ٹھہرایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس تہلکے سے نکل کر اپنے شہر میں صحیح و سلامت پہنچوں گا تو بلا تامل و بے وسواس اپنی بیوی کو وزیر کی جورو سمیت اُس قلعہ کے برج سے (کہ) بلندی میں آسمان کے برابر ہے، گرا دوں گا۔ تحت الثریٰ میں ڈال کر جہنم واصل کروں گا۔

جب صبح صادق کا وقت قریب پہنچا، وہ دونوں بلّیاں محل سے نکل کر نہایت تیز رو ہوئیں۔ بادشاہ بھی گرتا پڑتا اُن کے پیچھے چل نکلا۔ اسی پہلے دستور سے اس درخت عظیم کے سبب اپنے شہر کے قریب جا پہنچا بہ سرعت تمام اپنے تئیں محل میں داخل کیا اور ان بلیوں سگ سرشتوں کے پہنچنے سے پہلے بستر راحت پہ پاؤں پھیلا کے سو رہا کہ وہ عورت گھر میں آئی۔ فرش کے کونے پر بیٹھ گئی۔

جب کہ سفیدی صبح کی پھیلی۔ سحر کی کلی افق کی ڈالی سے کھلنے لگی۔ وہ عورت بد انجام اپنے گھر کے (کام) سرانجام دینے میں مشغول ہوئی اور بادشاہ کو رات کے جاگنے کی ماندگی بلکہ ان بلیوں کی راہ تکنے کی صعوبت نے نیم جاں مضمحل کر رکھا تھا۔ بستر راحت پر پڑتے ہی غافل سو گیا اور نہ ہونے مراتب خبرداری و ہوشیاری کے کہ وہ لوازم دانش مندی کے ہیں مطلق ادا نہ کر سکا کیونکہ وہ کنگنا موتیوں کا اسی طرح سے ہاتھ میں بندھے کا بندھا رہ گیا۔

جب اس کی آنکھ نیند سے کھلی۔ بہ سبب فراموشی و نسیانی کے کہ وہ انسان کی دشمن جانی ہے۔ اس کنگنے کو چھپا نہ سکا۔ اچانک اس عورت کی نظر اس پر جا پڑی۔ رات کی شک یقین سے متبدل ہوئی۔ ہونا اس کا اس مجلس میں بے شک و شبہ ظاہر ہو گیا۔ یہ معنی اس کی طبیعت پر نہایت ناگوار گزرا اس لئے کہ ٹانکے اُس کے ٹوٹ گئے۔ جو بھید کہ پوشیدہ تھے ظاہر ہوئے۔ از بس کہ مضطرب ہو کر بادشاہ سے پوچھنے لگی۔ اس کنگنے کے ہاتھ میں باندھنے کا سبب کیا ہے۔ مگر ہم سے چھپ کر تم تخت عروسی پر جلوہ گر ہوئے ہو؟

اس بات کے سنتے ہی اس بادشاہ ناکردہ کار نے قدم مصلحت کے حلقے اور صواب کے دائرے سے باہر نکال کر بے دانشی کے میدان میں رکھا اور مارے غصے کے چہرہ انگارے کی طرح لال کر کے کہنے لگا، اس کی فکر نہ کر۔ اپنا غم کھا۔ جہنم کی راہ کے سفر کرنے میں مستعد ہو کر دم بہ دم اپنے اعمالوں کی سزا پانے کی منتظر رہ۔

جونہی اس عورت بدکار و سیہ اختر نے یہ باتیں اپنے کانوں سنیں اور اپنی حرکت بے جا کو سوچی آخر اس کام میں درنگ کرنا اپنی ہلاکت کا سبب جانا۔ وونہی جرأت کا پاؤں سبقت کے فرش پر رکھا۔ دو چار کنکریاں افسوں سے دم کر کے نہایت چستی و چالاکی کے ساتھ بادشاہ کے منہ پر ماریں۔ بہ مجرد اس عمل کرنے کے وہ لباس انساں سے مبرا ہو کر ایک طاؤس زرّیں بال کی صورت ہو گیا۔ وونہی چھوٹے چھوٹے

جانوروں کی طرح زمین پر چونچ مارنے لگا۔

جب کہ دو چار روز ناظروں، خوجوں کی دست گیری کے باعث یا خواصوں کے ارکان دولت بارگاہِ عالی سے شرف اندوز ہوئے محل سرائے کے وسیلے سے یہ عرض خدمتِ عالی میں کہلا بھیجی کہ دربار عام کے نہ کرنے کا باعث اور اس دولت خانے کے بندوں، خانہ زادوں کو سلام اور مجرے سے محروم رکھنے کا سبب سوائے عیش و عشرت کے خدا کچھ اور نصیب نہ کرے لیکن اکثر ملک کے کاموں میں جہاں پناہ کے نہ ہونے سے خلل واقع ہوتا ہے بلکہ تمام حاجت مند منتظر ہیں۔ اگر اپنے دیدار فیض آثار کے نور سے اِن فدویوں کی شب آرزو روشن کریں، یقین فرمایئے کسی طور مصلحت سے خالی نہیں۔

یہ بات سن کر اس خاتون بد عاقبت نے بادشاہ کی زبانی اُن کے جواب میں کہلا بھیجا کہ تھوڑی سی بیماری ہمارے مزاج مبارک میں طاری ہوئی ہے۔ بالفعل درد سر کو بار دینے ملکی کاموں میں مشغول ہونے کی دماغ یاری نہیں دیتا بلکہ دل بھی اتنی طاقت نہیں رکھتا۔ چاہیئے کہ تمام ارکان دولت دست بہ دعا ہو کر اس شفا بخش حقیقی کی درگاہ میں واسطے شفا ہونے اس ذات مبارک کے روز و شب متوجہ رہیں آٹھوں وقت جناب الٰہی سے اس کی تندرستی چاہیں۔

اِس احوال کے سنتے ہی تمام خیر اندیش اور سارے ہوا خواہ و عقیدت کیش قریب غم و الم کے ہو کر وہاں سے پھر آئے لیکن وہ وزیر جو زیورِ وفا و اخلاص سے آراستہ تھا اور تختۂ دل اس کا خیر خواہی کے نقشوں سے مزین و زیبا ہو رہا تھا، نہایت غمگین ہوا۔ غرض جہاں پناہ کے مزاج سے از بس کہ آشنا تھا۔ اپنی عقل رسا کی رو سے دریافت کر کے کہا کہ بادشاہ لباسِ انسانی سے نکلا ہے یا کسی اور بلائے عظیم میں گرفتار ہوا ہے کہ عنانِ اختیار اس کی قدرت کے قبضے سے نکل گئی جو اپنے کام کے سنوارنے میں بھی مجال نہ رہی۔

بہر صورت اس وزیر دانا تدبیر نے گھر آ کر اپنی جورو کو بہت سا سراہا، نہایت پیار کیا۔ ندان بے حد چاپلوسی سے اپنے تئیں اس کام کی طرف متوجہ کیا۔ اپنی چکنی چپڑی میٹھی باتوں سے اس کو بہا کر ان گھاٹوں اتارا تاکہ وہ بادشاہی محل مبارک میں جا کر جہاں پناہ کا احوال کماحقہٗ دریافت کر کے بے کم و کاست اِس ماجرے سے آگاہی بخشے۔ اس عورت نے وونہی دولت خانۂ بادشاہی میں جا کر بادشاہ بیگم کی محرمیت کے باعث بے رنج و انتظار کے اُس کا احوال دریافت کر لیا اور اپنے گھر آ کر اس

مقدمے کی کیفیت سے وزیر کو آگاہ کیا۔

وہ اس بات کے سنتے ہی نہایت غمگین وملول خاطر ہوا اپنے جی میں کہنے لگا، بندوں عقیدت سرشتوں کو چاہیئے کہ رنج ومصیبت کے وقت اپنے خداوند نعمت پر جاں نثاری کریں کسی طرح صدمہ اس پر نہ پڑنے دیں اور میں تو اس خاندان عالی شان کی نعمتوں کا پالا ہوا ہوں۔ اگر ایسے مشکل وقت میں شرطِ بندگی ولوازم خانہ زادگی کے نہ بجالاؤں گا اور بادشاہ کو اس بلائے جانکاہ سے نجات نہ دوں گا تو پچھلی خدمت کے حقوق اور ولی نعمت نے جو تربیت کیا ہے اس کے احسان اپنی گردن سے کیونکر اتاروں گا۔

یہ بات ٹھہرا کر ہمت کا پٹکا دل کی کمر سے نہایت کس کر باندھا اور قدم سعی سے تیز رو ہوا آخر اپنی عقل مصلحت دینے والی کی رہبری سے ایک مور بہت بڑا اچھا خاصہ بہم پہنچا کر بادشاہ کے درِ دولت پر چلا گیا۔ بعد ادا کرنے مراتبِ آداب و کورنشات کے التماس کیا کہ ان دنوں اس خاندان عالی شان کے دشمنوں کی طبیعت کچھ علیل وکسل مند ہے اور یہ بھی سنا ہے کہ خاطر مبارک جہاں پناہ کی مور کے تماشے کی طرف اکثر متوجہ مشغول رہتی ہے، اب جو یہ میدان فدویت کا گرم رو اس مبارک دیدار کی سعادت کے حاصل کرنے میں محروم ہے اور حضور پُر نور کی ملازمت سے مہجور، چاہتا ہے کہ اس طاؤس کے پاؤں جو اس وقت طبع مبارک کی خوشی کا وسیلہ ہوا ہے، چومے۔ آنکھوں سے لگائے اگر ایک دم کے واسطے باہر بھجوادیں تو سرافتخار اس جاں نثار کا اوجِ آسمان کو پہنچے۔ بزرگی اپنے ہم چشموں میں زیادہ زیادہ پیدا کرے۔

وہ بھی اس عورت نا قباحت فہم نے وزیر کی عزت و قربت پر نظر رکھ کر اپنی مصلحت ناقص کے بہ سبب بے خبرداری وہوشیاری اور بے نگہبانی وپاسبانی کے کہ اس مور کو کہ وہ حقیقت میں اسی کا بادشاہ تھا، وزیر کے پاس بھیجا، اُس نے اس معنی کو نعمت عظمٰی جان کر اُسی وقت اپنے مور کو محل مبارک میں بھجوادیا اور اُس طاؤس کو شاداں شاداں اپنے گھرلے آیا۔

ہاتھ باندھ کر جورو سے کہنے لگا، جانی میرا دل وجی تیرے تمکین ناز وکرشمے پر شیفتہ رہے میرا ملک و مال تیری سخن شیریں کے صدقے ہوئے اس لئے کہ میری قسمت اب کارسازی کے درپے ہے کیونکہ بادشاہ تنہا میرے ہاتھ لگا یعنی بہت سے مکر وفریب کرکے اس مور کو محل سرائے سلطانی سے لے آیا اگر کچھ تو شعور رکھتی ہے تو مسیحا کی طرح دم ہمت دم کرکے اس بادشاہ کو کہ یہ اپنے جامۂ انسانی سے نکل گیا ہے پھر اسی اصلی صورت

پر لاتا کہ میں اپنی آرزو موافق فرمان دولت اس سے لوں اور اس کے تمام ملک و مال میں شریک ہو کر آدھو آدھ اپنے اپنے احاطۂ تصرّف میں لاؤں. یقین کر بعد حاصل ہونے اس نعمت کے وزارت کے پایے سے نکل جاؤں گا. عزت و شان کے پائے سے شرف اندوز ہوں گا. اپنے نام کی نوبت شاہی بجوا کر تاج شہریاری سر پر رکھوں. بڑی بڑائی پیدا کروں. تو بھی تمام جہان کی بی بیوں میں معزز ہو. دیکھ اس دولت بیدار کو ہاتھ [سے] نہ کھو

اگرچہ اس عورت کو مال کے زیادہ ہونے کے لالچ اور نعمت و ناز کے ہاتھ آنے کی حرص و ہوا نے استقلال کے حجرے سے نکالا. عقل کا رشتہ اس کے ہاتھ سے چھٹ گیا تو بھی اس مقام میں کہ وہ بادشاہ بیگم کی مصاحب و ہمراز تھی چاہا اُس نے کہ خلاف حقوق بیگم ایسی بات ہرگز نہ کرے. نددان کے ہاتھ سے نہ دے. اپنے خاوند سے کہنے لگی. اجی میں تمہارے کہنے سے اس کام کی متکفل ہوتی ہوں مگر اس شرط پر کہ بعد حاصل ہونے تمہارے مدعا کے میں پھر بادشاہ کو طاؤسی لباس سے آراستہ کر کے حضرت مملکت کی خدمت عالی میں لے جاؤں.

وزیر نے اس شرط کو قبول کر کے ظاہرا اپنی بی بی کی اطاعت و فرماں برداری کی. جو بات اُس نے کہی، مان لی. اس لئے کہ وہ ایک بار بادشاہ کو اس صورت سے نجات دے کر مسندِ ایمن پر بٹھائے. غرض جونہی جہاں پناہ نے اس کے باعث ایسی آفات و بلیّات سے مخلصی پائی وزیر نے وونہی بہ سرعت تمام اس عورت ناپاک کا سر تیغ آب دار سے اُس کے تنِ زشت سے جدا کر کے خاک مذلت پر ڈال دیا اور بادشاہ نے اس شخص کی طرح جو احاطۂ بے ہوشی سے نکل کر ساحت افاقت پر پہنچتا ہے، پہنچتے ہی آنکھیں کھول دیں. اِدھر اُدھر دیکھ کر ہر ایک کی خیر و عافیت وزیر سے پوچھی اور یہ بات کہی اے دانش مند تیری حویلی میں میرے آنے کا سبب کیا ہے اور تیری بی بی اس احوال بد سے نیستی کے بچھونے پر کیوں پڑی ہے؟

آخر اُس وزیر عالی تدبیر نے اس احوال کی کیفیت ابتدا سے لے کر انتہا تک کہہ سنائی. بادشاہ نے اُس کی جان نثاری و وفاداری پر تحسین و آفریں کی اور اپنے انجام خیر کی تدبیر پوچھی کہ اے وفا سرشت اب میرے حق میں سب سے بہتر کیا ہے.

وزیر نیک تدبیر نے عرض کی جہاں پناہ کے کام میں صلاح نیک یہی ہے کہ جب تک بادشاہ بیگم اس بات سے آگاہ ہووے جہاں پناہ اس کے آگے یہاں سے بھاگ کر کسی جائے ایمن میں اپنے تئیں پہنچا دیں. گوشۂ عافیت اختیار کریں. نہیں تو خدانخواستہ اگراب کی بار اس بلا کے چنگل میں پڑیں گے تو پھر

دوسری دفعہ اس کے ہاتھ سے نجات پا دیں یہ ممکن نہیں بلکہ میں بھی جیتا نہ بچوں گا۔ یقین ہے کہ میرا سر بھی اس کام میں تن سے جدا ہو۔ آگے اختیار ہے حضرت کو۔

بادشاہ نے یہ مصلحت اس وزیر نیک تدبیر کی نہایت پسند کی وونہی اس کے ساتھ ہو کر روپوشوں کی طرح راتوں رات اپنے تئیں دوسرے ملک میں پہنچایا۔ تھوڑی ہی فرصت میں اپنا شہر و تخت چھوڑ کر غیر ملک میں اسباب استقامت رکھا۔ فقیروں کا لباس پہن کر ایک گوشۂ خموشی وگم نامی کا اختیار کرکے بیٹھ رہا۔

بعد چند روز کے اس ملک کے شہریار نے اس کی نیک ذاتی، اور شہریاری سے آگاہ ہو کر اپنی فرزندی میں لینا قبول کرکے اپنی بیٹی سے اس کا بیاہ کر دیا اور یہ بادشاہ اگرچہ اس کام سے انکار کرتا تھا لیکن ارادۂ ازلی کی خواہش و کریم کارساز کی مصلحت نے یہ صورت بہم پہنچائی۔

اتفاقاً ایک دن بادشاہ اپنی بیگم کے ساتھ انگنائی میں بیٹھا ہوا چوپڑ کھیل رہا تھا کہ ایک چیل چلاتی ہوئی بادشاہ کے سر پر آئی اور نہایت بلند ہو کر منڈلانے لگی۔ اتنے میں اُس نئی معشوقہ نے چیل کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ بادشاہ سے التماس کیا جہاں پناہ کچھ آپ نے دریافت کیا، یہ چیل کون ہے۔ اس طرح کے منڈلانے اور چلانے سے اُس کا مطلب کیا ہے۔ بادشاہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ جانی میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ یہ ایک پرندہ ہے پرندوں میں سے، ہوا پر اُڑ رہی ہے۔

بی بی بولی حضرت یہ جانور نہیں۔ یقین فرمایئے یہ جہاں پناہ کی پہلی بیگم ہے۔ اپنے تئیں چیل کے بھیس میں چھپائے تمہاری جستجو میں یہاں تک آ پہنچی۔ میری بات سچ جانو کہ اب تم اس چڑیل کے چنگل سے نجات نہ پاؤ گے مگر میری پند و دلیری سے۔

بادشاہ اِس بات سے واقف ہوتے ہی ایک بڑے سے حیرت کے بھنور میں ڈوب گیا۔ اپنی جان کے ڈر سے کانپنے لگا نادان وزیر کو بلا کر اس مقدمے سے آگاہ کیا۔ اُس نے عرض کیا اے بادشاہ۔ ہم بے کسوں کے پشت پناہ تو ہرگز اپنی خاطر مبارک میں ہراس ڈر کر راہ نہ دے بلکہ اس کے دفع کرنے کے لئے اپنی اس بی بی بانوئے جہاں سے مدد چاہ۔

بیگم بولی اے وزیر والا تدبیر مجھے ہر ایک طرح اس مہم کے انصرام دینے میں پے کرنی ضرور ہے کیونکہ وہ جہاں پناہ کے ہلاک کرنے کا قصد رکھتی ہے۔ اس بات میں وہ پہلے میری دشمن ہے کیونکہ میرا تاج و تخت اٹھا چاہتی ہے۔ بیت میں کھا جاؤں کچا اُسے موت ہو لگی ہے مری اب تو وہ سوت ہو

دیکھیں ابھی چیل کی صورت ہو کر اُڑتی ہوں۔ تبتک اُس کے پاس پہنچ کر اُس کی چونچ اور چنگل میں گتھ جاتی ہوں۔ قسم خدا کی قلابازیاں کھاتی ہوئی بادشاہ کے آگے ڈال دیتی ہوں۔ چاہیئے کہ جہاں پناہ نہایت چستی وچالاکی سے ایک ہی خدنگ کی ضرب سے اس بدانجام کا کام تمام کریں۔ پر یہ بڑا ڈر ہے کہ کہیں بھولے سے مجھے نہ مار ڈالیں۔ اس واسطے اِس کے پہچاننے کے لئے میرے پر و بال میں اختلاف ہوگا۔ یعنی وہ سیاہ مطلق ہے تو میں ابلق ہوں گی۔

بادشاہ اس بات کو جمع مغتنمات سے جان کر خوش ہوا اور ایک موٹا سا سونٹا ہاتھ میں لے کر ایک کونے میں جا بیٹھا۔ اتنے میں بیگم اُڑی۔ جھپٹا مار کر اس سے لپٹ گئی۔ بوجب اپنے کہنے کے گتھی ہوئی بادشاہ کے سامنے گر پڑی۔ حضرت نہایت خوش ہو کر اُس وزیر والا تدبیر سے پوچھنے لگے اے خیر اندیش اب میں اس سیاہ کو ماروں یا ابلق کو تمام کروں۔

وزیر نے عرض کی اے شہنشاہ مثل مشہور ہے۔ سگِ زرد برادر شغال۔ مصرع

زرد کتا بھی تو آخر بھیڑیئے کا بھائی ہے

اگرچہ جہاں پناہ نے گھڑیال کے منہ سے نکل کر نجات پائی پر اب بھیڑیئے کے چنگل میں گرفتار ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ان دونوں کو نہ کالے رکھیں نہ کوڑیالے چھوڑیں۔ اس قوم کے مکر وفریب سے رہائی پا دیں کیونکہ دشمنی ان مکر بائیوں کی سانپ دبچھو۔ شیر و بھیڑیئے سے بھی سوائی ہے۔ بالکل ایسے کنارہ کش ہو جیئے کسی جائے امن میں چل دیجئے۔

غرض بادشاہ نے اپنی بہتری اسی میں دیکھی۔ ندان اِس وزیر کامل تدبیر کے کہنے سے ان دونوں ناپاکوں بداختروں کو مار کر جہنم داخل کیا۔ اپنے تئیں اس بلیات ناگہانی سے بچایا اور ان عورتوں بدبختوں کی صحبت سے پرہیز کر کے گوشۂ توکل کہ وہ آفت کا کچھ بے رنج ہے، اختیار کیا۔ باقی عمر اپنی اطاعت الٰہی میں مشغول ہو کر کافی عقبیٰ کی ریاضت سعادت کے وسیلے سے دولت معنی ہاتھ میں لا۔ قرب الٰہی حاصل کیا۔

پس اے شہزادے تو بھی ان کی مہر و محبت میں اپنے تئیں لاحاصل برباد نہ کر۔ ان عورتوں مکر ہائیوں کے دام بلا میں گرفتار نہ ہو۔ بیت

مت ان کی وفاداری و عصمت پہ نظر کر
بہتر ہے یہی اُن سے تو ہر آن حذر کر

ساتویں کہانی

ایک بے وقوف برہمن بچّے کے احوال کی اور اس کی جورو مکرہائی کے آوارہ ہونے کی

قصوں کے بید پڑھنے والوں خبروں کے دقیقہ سنجوں نے اس عجیب وغریب داستان کو صفحۂ بیان کے اوپر یوں لکھا کہ بنارس شہر جو ہندوؤں کے دیوتاؤں۔ سادھوؤں کی پوجا پاٹ کی جگہ ہے۔ اس میں ایک برہمن بچہ نہایت بے وقوف رہتا تھا کہ تختۂ حال اس کا دانائی کے نقشوں سے معرّا۔ آستین وجود اس کی ہنرمندی کے نقش ونگار سے مبرّا لیکن جورو نہایت حسین ومہ جبین وخوبصورت وہوشیار رکھتا تھا کہ جنے تیشۂ مکاری سے استادی کا عَلم عقل کے میدان میں گاڑا۔ مکاری کے مکتب میں شیطان کو مکر وفریب کی حکمت کا سبق پڑھایا۔

اتفاقاً اُس نے ایک جوان حسین وخوبصورت۔ زیبا منظر ونیک پیکر سے اپنا جی لگایا بلکہ اپنے مرغِ دل کو اس کے عشق کی ہوا میں پرواز کیا۔ اس کی مہر ومحبت کا حلقہ اپنی خاطرِ عشق پسند کے گلے میں ڈالا جس وقت کے وہ عورت خاوند کے گھر میں رہنے کے باعث اپنے یار (کی) ملاقات سے باز رہی۔ کامرانی کے باغ سے مراد وکامرانی کے گل وپھول اپنی خاطر خواہ نہ چن سکی۔ اپنے مدعا کے حاصل ہونے کی خاطر خصم کے شہر بدر کرنے کے درپے ہوئی۔ غرض اس کو غربت وبے کسی کے کوچے میں آوارہ کرنے کے لئے ہمت کی کمر باندھی۔

ایک دن اُس کے برہمن بے وقوف نے نہایت تپاک وپیار سے اُس سیہ نامہ کو اپنی طرف کھینچا۔ بھینچ کر گلے لگا لیا اس لئے کہ اُس کے میٹھے میٹھے ہونٹوں سے مراد کی شراب پئے زندگانی کا مزہ حاصل کرے کہ اُس عورت شعبدہ باز نے اپنے مکر وفریب سے ترش رُو ہو کر اُس کے ساتھ سونے سے پہلوتہی کیا۔ غم والم کی بُو اپنے گل سے چہرے پر آشکار کر کے اُس بے چارے کے میٹھے عیش کو ترش روئی اور رکھائی سے تلخ تر کر دیا۔

جب کہ وہ برہمن نادان عورتوں کے فنوں۔ رنڈیوں کے مکروں سے آگاہ نہ تھا اس لئے حیرت وحیرانی سے بھنور میں ڈوب کر اس درد وغم کا باعث اور اس رنج والم کا سبب پوچھنے لگا۔ وونہی اُس مکرہائی برہمنی نے مکر وفریب کا دفتر کھول کر کہا ہے ہے میں کیوں کر ملول خاطر نہ ہوں اور کس طرح غم وغصے

کے گڑھے میں سر کے بل نہ گروں آج ہی ایک اپنی ہی ہم جنس عورت نے اپنی تمام قوم کی بی بیوں میں کہ وہ سب کی سب ایک جگہ جمع تھیں، بے محابا زبانِ طعن، برچھی کی طرح بڑھا کر تیز کی۔ بھری مجلس میں مجھ سے کہنے لگی بی بی تو اس صدر نشین کی آرزو رکھتی ہے اور اس کو دل سے چاہتی ہے کہ اپنے فہم و ادراک رسائی سے تمام جہان کے ہنرمندوں، نازک سخنوں، لطیفہ گوؤں سے ممتاز ہو پس اس مقام میں تو اپنے خاوند کو کس واسطے تعلیم و تربیت نہیں کرتی کہ وہ بے چارہ علم و ہنر کے لباس سے ننگا ہو رہا ہے فضل و دانش کے زر نقد سے بے نصیب و معرا۔ یقین کر کہ وہ اب تک کہ کھ گھ کے حرفوں سے بھی واقف نہیں۔ بے شک و شبہ وہ ایک طفل ہے نو آموز اور ابجد خواں عجب لڑکا ہے۔ سچ جان کہ اگر اس قوم میں ایسا نادان دھیو تو ن ڈھونڈے گی تو بھی نہ پاوے گی۔

یہ سخن میرے سینے میں بطور تیر کے چبھے بلکہ ان باتوں نے میرے جگر کو کردیا ٹکڑے ٹکڑے۔ یقین کر یہ کیا خاک زندگی ہے۔ جو تو نے اختیار کی مثل مشہور ہے کہ "اس جینے سے موت بھلی"۔ غرض مجھ سی عورت کو بیوہ بن، ناشاد و نامراد ہو رانڈوں کے گروہ میں بیٹھ کر عمر بسر کرنا اس پھیکے سہاگ سے بہتر ہے کہ تجھ سا خاوند میرے سر پر ہو جو تمام شہر کی عورتیں ایسے ایسے سخت سخت طعنوں کے بھالوں سے میرے دل و جگر میں سوراخ کریں۔ ان میں سو سو بار رسوائی کی آگ سے کباب کر کے ملامت کا نمک چھڑکیں۔

آخر کار ایسی ایسی باتوں غیرت انگیزوں اور ایسے ایسے سخن آفت خیزوں کو ہزاروں طرح سے آب و تاب دے کر اپنے خاوند کے سامنے بیان محل میں لائی کہ اس کی غیرت کا عرق حرکت میں آیا۔

ندان اس برہمن سادہ لوح نے مطلق حقیقت کے کوچے کی پیروی نہ کر کے اسی وقت کمالات کے حاصل کرنے کے لئے اپنا قدم فکر و تردد کے میدان میں بطور مسافروں کے مستحکم کر کے رکھا۔ مسافرت اختیار کر کے رنج کو راحت پر مقدم جانا۔ کمالوں کی مقصد کی تمنا میں فکر و تردد کی راہ کا چلنے والا ہوا ہر ایک شہر و قصبے میں جا کر جن برہمنوں کا ملوں اور جن پنڈتوں بید پڑھنے والوں دانشمندوں کی خبر سنتا، وہاں چلا جاتا۔ ان کی خدمت کرنا سعادت جان کر اس مجلس فیض بخش کا مشعل افروز ہوتا۔ غرض ہر ایک کسب و ہنر و ہر ایک کمالات کے حاصل ہونے کے لئے طرح طرح کی اذیتیں قسم کی تکلیفیں متحمل ہو کر اپنے اوپر اٹھاتا۔

غرض تھوڑے ہی دنوں میں چاروں بیدوں سے واقف و بہرہ مند ہوا۔ داناؤں عقلمندوں کی خدمت کر کے عجیب و غریب علم و حکمت سیکھا۔ طرح طرح کے فن و فریب۔ بڑے بڑے مکر و حیلے قبضہ اقتدار

میں لایا۔ یہاں تک کہ اپنے تئیں فضل وہنر کے کمال کی پوشاک وزیور سے آراستہ کیا۔ نہایت عقلمندی وہوشیاری میں یکتائے عصر بنا۔ استادی کا جھنڈا دانائی کے میدان میں گاڑا۔ فہم وفراست کا نقارہ خرد کے صحرا میں بجایا۔ نہایت شاداں شاداں سفر سے پھر کر اپنے گھر آیا۔

تخمیناً اُس وقت پہر سوا پہر رات گئی ہوگی کہ وہ نادان برہمن اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ اپنی برہمنی سے بخوبی ملا اور وہ عورت اُس وقت مصلحتاً خصم کے آنے سے ظاہراً نہایت ہشاش بشاش ہوئی پانی گرم کر کے راہ گرد اس کے پاؤں سے دھونے لگی۔ ازبس کہ عزت وحرمت سے ایک ستھری سی چوکی پر بٹھلایا اور یار اس بدبخت کا اُسی عادتِ قدیم سے عیش وعشرت کی مجلس آراستہ کر کے مباشرت کی امید کمر باندھ بیٹھا۔ اس کے قدمِ مبارک کی راہ کہ وہ خوشی وخرمی سے بھرے ہوئے تھے، تکنے لگا۔

اتنے میں اُس کے خبر دہندوں، محرم رازوں نے برہمن کے آنے کی خبر پہنچائی بلکہ بالکل حقیقت کہہ سنائی۔ اُس نے اِس بات کے سنتے ہی نہایت تلخ وترش رُو ہو کر اُس عورت مکّار کو کہلا بھیجا کہ آلاتِ مباشرت واسباب عشرت سے سب کچھ موجود ہے مگر تو نہیں۔ لازم ہے کہ تو بھی اپنے جمال کے نور سے میری امید کی شبستان روشن ومنور کرے۔ تمنائے دل بر لاوے۔

اُس سیہ اختر نے اِس کے جواب میں یہ پیغام بھیجا کہ بعد مدّت مدید کے آج کی رات میرا سائیں پردیس سے گھر آیا ہے۔ میرا آنا اس جگہ نہیں ہو سکتا بلکہ کسی صورت سے یہ کام سرانجام نہیں پا سکتا۔ مصلحت نیک وبہتر یہی ہے کہ آج کی رات مجھے معاف رکھے بلکہ یہ تقصیر میری طرف سے قصداً نہ جان کر قبولیت کے آستانے تک پہنچاوے، معاف کرے۔

جوان اس سخن سے آگاہ ہوتے ہی نہایت غمگین خاطر ہوا۔ ازبس کہ مبالغہ اغراق سے یہ پیغام کہلا بھجوایا کہ تجھ سی جاں نواز کے وصال کی امید پر جشن نہایت روح افزا ہو رہا ہے۔ مجلس بھی نہایت دل کشائی سے (سجائی) گئی ہے۔ چنگ تیری یاد میں فریاد کرتی ہے۔ صراحی کے سینے میں شرابِ شوق جوش کھاتی ہے۔ اگر محبت کے آئین میں ثابت قدم ہے اور محبت صادق رکھتی ہے تو جس صورت سے ہو سکے، اپنے کشیدہ قد سہی فریب کا سایہ اس مشتاق پر ڈال چلی یہاں آ۔ آ کر اضطراب کی آگ اپنے وصال کے آبِ زلال سے بجھا۔ نہیں تو حال اس خستہ حال کا بے حال ہو جائے گا اور جینا

وہاں جان نظر آئے گا کیونکہ اتحاد و دوستی کے قانون و قاعدوں سے یہ بات بعید ہے کہ اپنے مشتاق کو کمال امید سے ناامید کرے۔ عین انتظار میں مایوسی بخشے۔ بیت

آ جلد کہ بے تیرے سُن اے شمع دل افروز
اس محفل عشاق میں کچھ اور نہیں ہے

جس وقت وہ عورت اس احوال سے آگاہ ہوئی اپنے یار کی خاطر نازک کا رنج برداشت نہ کر سکی۔ اس کی دلجوئی و خاطر نازک کی رضامندی ہر ایک چیز پر مقدم سمجھی قبول کی۔ انگلیاں اپنے سر و چشم پر رکھ کر کہنے لگی کہ تو غم و غصے میں مبتلا نہ ہو۔ اپنی خاطر عشرت دوست کو ملال و اندوہ کے ناخن سے نہ چھیل میں ہر ایک طرح اپنے تئیں تیرے پاس پہنچاؤں گی جس صورت سے بنے گا۔ نرگس کی مانند آنکھوں کے پاؤں سے اس گلشن جاں افزا میں آؤں گی۔

بس اس پیغام کے پہنچنے کے گھڑی آدھ گھڑی بعد چپ رہ کر مکر و فریب کا دفتر کھولا۔ ایک مکر تازہ بتازہ اس میں سے چن کر اپنے برہمن سے کہنے لگی۔ شکر اللہ تعالیٰ کا کہ تو خیر و عافیت سے تشریف لایا۔ اس سفر کے رنج و الم اور اس مسافرت کے درد و غم سے چھٹا۔ سچ جان میری آنکھیں جو انتظار کھینچتے پتھرا گئی تھیں، تیرے جمالِ نورانی کے پرتو سے نورانی و روشن ہوئیں۔ مفارقت کی آگ و جدائی کے شعلے تیرے وصال کے پانی سے بجھے، ٹھنڈے ہوئے۔ مصرع

"شاکر ہوں اپنے بخت کی اور روزگار کی"

یقین ہے کہ تو جمیع علوم سے مستفید ہوا ہو۔ تمام فضائلوں سے بہرہ کامل حاصل کیا ہو لیکن چاہتی ہوں کہ اپنے علم و کمالات کو تفصیل وار بیان کرے اس لئے کہ جو کانٹا علم کی رہ گزر سے میں اپنی خاطر نازک میں رکھتی ہوں، نکل جائے۔ اس اندیشے سے بھی میرے دل بے قرار کو اطمینان قرار واقعی حاصل ہووے۔ امید تو یہ ہے کہ تو اس علم میں بھی عالم ہوا ہو و کوئی دوسرا نہ ہوا نہ ہو۔

یہ بات سُن کر وہ برہمن بچہ، نادان و سادہ لوح کمال شگفتہ روی و نہایت تکبّری سے کہنے لگا۔ اے مونس غم خوار و اے یار وفادار اب تو غم نہ کھا۔ اندیشہ نہ کر کیونکہ میں چاروں بید نوک زبان رکھتا ہوں بلکہ تمام پنڈتوں، دانش مندوں کا سرگروہ ہوا ہوں کہ اس عورت نے اپنا سر پیٹ کر کہا۔ ہے ہے شاید تو نے پانچواں بید نہیں پڑھا۔ اس سخن سے آگاہ ہوتے ہی برہمن بولا۔ اے جانِ جہاں میں نے بڑے بڑے

ہنڈتوں کامل فنوں اور بڑے بڑے برہمنوں بید پڑھنے والوں۔ ہنرمندوں بالغ عیاروں سے جو تحقیق کیا، تمام جہان میں چار ہی بید سُنے۔ پس تو کس رو سے کہتی ہے کہ پانچ ہیں۔

وہ مکارہ اس بات کے سنتے ہی نہایت تاسف سے ہاتھ مل کر کہنے لگی۔ ہے ہے یہ کیسے منحوس طالع ہیں جو میں رکھتی ہوں۔ شاید خدا کے دفترخانے سے کامرانی و کامگاری کا فرمان میرے نام پر نہیں لکھا گیا یا ازل کی کچہری سے اس ناشادی و نامرادی کا نقش میرے صفحۂ حال پر ثبت کیا ہو یعنی جب تو غربت کے میدان میں سرگردان پھرتا تھا، میں رات دن تیری جدائی کے غم والم میں مبتلا ہو کر امید قوی رکھتی تھی اس لئے کہ تیری بوئے مواصلت کی امید پر جیتی تھی کیونکہ تو گوستیاں کی دیا سے ایک دن جیتا جاگتا آوے گا اور مجھے اس غم و غصے سے نجات بخشے گا۔ اب جو آیا امید دہشت سے مبدل ہوئی۔ مقصد کی ڈوری ٹوٹ گئی۔

بیت

افسوس میرے بخت نے یوں مجھ سے بدی کری

اختر ہوا جس دم طلوع، اُس نے وہیں سختی کری

وہ برہمن بچہ ان سخنوں کے سنتے ہی حیرت زدہ ہو کر نہایت مضطرب احوال ہوا۔ کہنے لگا جانی اس ناامیدی کا باعث اور اس مایوسی کا سبب کیا ہے؟ اس عورت نے کہا، صاحب اس ملک کے بادشاہ کو ایک مشکل لاحل درپیش ہوئی ہے اور اس کا حل ہونا تریابید پر موقوف و منحصر ہے۔ اسی کو پانچواں بید کہتے ہیں۔ وہ ان چاروں بیدوں سے جو معروف و مشہور ہیں، سوائے ہے۔ آج اس شہر کے تمام برہمنوں پنڈتوں کو اس کام کے سرانجام دینے کے واسطے درگاہ بادشاہی میں لے گئے تھے۔ وہ بے چارے اس پانچویں بید سے واقف نہ تھے، جواب نہ دے سکے اس لئے بادشاہ کے حکم سے محبوس خانے میں قید ہوئے ہیں۔

غرض اب یہ بات ٹھہری ہے کہ یہ سب کے سب آج کی رات اس شرط پر اور اس دنیا میں سلامت رہیں کہ صبح کو اس مسئلے کا جواب بخوبی دیں اور اگر اس امر کے عہدے سے باہر نہ آسکیں گے بے شک دو چار گھڑی دن چڑھے ہزاروں ذلت و رسوائی سے اس کے بدلے شہر پناہ کے چاروں دروازوں کے سامنے سولی دیئے جائیں گے۔

یقین ہے کہ صبح کو تیرے آنے کی خبر پائیں۔ تجھ سے بھی اس مسئلے کا جواب پوچھیں۔ جانتی ہوں کہ تو اس عہدے سے بر نہ آئے گا۔ اُنہی میں شمار کیا جائے گا۔ ہے ہے مجھے تو اب تک تیری جوانی

کے باغ سے کہ جس میں ہزاروں طرح کے گل اور پھول ہیں، ایک گل بھی شگفتہ ہوکر میرے ہاتھ نہ لگا۔ سچ جان کہ تیری جدائی کے غم والم سے لالہ کی مانند اپنے سینے کو داغ دار کیے ہوئے رانڈوں کے جرگے میں بیٹھ کر اپنی بدبختی کے روزِ سیہ کاٹوں گی۔ مصیبت کے دن رو رو کر بھروں گی۔

آخر وہ برہمن سادہ لوح باوجود اس فضل و ہنر حاصل کرنے فریب کھا کر ان مکروں و فریبوں کے سنتے ہی تہی قالب ہوگیا بلکہ بے ہوشی نے اس کی طبیعت پر ایسا غلبہ کیا کہ بطور مدہوشوں کے ہوکر چاروں شانے چت زمین پر گر پڑا۔

وونہی اس مکرہائی عورت نے دوڑ کر اُس کے منہ پر گلاب چھڑکا اور اُس کا سر خاک سے اٹھا کر اپنے زانو پر دھر لیا۔ پکار کر کہا ہراساں نہ ہو، دل کو ڈھارس بندھا، ٹھاکر کو یاد کر کہ جس کی دیا سے ابھی میری خاطر میں اس مرض کے دفع کرنے کی یہ دوا گزری ہے بے شک و شبہ اس بات کو مددِ الٰہی یا الہامِ غیبی جاننا چاہیے۔ یعنی کوئی بشر تیرے آنے سے اب تک واقف و آگاہ نہیں ہوا۔ جس سے بہتر یہی ہے کہ تو ابھی اس شہر بد سے نکل جا۔ تھوڑے دن اور بھی اپنے دل کو سفر کے رنج و الم میں مبتلا و سرگرداں رکھ۔ اپنی جدائی کے داغ مجھ نصیبوں جلی مانگ اُجڑی کے سینۂ بے کینہ پر دھر۔ اس کم بخت پاپی کو چھوڑ کر جا اور بید کو بھی حاصل کر، ہو سکتا ہے کہ اس وسیلے سے تمام جہاں کے علم و ہنر سے آگاہی پیدا کرے۔ اپنے ہم عصر کے داناؤں، فاضلوں سے گوئے سبقت لے جائے۔

وہ برہمن نادان عورتوں کے فن و فریب سے غافل تھا باوجود اس فکر و فن کی بیماری کے ایسے دور و دراز سفر کی ماندگی دھیان میں نہ لایا۔ آبلہ پائی کی مصیبت و شدت پر نظر نہ کرکے آدھی رات کو اپنے گھر سے نکلا۔ پھر نئے سر سے سفر کے رنج و الم، اٹھانے والا ساتھ تحمل کے ہوا۔

آخر اُس عورت بدکار و سیہ اختر نے اُسی گھڑی اس بہلانے سے اپنے تئیں اس عاشق زار کی خدمت میں پہنچایا بدبختی کا وقت گرم کیا اور وہ برہمن بچہ صبح کے ہوتے ہوتے کسی شہر کے نزدیک جا پہنچا۔ ایک تالاب کے کنارے غمگین دل و پریشان خاطر ہوکے کھڑا رہا۔ اتفاقاً پانچ عورتیں اس شہر کی رہنے والیاں پانی بھرنے اسی کنارے آئیں اور اُس برہمن کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

جب اُنھوں نے گل رخسار اُس کے غم والم کے آفتاب کی گرمی سے کملائے اور مرجھائے مشاہدہ کیے، دل شگفتہ اس کا غنچے کی مانند پژمردہ و مضمحل دیکھا۔ ترس کھا کر پوچھا، اے مسافر تو کون

ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور اس طرح کے رنج والم میں کس لئے مبتلا ہو رہا ہے۔ اُس نے اپنے احوال کی کیفیت اُن کے سامنے تفصیل وار بیان کی، گردن جھکا دی۔

جب کہ وہ عورتیں تریا بید کے علم سے واقف تھیں۔ اِس فن وفریب میں مہارت کمال رکھتی تھیں اس کے احوال سے آگاہ ہوتے ہی ہنسیں بلکہ پہچان گئیں کہ اس مورکھ (کی) جورو نہایت اُستادِ کامل ہے اُس نے اپنی خاطر خواہ مقصد کے حاصل ہونے کے لئے اس نادان بے وقوف کو بے کسی و غریبی کے میدان کا سرگرداں کیا ہے۔

آخر کار اُس کی بیچارگی و پریشانی پر رحم کھا کر کہنے لگیں اے بے وقوف و نادان دلے گم کردہ عقل داوسان اگرچہ تریا بید ایک بحرِ موّاج ہے۔ بلکہ دریائے تعرِ بے کنار۔ کیونکہ کوئی عقلمند وہوشیار اپنی دانائی وہوشیاری کی شناوری سے اس کی کیفیت کے کنارے تک نہیں پہنچتا۔ کوئی غوّاص اپنی غوطہ سے اُس کی تہا نہیں پا سکتا، پر تو اپنے دل کو قوی رکھ۔ ڈھارس بندھا کہ یہ مشکل تیری ہم آسان کریں گے اور اس علم کا بھید تجھ پر ہم کھولیں گے۔

اُس برہمن نے اس بات سے نہایت خوش وخرّم ہو کر ان عورتوں کی شاگردی کہ وہ مکر وفریب میں کامل فن وبہتر ترین فاضل بے بدل تھیں، کمال حقیقت سے اختیار کی۔ اُس کی ثنا وصفت میں زبان کھولی یہ مصرع پڑھا۔ نہایت انکسار سے کہا۔ مصرع

"مردمی اور عطا بخت خداداد نے کی"

شکر ہے اس کریم کارساز کا جس نے پہلی ہی مرتبہ مجھے تمہاری خدمت میں پہنچایا کہ میں اس چرخ کج رفتار کے جور وستم سے چھٹا۔ آخر ان پانچوں مکر ہائیوں نے آپس میں مل کر یہ بات ٹھہرائی کہ ہر روز ہم پانچوں میں سے ایک ایک عورت اس عقل کی گلی کے بھولے ہوئے اور دانائی کی بستی کے راندے ہوئے کو اپنے ساتھ لے جاوے تعلیم کے مراتب سکھاوے۔ تریا بید کے بھیدوں سے آگہی بخشے بلکہ یہاں تک واقف کرے کہ پانچ ہی خلوت میں اس علم کا بھید جیسا چاہیئے اس پر کھل جاوے کہ یہ اس مکانِ فیض آگیں سے اپنے مقصد کی انتہا کو پہنچے۔

پہلی خلوت اُس برہمن بچے حسین ومہ جبین کے ساتھ ایک عورت بھانجہ گری کی نسبت لگانے کی

ان پانچوں عورتوں میں سے ایک عورت اس میدان حماقت کے سرگرداں کو پہلے ہی روز اپنے گھر لے گئی۔ بھانجہ گری کی نسبت ظاہر کرکے اپنے خاوند دخوشدامن سے ملاقات کرداکر کہنے لگی کہ یہ میری بڑی بہن کا بیٹا ہے۔ مدان ایک مکان علیحدہ اس کے رہنے کے واسطے مقرر کرکے اچھے خاصے فرش وفروش سے آراستہ کیا۔ مراتب ضیافت وتواضع کے ادا کرکے طرح طرح کے کھانے۔ قسم قسم کے شربت مہیا کئے۔

جب رات کی دلہن نے اپنے بالوں کی سیاہ چادر دن کے منہ پر ڈالی۔ وہ مکرہائی عورت اپنے مکروفریب کے باعث خاوند سے رخصت ہوکر اس غریق لجۂ حیرت کے پاس گئی۔ گھڑی آدھ گھڑی اُس کے سامنے بیٹھی ہوئی نہایت میٹھی چکنی چپڑی باتیں کیا کی۔ پھر...... کا تذکرہ درمیان میں لائی۔ بے حجابانہ کہنے لگی اس فرصت کے وقت کو غنیمت جان کر اپنی مراد کے گھوڑے کو عشرت کے میدان (میں) دوڑا۔ امید کی گیند میری زلف عنبریں کی چوگان سے کھیل۔ اپنا دل بہلا۔ کیونکہ یہ عزیز عمر دریا کے پانی کی طرح ہاتھ سے چلی جاتی ہے۔

وہ برہمن بچہ اس علم وہنر سے واقف نہ تھا۔ اس کار بد سے نہایت شرمندہ ہوکر پسینہ پسینہ ہوگیا لیکن کہنے لگا۔ اے عورت ناحق شناس تونے ابھی مجھے اپنا بھانجہ بنایا تھا۔ ابھی اس ڈھب کی باتیں درمیان میں لاتی ہے جو تمام جہان کے کاموں سے دور وبد ہے۔ خدا کے واسطے مجھے معذور رکھ۔ کیونکہ اس فعل بد کی طرف میں ہرگز متوجہ نہ ہوں گا۔

اس عورت نے کہا اے نادان بہتری تیری اسی بات کے قبول کرنے میں ہے۔ اب جلدی کر بے فائدہ سستی کے میدان میں قدم نہ دھر۔ بیت

تاخیر میں ہیں آفتیں ایسی کہ کیا کہوں

کرتی ہیں حاجتی کے یہ مقصود میں خلل

برہمن بچہ کہ اس مقام میں ناتجربہ کار تھا۔ اس نعمت کی لذت سے مطلق آشنائی نہ رکھتا تھا اس کام میں جرات نہ کرسکا۔ نہ اپنے گھوڑے تیز چلنے والے کو عشرت کے میدان میں دوڑا سکا بلکہ

پوتھیوں اور برہمنوں کے قاعدوں سے کتنے عذروں کو اپنے چھٹکارے کا وسیلہ کیا اور وہ عورت جو اپنے فن و مکر میں استادِ کامل اور یکتائے عصر تھی سوچنے لگی کہ یہ کم بخت ہمت کھو یا. گھر کھوج مٹا باوجود اس مہربانی نوازش کے اپنے مقصد کے کوچے سے منحرف ہو کر ناکامی (کی) گلی میں جاتا ہے. اس میں کوئی کیا کرے مصرع

"کام وہ اپنا نہیں کرتا ہے خود میں کیا کروں"

ناچار اپنی نیک مصلحت کے وسیلے سے اس کو گوشمالی دینا واجب جانا. وُونہی بھویں چڑھالیں تیوری بدل کر کہنے لگی. اے ناحق شناس، خدا فراموش، یہ کیا بدذاتی و بدبختی ہے، ساتھ اس بات کے کہ میں تیرے اوپر بطور فرزندوں کے مہربانی کروں، اپنے جگروں کی طرح تیری غمخواری و خاطرداری میں جی دوں. اس لئے کہ بھانجہ بھی اپنے ہی فرزندوں کے برابر ہوتا ہے اور تو چاہتا ہے کہ میری عصمت کا دامن ظلم و ستم کے ہاتھ سے ناپاک کرے. شیطان کے ورغلانے کے باعث، اپنے نفس امارہ کے سبب ایسے بدکام کے لئے خیانت کا بھرا ہوا ہاتھ (دراز) کرکے میرے گریبان میں ڈالے شرم نہیں کرتا.

یہ کہہ کر شور و غل کرنے لگی. اے ہمسائے کے لوگوں مجھ بپت ماری بے چاری کی فریاد کو پہنچو کہ میں اس جواناں مرگ نوجوان کے ہاتھ سے سخت عذاب میں گرفتار ہوئی ہوں. اس بات کے سنتے ہی اڑوس پڑوس کی عورتیں چاروں طرف سے دوڑیں اور سر پر آ کھڑی ہوئیں.

وہ برہمن بچہ اس نادر مکر جانکاہ سے ہراساں ہوا نہایت دہشت کھا کر غش کر گیا اور اس عورت مکارہ نے وونہی کھیر کی رکابی جو اس کے کھانے کے لئے لائی تھی، ٹھوکر مار کر زمین پر ڈال دی. یہ بات کہی. بی بیوں یہ لڑکا میرا بھانجہ ہے بعد ایک مدت مدید کے یہاں میرے دیکھنے کو آیا ہے. ابھی جو اس نے کھیر کے کھانے کی خواہش کی اتنے میں سردی نے اس پر ایسا غلبہ کیا کہ یہ حال سے بے حال ہو گیا غرض غش ہوتے ہی بے ہوش و بدحواس ہو کر زمین پر گر پڑا. اب میں نہیں جانتی اس کا کیا حال ہوگا ہے ہے یہ کیوں کر اس بے ہوشی سے ہوش میں آوے گا یہ کہہ کر رونے لگی.

ان عورتوں نے اس پر رحم کھا کے اپنی مہربانی سے اس کو دوا کھلائی. دعائیں دے کر تسلی کی. جب وہ سب کی (سب) رخصت ہو کر اپنے اپنے گھر گئیں اس برہمن نے آنکھیں کھول دیں جی میں کہا شکر اللہ تعالیٰ کا کہ میں بڑے پیچ سے نکلا بلکہ ایک بلائے عظیم سے چھٹا اور اس عورت جادوگرنی

نے یہ مصرع پڑھ کر کہا۔ مصرع:

آفت تو سر پہ آئی تھی پر خیر ہو گئی"

اب جلد اپنے ارادے کے سر کو میرے حکم کی چوکھٹ پر دھر اور جو کچھ میں (نے) کہا ہے بلا تامل کر، نہیں تو اب کی بار ایسی بات بناؤں گی کہ تو اپنی جان سے ہاتھ دھووے گا ایک بلائے ناگہانی میں گرفتار ہووے گا۔

برہمن بچے نے اس عورت مکارہ کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کی تقدیر کی خواہش سے گردن جھکادی .... اس عورت نے کہا اے مردہ دل یہ کام تریا بید کا ایک ذری سا نمونہ ہے جو اس طرح میں نے تجھے سکھلا دیا چاہیئے کہ اسے تامقدور یاد رکھے بلکہ کبھی نہ بھولے کہ خطا صادر ہو لازم یہ ہے کہ جس روش سے میں نے تیری رہبری کی اس کو اپنی منزل مقصود کی راہ جان کر تیز رو ہو بیت ؎

گر کہے پیر مغاں سجادہ رنگ دار وسے
کیونکہ سالک بے خبر اس راہ سے ہرگز نہیں

اس واسطے سے کہ بہت سے کام ایسے ہیں کہ وہ مبتدیوں کی نظروں میں پہلے بُرے معلوم ہوتے ہیں لیکن جب وہ اس میں بخوبی در آویں جانے کہ سب سے نیک روبہتر یہی ہے۔

بیت ؎ آئے جو سالک کے آگے اس کو وہ جانے ہے نیک
بے راہ میں جو گذرے سالک پہ اسی میں خیر ہے

جب مرغ آفتاب مشرق کے ٹاپے سے نکلا اس عورت کامل فن نے برہمن بچے کو رخصت کیا اس واسطے کہ وہ پھر اُس تالاب کے کنارے جاوے۔ وہ گیا اب بھی اپنی اسی عادت قدیم سے گھڑا کو لے پر دھر کے اسی تالاب پر پانی لینے گئی انہی اپنی ہمجولیوں سے کہ وے بھی اسی تالاب کے کنارے جمع ہوتی تھیں ان کو .... احوال سے آگاہی بخشی اور آپ موردِ تحسین ہوئی۔

دوسری خلوت ایک عورت کے اپنے خاوند کی گود میں بیٹھ کر دودھ دوہنے کے بہانے سے برہمن بچے سے ساتھ ملاپ بیٹھنے کی

ان پانچوں عورتوں میں سے دوسری عورت اس مہم کی متکفل ہو کر اس نادان برہمن کو اپنے گھر لے گئی اور خاوند سے کہنے لگی کہ آج فلانے بنئے کی جورو اس شہر کی تمام بی بیوں کے سامنے اپنے خصم کی تعریفیں کر کے کہتی تھی اگرچہ اس کے کمالات اندازہ شمار سے باہر ہیں اور فضل و ہنر اس کے شرح بیان سے مستغنی لیکن ایک اس کی دستکاری کا ادنیٰ کام یہ ہے کہ اپنی آنکھیں موند اس طرح دودھ دوہتا ہے کہ ایک بوند باسن سے باہر نہیں گرتی۔

یہ بات سُن کر میں ضبط نہ کر سکی۔ آخر کار بول اُٹھی کہ یہ کام کچھ ایسا نہیں کہ صفت و ثنا کے قابل ہو۔ اس کو تو میرا خاوند بخوبی تمام نہایت ساتھ آسانی کے کر سکتا ہے۔ وہ بنئینی اس بات کو ہرگز نہ مانتی تھی اور میں مبالغے پر مبالغہ کئے جاتی تھی۔ یہاں تک ردّ و بدل ہوئی کہ یہ شرط درمیان میں آئی یعنی اس بات کو اثبات کر میں نے قبول کیا۔ اب صاحب انصاف کے سامنے جو شرط کہ مقرر ہوئی ہے، اسی طور سے دودھ دوہے۔ مجھے اس شہر کی بی بیوں کے رُوبرُو شرمندہ نہ کرے۔

یہ بات سن کر اس کے خاوند عقل کے اجیروں نے کہا۔ جانی یہ ایسا مشکل کام نہیں جو تو اس کے اندیشے میں اس قدر اضطراری و اضطرابی کو اپنے دل نازک میں راہ دیتی ہے۔ شاید میرا سلیقہ اس کام میں اس بنئے دودھ کے بیچنے والے سے بھی کم ہے۔ جو تجھے تیری ہم جنسوں و ہم چشموں عورتوں میں ذلیل و شرمندہ کروں گا۔

وہ عورت مکارہ اس بات کے سنتے ہی جس طرح گل ہوا کے چلنے سے شگفتہ ہوتا ہے کھل گئی آخر بہ سرعت تمام اپنے خصم ہیئے کے اندھے کی آنکھیں ایک پٹی سے باندھ دیں اور ایک باسن اس کی گود میں دھر دیا پھر ایک دُودھیل گائے کے پاؤں رسی سے باندھ کر اس کے آگے کھڑی کر دی اور آپ اس برہمن کو اشارہ کر کے بلانے لگی اس لئے کہ وہ نہایت چستی و چالاکی ......

سے اُسے اور.........................

آخر کار جب اس عورت بدکار و سیہ اختر نے اپنے کام سے فراغت کی وونہی اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے خاوند کی آنکھیں کھول کر صدقے ہو ہو کر ہاتھ چومنے لگی اور ظاہر انہایت شادی وشادمانی کی۔ اس کا خصم اس سے بھی زیادہ ہشاش و بشاش، ہوا۔ اس واسطے کہ یہ کار بستہ اُس نے اپنی چشم بستہ سے کیا۔

اتنے میں وہ عورت مکارہ و عیار پیشہ اس برہمن سے کہنے لگی کیوں دیکھا تو نے میرا خاوند ایسا سلیقہ رکھتا ہے اور ایسا سبک دست ہے۔ اس سخن کے سنتے ہی اس کا خصم کہ نہایت عقلمند تھا از بس کہ خوش و خرم ہو کر ہنس پڑا اور اپنے کانوں اپنی تعریفیں سن کر نہایت شاد ہوا بلکہ اس برہمن صاحب انصاف سے امیدوار انصاف کا ہو کر مارے خوشی کے اپنے پیراہنِ خاکی سے نکل چلا، اتنا پھولا نہ سماتا تھا۔ قصہ کوتاہ اس عورت مکر بائی نے اس برہمن بچّے کو وہاں سے رخصت کیا اور اس کی شب باشی کے واسطے ایک مکان مقرر کر کے رہنے کو کہا۔

دوسرے دن جب آسمان کا برہمن مشرق کے بت خانے سے نکلا۔ پانچوں عورتیں اُسی تالاب کے کنارے جا کر جمع ہوئیں۔ تب اس عورت بدکار و ناپاک دامن نے اپنی عیاری کی کیفیت اور اپنی ڈھٹائی و بدکاری کی ماہیت ان بدبختوں کے سامنے ظاہر کی اور موردِ تحسین و آفریں کی ہوئی بیت ؎

حیرت زدہ نہ مکر سے کیوں کر نہ اُن کے ہوں
دیدے پہ یہ اٹھا دیں ہیں دیوار کیا کروں

تیسری خلوت ایک عورت مکارہ کے پیڑو کی ٹیس کا مکر کر کے برہمن بچے کے ساتھ خاوند کے روبرو پردہ ڈلوا کر گتھنے کی

ان پانچوں عورتوں سے تیسری عورت جو اپنے مکر و فریب کے زور سے شیطان کا پنجہ لے جاتی تھی ابلیس کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ اس نادان برہمن کو اس کے کام کی ضامن ہو کر اپنے گھر سے چلی۔ تھوڑی دور گئی تھی کہ اسے کسی مکان میں بٹھلا کر آپ اپنی حویلی میں داخل ہوئی۔ گھڑی آدھ گھڑی کے بعد رو رو کر یہ بات ظاہر کی کہ میرے پیڑو میں اس شدت سے درد ہوتا ہے کہ بیان نہیں کیا جاتا۔ یقین ہے میری طوطی روحانی کو اس پنجرے عنصر سے اڑا دے۔ کیوں کہ غذائے بد کے کھانے سے ایسی ہی پیڑ پیدا ہوئی ہے یا کھانا کھانے کے وقت کسی بدنظر کی نظر لگی ہے۔ کچھ ہو یہ مرض میں بے دوا رکھتی ہوں۔ آہ کیا کروں۔ غرض دم بہ دم اپنے پیٹ کو ہاتھ سے سہلاتی تھی۔ ناک چڑھا چڑھا کر آہیں بھرتی تھی چہرے کا رنگ زرد کئے ڈالتی تھی۔ نہایت بے قرار تھی۔

خاوند اس کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس احوال سے دیکھ کر متفکر ہوا بلکہ اس کی دوا دارو کے لئے سراسیمہ ہو کر کہنے لگا۔ جانی اگر گھڑی آدھ گھڑی صبر و شکیبائی کی ڈوری اپنے اختیار کے ہاتھ سے نہ دے تو میں دارالشفا جاؤں اور تیرے مرض کی تدبیر حکیم حاذق سے پوچھوں۔

اس عورت مکر ہائی نے اپنے مکر و فریب کے رو سے رو رو کر کہا۔ تو میرے سرہانے سے مت جا۔ کیونکہ تیرے ہونے سے میرے دل کو تقویت ہوتی ہے۔ دلِ بے قرار کو راحت پہنچتی [ہے] اگر تو سرکے گا تو میں جیتے [جی] مرجاؤں گی بیت

میں جیتی ہوں اس آسرے پر فقط
کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلط

جس سے بہتر یہی ہے کہ تو یہاں ایک پردہ ڈال کر ہمسائے کی ان عورتوں کو جو دائی گری میں نہایت سبک دست و چالاک ہوں، بلوائے اور آپ بھی کہیں نہ جائے۔ خاوند نے ووہیں ایک پردہ ڈال کر اپنے تئیں اس سے جدا کیا لیکن اس کے پردے سے اپنے تئیں لگا کر بیٹھ رہا اور نہایت اضطراری و بے قراری سے اس کی صحت کے واسطے جناب الٰہی میں مناجات کرنے لگا اور دعائیں مانگنے اور

اس عورت بدکار و مکار نے اُس برہمن کو اپنی ہمدم و ہمراز کٹنی کے ہاتھ یہ پیغام کہلا بھیجا۔ اس لئے کہ وہ چادر سر سے پاؤں تلک اوڑھ کر رنڈیوں کی طرح بے دھڑک میرے پاس چلا آوے۔

اس بات کے سنتے ہی وہ برہمن چاشنی خور نہایت چستی و چالاکی سے اس کے پاس جا بیٹھا۔ غرض جس صورت سے کہ چاہیئے اس کی دوا حکیموں کی طرح کرنے لگا۔ کہ اس عورت شیطان خصلت نے اپنے مکر و فریب کے باعث اپنا سر پردے سے باہر نکال کر اپنے بھولے بھالے خصم کے زانوں پر دھر، بہ منت کہا کہ تو آہستہ آہستہ میرا سر سہلا۔ وہ اس کام میں مشغول ہوا۔

حاصل کلام جس وقت اس برہمن .... ٹھوکر کھائی عورت اُٹھ کھڑی ہوئی اور خاوند کی طرف اشارت کر کے کہنے لگی۔ اس واسطے کہ وہ بے چارہ وہاں سے قدرے ہٹ جاوے کہ وہ برہمن ....

آخر وہ برہمن سادہ لوح اس پُرکار سے مل کر باہر چلا گیا اور اس مکان میں جو اس کے واسطے مقرر کیا تھا، جا بیٹھا۔ تب وہ عورت بدکار و سیہ اختر نہایت ہشاش بشاش ہو کر اُٹھ بیٹھی اور اپنے خاوند کے سامنے ان ہمسائے کی عورتوں کی تعریفیں کرنے لگی۔ اُن کے احسان کے (شکرانے) بجا لائی اور اس کا خاوند بھی اپنی حماقت سے اسی بدکار کی طرح اُن کا مداح ثنا خواں بنا۔ آخر کار وہ عورت دوسرے دن اپنی اسی عادتِ قدیم سے اس پنگھٹ پر گئی اور اس برہمن کو ان سب عورتوں کے سامنے کھڑا کر کے اپنا احوال کہنے لگی۔ شاباش کی امیدوار ہوئی۔

چوتھی خلوت ایک عورت کے اپنے خاوند کے سامنے خرمے کے درخت تلے برہمن بچے کے ساتھ بدفعلی کرنے کی

ان پانچوں عورتوں میں سے چوتھی رنڈی نے کہ جس کے مکر کی شرارت سے پانچوں آسمان کا سپہ سالار بید کی مانند کانپتا تھا شیطان اُس کے مکر کی گلی میں جھاڑو دیتا تھا، اس برہمن بچے کی مسافرت پر رحم کھا کر ایک باغ میں بھجوا دیا اور گھر میں آکر اپنے خصم سے التماس کیا کہ فلانے گنوار کے باغ میں ایک درخت خرمے کا نہایت ہرا بھرا ہے اور اُس کے خرمے بھی بہت اچھے شیریں و خوشگوار ہیں۔ سوائے اس کے یہ طرفہ تماشا ہے کہ جو کوئی اس کے اوپر چڑھتا ہے، عجایب و غرایب اس جہان کے تماشے دیکھتا ہے۔ چاہتی ہوں کہ آج جا کر اس کا تماشا دیکھوں۔ جی بھر کے خرمے بھی کھاؤں۔ سچ جان کہ یہ بات بھی سیر و خوشی سے خالی نہیں۔ غرض ایسے مکر و فریب کے بھرے ہوئے سخن اور ایسی خوشامد آمیز باتیں اپنے خاوند کے سامنے محل بیان میں لائی کہ ناچار وہ اس باغ میں گیا اور اپنی عورت کے کہنے سننے سے اس درخت عالی شان پر جا چڑھا۔

اس عورت بدذات نے اس عرصے میں اس برہمن کو جسے اس مذکور کے پہلے ہی اس باغ میں تن تنہا روانہ کر دیا تھا اور وہ بھی ایک کونے میں بیٹھا ہُوا اس کی راہ تک رہا تھا۔ اشارات سے بلا لیا غرض وہ برہمن عیار پیشہ کہ اس فن میں استاد کامل اور فاضل بے بدل ہو چکا تھا بے اختیار دوڑا

....

.... اس کا خاوند اس کار بد کو اس حالت میں اوپر سے دیکھ کر نہایت غضبناک ہوا پکار پکار کر کہنے لگا کہ اے پچی حرام زادی بدکار یہ کیا کارِ بد کر رہی ہے شرم نہیں آتی۔

اس عورت نے ہرگز اس کی طرف متوجہ ہو کر جواب نہ دیا۔ اس بات سے اور بھی غضب کی آگ اس کے تن بدن میں بھڑک اُٹھی اور ہاتھ پاؤں میں تھرتھری سی پڑ گئی تحمل نہ کر سکا وونہی اترنے کا قصد کیا جب تک وہ اُترے تب تک اُس برہمن نے نہایت چستی و چالاکی کر کے اپنے سمند بادپا کو اس کی شاخ سیمیں سے نکال کر راہ پکڑی۔ مصرع

سچ ہے طریق دوست ہے چابکی و چستی

اس عورت بجلی نسبت نے خاوند کے آتے آتے............کہا اے نادان مت کھوئے کیا تیرے دماغ سے جنون نے عقل کو بالکل نکال ڈالا جو تونے لاحاصل اس طور کا شور وغل مچا رکھا ہے شاید تو اپنی رسوائی سے نہیں ڈرتا اور اس ذلت کا اندیشہ نہیں کرتا تو ہی انصاف کر کہ سوائے تیرے اس جگہ اور کون سامرد ہے کہ جس کے ساتھ تو مجھے بدکاری کی تہمت لگاتا ہے۔

پھر اس عقلمند نے بھی جو خوب سا غور کر کے دیکھا سوائے اس عورت کے اور کسی مرد کو نہ پایا حیرت زدہ ہو کر کھڑا رہ گیا۔ ندان سوچ کر جی میں کہنے لگا یقین ہے کہ یہ تماشا پردۂ غیب سے دکھائی دیا نہیں تو ممکن نہیں اگرچہ کیسی ہی عورت فاحشہ و بدکار روزگار ہو تو بھی اپنے خاوند کے سامنے اس بیباکی اور اس بے حیائی کے ساتھ ایسا کار بد نہیں کر سکتی۔

وہ عورت مکرہائی خصم کے متامل ہونے (سے) اپنی عقل رسا کے باعث اس کے جی کی بات دریافت کر گئی وونہی شوخی و دم بازی سے مردانہ وار کلام نہایت دلیری سے کرنے لگی۔ غرض اسی وقت کاچھ باندھ کر درخت پر چڑھ گئی جب اس کی ٹہنی کی پھننگی پر پہنچی وونہی نیچے دیکھ کر باآواز بلند کہنے لگی اے گھر کھوج مٹے گردن ٹوٹے یہ کیا بے حیائی ہے اور یہ کیسا کار بد ہے............

............اگرچہ تیرے بخت نے تجھے صواب کی راہ سے منحرف کیا ہے تو بھی لازم تھا کہ تو ایک کونے میں جا کر اپنا منہ کالا کرواتا یہ کیا کہ یکبارگی اس بے حیائی سے آنکھوں کا حجاب کھوتا اور شرم کا پردہ دل سے اٹھا کر پھاڑ ڈالتا یا اس سے کار بد میں مشغول ہوتا یقین جان کہ یہ بدبختی و بدذاتی کی انتہا ہے۔

اس بات کے سنتے ہی اس مرد عاقل نے کہا جانی پس عبث عبث غل نہ کر چپ رہ معلوم ہوا اس درخت کا یہی خواص ہے کہ جو کوئی اس درخت پر چڑھتا ہے نیچے والے کو اسی احوال بد میں گرفتار دیکھتا ہے یہ سنتے ہی وہ عورت مکرہائی جلدی جلدی اس درخت سے اُتر آئی اور اپنے خاوند سے کہنے لگی واہ واہ یہ کیا اچھا باغ تماشہ دیکھنے کی جگہ ہے کہ میوے کے میوے کھا دیں جہاں کے عجائب وغرائب تماشہ دیکھیں۔ اس نے کہا بی بی پتھر پڑیں اس تماشے پر بلا کھائے اس کے عجائب وغرائب تماشے کو کیونکہ یہ لوگوں کو اس رسوائی کی تہمت لگاتا ہے۔

حاصل کلام وہ عورت شیطان سیرت اپنے ایسے مکروفریب کے باعث اس جگہ سے

جیتی جاگتی گھر آئی پھر دوسرے دن اپنی اسی عادتِ قدیم سے اس تالاب پر چلی گئی. آخر اس برہمن بچے کو ان سب بی بیوں کے سامنے کھڑا کر کے اپنے احوال کی کیفیت سے مو بہ مو ان سبھوں کو آگہی بخشی

بیت ـ

یہ خصم کے سامنے چاہے ہیں جو کرتی ہیں سو
بے جگر ہوتی ہیں یہ ان کے جگر کو دیکھ لو

اس سخن کے سنتے ہی اس عورت کے مالک۔ بالاتفاق حکیم کے پاؤں پر سر دھر کر کہنے لگے، صاحب اب اس اپنی مہربانی اور اس احسان بزرگ سے ہم سبھوں کو بے دام و درم کے مول لو اور اپنے غلاموں میں داخل کرو۔ برائے خدا جس قدر اس بے چاری کے حق میں کوشش کر سکو، نوازش فرماؤ۔ حکیم اس وقت اُن کی دلداری و دلجوئی کر کے رخصت ہوا۔

جب خورشید کا بیضۂ زریں اُفق کے بطن سے نکلا، اس حکیم کامل استاد نے کئی انڈے کبوتر کے زعفران سے زرد کئے تھوڑا سا لہو سفید بط کا ایک کوری ہنڈیا میں رکھ کر اپنے تئیں وہاں پہنچایا۔ اشارہ کیا۔ وونہی اُن لوگوں نے اِس کے حکم کے مطابق وہ ہنڈیا ایک چپنی سے ڈھانپ دی۔ پھر کہگل کر کے ایک جلتے ہوئے چولھے پر چڑھا دی۔

آخر جتنے چھوٹے بڑے اس گھر کے تھے سب کے سب اس عورت کے گرد حلقہ باندھ کر قدرے تفاوت سے کھڑے ہوئے جس وقت اس ہانڈی نے جوش کھایا وہ جھوٹ موٹ کا جن فریاد و فغاں کر کے کہنے لگا کہ میں جلا میں خدا کے واسطے اب مجھے چھوڑ دو میں پھر کبھی اس عورت کو نہ ستاؤں گا بلکہ ادھر منہ نہ کروں گا۔

جب اس طور کی باتیں مکر رسنی حکیم نے کہا اس جن سے اگر تو عہد کرے اور میرے سامنے قسم کھاوے تو البتہ تجھے جیتا چھوڑوں، وونہی اس عورت نے بڑھ کر کچھ افسوں حکیم کے کان میں پھونک دیا کہ اس نے سب سے کہا اب اس ہانڈی کو کہیں گاڑ دو انھوں نے وہی کیا۔

پھر اس جن یعنی اس عورت کہا کہ تو سب اپنے خویش و اقربا کو جمع کر، جب وہ جمع ہوئے، عورت کہنے لگی کہ تم سب مجھے ایک اچھے خاصے نفیس و لطیف بھاری جوڑے سے آراستہ کرو ہر ایک طرح کے عطر و ارگجے بساؤ اور ایک بڑے سے محافے میں کہ جس کے پردے کارچوبی ہوں اس میں سوار کر کے ایک تو بیش قیمت اس پر ڈالو اچھے خاصے سگھڑ گانے والوں کو بلاؤ چار آدمی میرے محافے کو اپنے کندھوں پر اٹھا کے سات بار اس انگنائی میں پھریں۔

حکیم نے کہا اے عورت یہ شوکت و شان قابل بادشاہوں کے ہے سچ جان یہ غریب و مسکین اس عہدے کے سرانجام سے ہرگز عہدہ برآنہ ہو سکیں گے اس کر و فر کو بالائے طاق رکھ کر کچھ سہج سی فرمائش کر اس عورت نے کہا اے حکیم دانا تو خوب جانتا ہے۔ مصرع:

جس کی ہمت جس قدر ہے اُتنی ہی ہے اس کی فکر

جب یہ مبالغہ حد سے گزرا چار و ناران بے چارون نے دہی کیا، آخرہ وہ حکیم اس چنڈول کے اندر جا بیٹھا اور اُس کی زلف مسلسل عنبر آمود کو کہ جس کے بالوں کو ہر ایک بال سوختہ سو نافہ ختنی کا مول تھا پکڑ کر کچھ پڑھنے لگا جھوٹ موٹ ہونٹ ہلانے اور عورت کے خصم نے اپنے اور اس کے خویش واقربا سمیت اس کے محافے کو کندھے پر اٹھا لیا۔

اتنے میں حکیم نے اس کے پردے چاروں طرف سے ڈال کر اس عورت حور فریب و رعنا شمائل کو گلدستہ کی مانند اپنی خاطرخواہ گلے سے لگالیا اس کی کندن سی شاخیں اپنی کمر کا حلقہ کرکے اس کا طلسم سر گنج سے توڑا وہ بے چارے اس کا محافہ کندھوں پر دھرے ہوئے آہستہ آہستہ صحن خانے میں پھرتے تھے اور وہ بی بی اس پردے میں اپنی خاطرخواہ کام کرنے میں مشغول تھی یہاں تک کہ بعد اس تداخل و تخارج کے جس وقت اس حکیم کے مغز سے لُولُوئے شہوار اس عورت کی جواہر نگار ڈبیا میں پڑا ووہیں اس حکیم مکر کی کسوٹی پر چڑھے ہوئے نے محافے کے پردے اٹھا کر کہا جلد اس چنڈول کو نیچے اتار دو۔

اتنے میں اُس عورت مکرہائی نے کہ وہ اپنے کام میں استاد کامل تھی آنکھیں کھول دیں۔ ہر ایک سمت نگاہِ حیرت آلود سے دیکھا۔ نہایت آہستہ آہستہ اپنی آواز درد آمیز سے پوچھا۔ تو گویہ ایسی مجلس ہوشربا کس کے لئے آراستہ ہوئی ہے اور یہ پالکی اس تیاری سے کیوں سجی گئی ہے۔ اس بات کے سنتے ہی ہر ایک زن و مرد کا جی خوش ہوا خصوصاً اس کا خاوند نہایت ہشاش بشاش ہو کر کہنے لگا۔" جانی کیا پوچھتی ہے، یہ مجلس اس دھوم دھام سے صرف تیرے واسطے جمائی گئی ہے۔ اتنی تیاری تیری ہی خاطر ہوئی ہے۔"

آخر اس عورت مکرہائی نے اس داستان کو بطور انجانوں کے سر سے پاؤں تک سنا، پکار کر کہا سبحان اللہ اس قدر بھیڑ بھاڑ میرے واسطے ہووے اور میں ہی اس بات سے مطلق آگاہ نہ ہوں۔ القصہ وہ حکیم نیک ذات بہت سا زر و جواہر اُن لوگوں سے حق السعی لے کر نہایت عزت و حرمت سے رخصت ہوا۔

دوسرے دن جب عروسِ خاوری مشرق کے محافے سے نکلی۔ وہ عورت کامل فن اس برہمن بچے کو اس تالاب کے کنارے لے گئی اور اپنے اس احوال نادر طراز سے ان سب ہمجولیوں کو آگاہ کرکے موردِ تحسین و آفریں کی ہوئی۔ وہ اس کے بات کے سنتے ہی سو سو بار کہنے لگیں "مرحبا و جزاک اللہ" بلکہ اس مکرہائی کو اس کارستانی میں آپ سے بہتر سمجھیں:

آخر کار ان پانچوں عورتوں نے کہ وہ مکر و فریب کے وجود کی خاطر بمنزلہ حواس خمسہ کے تھیں۔ اس برہمن بچے کو رخصت کر کے کہنے لگیں۔ اے نادان اب تریا بید کے علوم سے آگاہ ہوا اور اس کی پوشیدگی و باریکی کا احوال دریافت کیا، دیکھ تیری عورت صاحبِ عصمت و پاک دامن نے تجھے تربیت کرنے کے لئے یہ کیا شیوہ اختیار کیا ہے اور کس واسطے تجھے غربت کے میدان میں ڈالا۔

برہمن اس بات کے دریافت کرتے ہی ان عورتوں کا بال بال ممنون و احسان مند ہوا اسی گھڑی ان سے رخصت ہو کر از بسکہ غضبنا کی و خفگی کے ساتھ موچھوں کو تاؤ دیتا ہوا ایک جوش و خروش سے بھرا اپنے گھر کی طرف چل نکلا۔ تھوڑے ہی دنوں میں منزلیں طے کر کے اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ مطلق اپنی جورو کی طرف رُخ نہ کیا اتنے میں وہ عورت خاوند کی کم التفاتی کے باعث اپنی عقل رسا سے پہچان گئی کہ ایں! یہ معاملہ کیا ہوا اور یہ کیوں ہر گھڑی اپنی مونچھوں پر تاؤ دئے رہا ہے۔ بالفعل اپنی مصلحت کی رو سے اس مرغ نو آموز کا رشتہ ڈھیلا رکھا یعنی جو کچھ اس نے کہا، بطور لونڈیوں فرمانبرداروں کی طرح مان لیا۔

جب عروسِ مہر مغرب کے حجرے میں داخل ہوئی، اُس عورت کے یار نے اس کے خصم کی آنے کی خبر پا کر یہ بات اُس عورت کو کہلا بھیجا کہ محبت و دوستی، یاری و وفاداری اس وقت بالکل معلوم ہوگی۔ اخلاص و پیار کا زرِ نقد امتحان کی کسوٹی پر اب پکا نظر آئے گا کہ آج رات پھر اپنے قدم مبارک سے اس مشتاق کے کلبۂ احزاں کو روشن کرے۔ اپنے جمال باکمال کے دیدار سے اس آرزومند کی آنکھوں کو روشنی بخشے۔ مصرع: آ جلد ارے او دل کے میرے مونس و غمخوار

یہ بات سُن کر وہ عورت کہنے لگی۔ بیت:

دل مرا گو کہ ہے اس دہر میں اُس مفلس نے گنجِ قاروں کا جو رہتا ہے طلب گار سدا

دل تیرے وصال جمال نوازی کی دولت کا آرزومند ہے لیکن اس مقام میں کہ یہ چرخ کج رفتار و ناہنجار ہمیشہ ایک وتیرے پر نہیں رہتا، آج کی رات تیرے حضورِ پُر نور کی سعادت میں حاضر ہونا نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہ تقصیر بے اختیاری ہے اس لئے کہ مکر و فریب کا پانی سر سے گزر گیا۔ مصرع:

شرمندہ میں ہوئی ہوں بہت اس گناہ سے

لیکن امیدوار تیرے فضل و کرم سے، دامن سے چھپا دے جس صورت سے ہو سکے آج ہی رات مفارقت مایوسی میں کاٹے۔

اُس نے ہرگز اس بات پر خیال نہ کیا بلکہ اس کے دامانِ حال کو ہٹ کے ہاتھ سے پکڑ کر یہ مصرع پڑھا۔ مصرع:
بے تمے مجھ کو خوشی اپنے نہیں جینے کی

قسم ہے اس خدائے کریم کی کہ جس نے میرے مرغِ دل کو آتشِ عشق کیا ہے میری محبت کا سودا میرے دماغ دل میں دیا ہے۔ اگر.................. تو میں ایک خنجر تیز سے (پیٹ) اپنا پھاڑ ڈالوں گا اور اس دل کو جو میرے اختیار میں نہیں اپنے سینۂ بے کینہ سے نکال کر پاؤں میں مل ڈالوں گا خاک میں ملا دوں گا کیوں کہ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک ہی بار قیامت کے دن تک کی جدائی حاصل کروں جہان سے اُٹھ جاؤں۔

وہ عورت کہ اپنے یار کی خاطر عاطر نہایت عزیز رکھتی تھی۔ آزردگی اس کی گوارہ نہ کر سکی یہ بات قبول کر بیٹھی۔ آخر اس کٹنی کو جو اس کی محرم راز تھی.................. چلی گئی۔

جب وہ برہمن پاؤں پھیلا کر سو رہا..................

....

متوجہ ہوا اور جو کدورت و بد دماغی اس کی طرف سے رکھتا تھا بالکل اٹھا کر نہایت گرم جوشی و خوش اختلاطی سے اچھی اچھی مہر و اخلاص کی بھری ہوئی باتیں کرنے لگا بلکہ متوجہ اس بات کا ہوا کہ وہ عورت بھی شیوۂ دلبری و دل جوئی اختیار کر کے اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے دل فریبی کرے تمنائے دل بالکل نکلے پر یہ آرزو اس کی مطلق نہ بر آئی اس لئے کہ اس عورت نے اس بھید کے کھل جانے کے ڈر اور اس پردہ دری کے خطرے سے ہرگز زبان نہ کھولی تو بھی اس برہمن بچے نے نہایت محبت و مہربانی سے کہا جانی تو تو ہمیشہ ناز و کرشمے کیا کرتی تھی رات دن شوخی و غروری سے صحبت رکھتی تھی۔ باتیں دل فریب اور روح افزا اپنی زبان نادر بیان سے محل بیان میں لایا کرتی تھی آج کی رات کیا ہو گیا کہ ایک حرف اپنے غنچۂ دہن سے نہیں نکالتی کس واسطے اپنی لسان کی بُلبُل خوش لہجے کو صفیر سنج نہیں کرتی۔ مصرع
گئے کرشمے کہاں اور وہ عتاب کہاں

جب کہ اس عورت نے اس سے ہم کلام ہونے میں مصلحت نیک نہ دیکھی بات نہ کی اور وہ برہمن اس مقام میں کہ اپنی جورو کی بد وضعی، بدخصلتی اور اطوار ناشائستہ و ناپسندیدہ سے لالہ کی مانند اپنے دل پر غم والم کے داغ رکھتا تھا اس کی بد ذاتی کی آگ سے کباب ہو رہا تھا اس حالت میں اس کے

دل سے صبر و شکیبائی کی طاقت طاق ہو گئی تھی نہایت غضب ناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور ایک تیز سی چھری میان سے نکال کر بلا تحاشہ اس عورت کی الف سی ناک جو اس کی جورو کی نائب و مناب تھی اس کی صورت کے صفحے سے حرف غلط کی مانند اڑا دی اور پاؤں پھیلا کر سو رہا۔

جب وہ بے چاری کٹنی اس کی اس خدمت و محرمیت کے باعث اس عالی نتیجے کو پہنچی اور اس جاں نثاری و خدمت گاری کے بدلے جو اس بی بی کی بخوبی کی تھی اس مہربانی و نوازش سے سربلند ہوئی شکر و سپاس کے مراتب بجالائی سچ ہے۔ مصرع

ہر عمل کا ہے اجر اور ہر کئے کی ہے جزا

آخرکار جب اس برہمن نے دیکھا کہ یہ کام میرے ہاتھ سے نکلا اپنی ہمت و جرأت کو بہتر سمجھا اور لحاف تان کر خراٹے لینے لگا پچھلے پہرے وہ عورت اپنے یار سے رخصت ہو کر گھر آئی آہستہ آہستہ اس کٹنی کو اپنے آنے سے آگاہ کر کے اشارت سے پوچھنے لگی بی بی رات کیوں کر کٹی تجھ پر کیا گزری اس نے کہا کیا پوچھتی ہے تیری دوستی میں ناک برباد ہوئی۔

اس عورت مکارہ نے یہ بات سن کر وونہی اس کو رخصت کیا اس عذر خواہی کو دوسرے وقت پر موقوف رکھا اور آپ ایک کونے میں بیٹھ کر جناب الٰہی میں نہایت عاجزی و بیکسی سے مناجات کرنے لگی کہ اے کریم کارساز تجھ پر ہر ایک کا احوال پنہاں و پوشیدہ ظاہر ہے اور ہر ایک کی شب تار کا فعل نیک بد تیرے اوپر روز روشن کی طرح ہویدا ہے اگر تو جانتا ہے کہ میری عصمت کا دامن گناہ کی آلائش سے پاک ہے اور میرا پاؤں ہرگز صواب کی راہ سے ڈگ کر عصیاں کی گلی میں نہیں پڑا تو ابھی اپنے فضل و کرم سے مجھ بے کس و بے بس کو بخش اور اس آفت نامناسب سے رہائی دے اے ہر ایک کی ماہیت کے جاننے والے واسطے اپنی خدائی کے میری ناک جوں کی توں ہو جائے، بعد ایک دم کے آپ ہی اپنے سر کو نہایت عجز و انکساری سے خاک منت پر دھر دیا اور اپنی طوطی زبان کو شکر کے شکرستان میں صفیر سنج کر کے کہا۔ نظم

اگر ہر بن مو ہو میری زباں — نہ ہو شکر کا تیرے تو بھی بیاں
تیرا گو ہر شکر اے ذوالجلال — پر اُوں میں اس کو نہیں یہ مجال
کرے تیرے احسان کا جو بیاں — میری ناطقہ کو یہ طاقت کہاں

جب اس برہمن نے اپنی جورو کی زبانی اس طور کی مناجات کے ساتھ خدائے کریم کی

درگاہ میں شکر و سپاس کے کلمے سُنتے ہی وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور چراغ ہاتھ میں لے کر اس کے پاس گیا اس واسطے کہ اس کا احوال دریافت کرے اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ یہ بات سچ ہے یا نہیں جب اس نے خوب غور کرکے دیکھا اس عورت کو ہر ایک عیب سے مبرا پایا کیوں کہ اس کی ناک اپنی اسی اصلی حالت پر تھی.

جونہی اس عورت کو اس احوال سے دیکھا بے اختیار ہوکر حیرت کے بھنور میں ڈوب گیا بلکہ اپنے کئے پر نادم ہوا آخر اپنی گردن اس کے بار احسان سے جھکا کر رام رام کرنے لگا اور اس کی پاک دامنی کا حد سے زیادہ اعتماد کیا. آخر اس تقصیر کی عذر خواہی میں اپنا سر اس کے پاؤں پر دھر کے ہر ایک طرح سے اس کو شائستۂ اعتماد و مصدرِ اعمال حسنہ جانا اور مظہرِ افعال حمیدہ سمجھ کر اس کو پھر اسی کی رائے پر چھوڑا. بیت ؎

جو کوئی ان پہ جی لگاتا ہے

وہ بے چارہ جہاں سے جاتا ہے

قصّہ

اس کے ہوا خواہوں کی پھرنئے سر سے پند و نصیحت کی مجلس کے سنوارنے اور جہاندار سلطان فرہادفن کو نصیحت کرنے اور اُس کے نہ ماننے کا

ان کی نصیحت آمیز باتوں کو عشق مصلحت دشمن کے فرمان قہرمان کے بہ سبب جب عورتوں کی غیبت کے فرمان نویسوں اور رنڈیوں کی مذمت کے لکھنے والوں نے اپنے کلام کے گھوڑے کو صفحہ بیان کے میدان وسیع میں جولاں کیا اور جہانداری کے دولت خواہوں مملکت سلطانی کے نیک اندیشوں نے جو اپنا صفحہ باطنی اخلاص و محبت کے نقشوں سے مُرتسم اور لوح جبین سجود بندگی سے مزیّن رکھتے تھے، اپنے اس گمان پر کہ ہماری تدبیر کے تیر نے مقصد کے تودے میں گھر کیا، جہاندار سلطان کی مرضی کے موافق اُس کی خدمت میں حاضر ہوئے پھرنئے سر سے اس کے روئے حال پر پند و نصیحت کے دروازے کھولے نصیحت کا جوہر آبدار اس کے دامن حال میں ڈال کر کہنے لگے۔

اے شاہزادۂ عالی خاندان، واے عاشقِ والا دودمان، باوجود اس کے کہ ان عورتوں کے مکر کی کیفیت تیری خاطر انور میں مفہوم ہو چکی ہے۔ افسوس صد افسوس تجھ سا بادشاہ عالی مقدار، والا دانش، کامل عقل، بالغ خرد، کہ تیرے جلال کی دھاک اس عالم میں مشرق سے لے کر مغرب تک پہنچی ہے بلکہ تیری تیغ گیتی ستاں کے ڈر سے اس جہان کے تمام بادشاہ جس صورت سے کہ ہوا کے چلنے سے بید کانپتا ہے، تھرتھراتے ہیں۔ ان عورتوں بدبختوں کی محبت و الفت میں مبتلا ہو کر کہ سوائے مکر و فریب کے ان کی ذات ناپاک سے کچھ اور متصور نہیں ہوتا، اس ربع مسکون میں عبث عبث اس فطرتی اور دون ہمتی سے مشہور ہونا تیرے حق میں اچھا نہیں۔

اس مقام میں کہ شہزادہ عشق مصلحت سوز کی شراب سے مست و مدہوش ہو رہا تھا اور محبت جان افروز کے نشہ، سرشار سے مسرورِ شوق تھا، ان نصیحت کرنے ماروں کے سخن پند آمیز [کو] نہایت بے قدر و بے وزن سمجھا بلکہ ان کی نصیحت کے جوہر آبدار اور ان کے پند کے موتی شہوار [کو] ہیچ و پوچ خیال کیا۔ غرض اُن کی نصیحت کے نقشوں نے اُس کے دل کی تختی پر ہرگز نقش نہ پکڑا اور نہ ان جادوگروں کے جادو نے کچھ اس پر اثر کیا بلکہ وہ پند و نصائح محبت کے زیادہ کرنے والے ہوئے۔ شوق کے بڑھانے کا سبب بنے۔ ابیات

آتا ہی نہیں عشق کو خوش کنج سلامت
بھاتی ہے اُسے کوئے مذلّت کی ملامت

ہوتا ہے غمِ عشق نصیحت سے دوبالا ہوتا ہے وہ اس چرچے سے مشہور زیادہ
ہے عشق کے بازار کی رسوائی نگہبان کرتی ہے جِلا عشق کے زنگار کو ہر آن

آخر کار تدبیر کرنے والوں، نصیحت دینے ہاروں نے اپنے رٹے حال پر عاجزی وغریبی کے نقش کھینچ کر اس کام کی سعی سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس احوال کی کیفیت اور اس واردات کی ماہیت کو بادشاہی تخت کے گوشہ نشینوں، سریرِ سلطنت کے واقف کاروں کی وساطت سے بادشاہ کی جناب عالی میں اظہار کیا کہ جہاں پناہ داناؤں، عقلمندوں، حکیموں، بیدار خردوں نے دانش کے آئین حکمت کے قوانین سے جس قدر ہو سکی، شہزادے کے دل کی بیماری کے دفع کرنے کے لئے کوشش کی، پر اس سعی سے حاصل نہ ہوا اس محنت نے کچھ فائدہ نہ بخشا۔ سچ ہے جس کسی کے دل میں اس شہنشاہِ عشق عرش جناب نے گھر بنایا اور اپنے شوق کا نشان کہ وہ آسمان سے لگا ہوا ہے گاڑا اپنے دیوانہ پن کا نقارہ اس چشمِ عنصری کی چاروں طرف بجایا۔

پس اس مقام میں اس عقل کے کوتوال کی کیا چلے یہی کہ گردنیاں کھا کے نکالا جاوے اور اس کی بارگاہ کے جنگ کرنے والوں کے سامنے تمام جہان کے کاروبار کہ بلائے روزگار ہیں نیست و نابود نہ ہوں تو کیا ہوں اب تک یہاں دوسرے کا کیا مقدور کہ اس کی طبیعت میں گھر کرے۔

سچ جانئے کہ عشق بلائے عظیم کا ایک دریائے مواج ہے اور عقل شعلہ آتش پر خشک گھانس کی مانند عشق دنیا کا برباد کرنے والا، آندھی اور طوفان ہے اور خرد ایک چھوٹا سا چراغ یتیم پس جو زخم کہ عشق جنوں انگیز کے بھالے کی ہول سے ناسور ہو گیا ہو عقل آلودہ مرہم کے پھائے سے کب انگور لاوے۔ جو درخت کہ عشق کے پانی سے دل کے چمن میں ہرا ہوا ہو اس کا گل شیدا دانش مندی کی بادِ خزاں سے کب مرجھا دے۔ مثنوی

رکھتا ہے یہ عشق لاکھ شعلے جلتے ہوئے، سینے میں بھڑکتے
جب آتش عشق کو جلائیں دانا و خرد جھلس ہی جائیں
گر آہنِ گرم تک یہ پہنچے سو زہرۂ آہن آب کر دے
عازم یہ کہیں کا جب کہ ہووے مرکب پہ چڑھے یہ بت لہو کے
چاہے ہی نہیں یہ فیل و اشتر ہودج یہ کسے ہے پشتِ غم پر
ہے شاہ جہاں یہ بے لڑائی صحرا کی ہے اس کو بادشاہی
ہے خونِ جگر سے اس کو پیوند ہے طوق جنوں سے یہ جلی بند

جب بادشاہ نے اس داستان کو اپنی بارگاہ کے دانش مندوں کی زبان سے سنا ویں ہی اس کے دل کا ملک یاس و مایوسی کے لشکر سے پامال ہو گیا غم کی برق جاں سوز سے اس کی خاطر کا کھلیان بھڑک اٹھا ناچار اپنے تمام دانش مندوں بالغ عیاروں کو جو پایہ سریر جہانبانی میں حاضر تھے خلوت خانے میں بلوا کر مصلحت کی مجلس جمائی۔ شہزادے کے اچھے ہونے کے باب میں نہایت جستجو کی غرض ان مدبروں، خردمندوں اور ان عقلمندوں دانش گستروں نے اپنی اپنی عقلیں زرافشاں جہاں کی آراستہ کرنے ہاریوں اور اپنی دانائیوں نیک مصلحت صواب نماؤں کو جمع کر کے اس کام کرنے کے باب میں اندیشہ کیا۔

آخر کار ان سبھوں کی عقل اس بات پر عاید و راجع ہوئی کہ اب اس شہزادے کا علاج پند و نصیحت سے کرنا بے فائدہ ہے۔ سمجھانے بجھانے سے اچھا کرنے کی توقع رکھنی سرد لوہا ہتھوڑے سے پیٹنا ہے یا ہوا کو مٹھی میں لانا ہے۔ کیونکہ اب یہ کام اپنے اختیار سے جا چکا، مقصد کا تیر قضا کی کمان سے نکل گیا۔ تقدیر سے کوئی لڑ نہیں سکتا۔ خواہش خدا سے مخالفت کرنے کی مجال بندہ نہیں رکھتا، سچ ہے۔ مصرع

کب ہے کسی سوفار پاس تیر قضا کی سپر

جس سے صلاح نیک بہتر یہی ہے۔ بعد اس ہرج مرج کے کچھ ایسی فکر کیجیے کہ جس سے اس نونہال کی تمنا کا غنچہ مراد کے چمن میں پھوٹے اور اس رشک چمن کی آرزو کا نہال امید کے گلشن میں مقصد کے گل و پھول سے لہکے۔ یعنی مہر و ربانو کا باپ اس خوشی کے بھرے ہوئے وصل سے راضی ہووے اور اس سخن مسرت آگیں کو قبول کرے کہ اس نیکی کے گلشن کے گل نسترن کو اس سرو جوئے بار جہانداری سے منعقد کرے۔ ان دونوں مہر و ماہ کو ظاہر و باطن کا بنا بنی بنا دے۔

احوال اس مطلب عالی کے سرانجام دینے کی مصلحت کرنے اور اپنی بارگاہ کے ندیموں کی صلاح نیک سے مہرو ربانو کے باپ کی خدمت میں ایلچی بھیجنے کا

جب بادشاہی خیرخواہوں نے شہزادے کے زخمِ دل کے بھرنے کے واسطے سوائے وصال مہرو ربانو کے کچھ اور مرہم نہ بتایا بادشاہ اس بات کے سنتے ہی نہایت متعجب ہوا اس امر دشوار کے سرانجام دینے اور اس مشکل نقش کے ظاہر ہونے کی تدبیر اپنے وزیروں کامل خردوں ارادتوں سے پوچھنے لگا۔ انھوں نے سریرِ سلطنت کے پائے کو چوم کر کہ یہ آئین خرد دوستوں کا ہے عرض کی جہاں پناہ خردمندوں کی پسندیدہ دانش مندوں کی برگزیدہ یہ بات ہے کہ ایک ایلچی و قاصد نہایت تحف و تحائف جو اس دولت خانہ ابد طراز کے سزاوار ہو اپنے ساتھ لے کر اس عظمت و جلال کی پردہ نشیں کے باپ کی خدمت میں جاوے اور ایک نامہ مطلب و محبت کا بھرا مقصد دوستی سے ملا ہوا اُسے گزرانے موافق اپنی عقل مصلحت آموز کے کہ وہ مقصد کے رستے کی شمع روشن ہے اپنی فکر استوار و رائے زرنگار سے ساتھ مقتضائے وقت و تقاضائے ایام کے اس مجلس نیک خصلت میں جا کر ایسے دو چار کلمے کہ جن کی عبارت مراد کے معنی کی (طرف) جاوے بلکہ مقصد کی برلانے والی ہووے نہایت شیریں سخن و چرب زبانی سے بیان کرے غرض جس صورت سے ہو سکے اس گوہر امید کو کامرانی کے رشتے میں پروئے بہر طور سررشتہ کار اپنے ہاتھ میں لاوے۔

بادشاہ نے یہ بات اپنے خیراندیشوں نیک تدبیروں کی نہایت پسند کر کے دبیر عطارد رقم و منشی بیضا قلم کو ارشاد کیا اس واسطے کہ وہ مدعا کا جواہر آبدار اور مقصد کا گوہر شاہوار بہ آئین شائستہ و قوانینِ برگزیدہ سے رشتۂ تحریر میں گوندھے اور اپنے قلم کے گلگوں باد نہاد کو میدان بلاغت و صحرائے فصاحت میں سیدھا کرے۔

دونہی اس دبیر جادو نگار سحر آفریں نے اپنے بادشاہ جم جاہ کے فرمانے کے بموجب طبع موزوں کی مشاطگی سے لیلائے سخن کی زلف کو سنوارا کاغذ کافوری رنگ پر لکھ کر جلوہ بخشا اور اپنے قلم کی بلبل

معنی نوا کو گلبن یاسمین طراز کاغذ کے صفحے پر صفیر سنج تحریر کیا۔

کیفیت بادشاہ عالی بارگاہ کے نامے کی

بعد اُس خالق ارض و سما کی حمد و سپاس کے کہ جس کے نام کے لکھنے کے وقت قلم جادو نگار نہایت عجز و انکسار سے شق ہو جاتا ہے اور اُس سرورِ کائنات کی آستین نعمت کے گوہر آبدار کو ہاتھ میں لانا کہ جس کی صفت کے فصاحت آباد میں سخن اپنی نارسائی کے باعث خط خط نظر آتا ہے۔ دعا و ثنا کا گلدستہ کہ جس کے گل و پھول یک رنگی کی آب و ہوا کے سینچے ہوئے ہیں بلکہ اتحاد و یگانگی کے گلشن سے سر سبزی پائے ہوئے ہیں اس مجلس پاک بنیاد جہاں بانی فریدوں فر کیخسرو خجستہ منظر زینت افزائے تخت سلطنت و کامرانی، بلندی بخش پایہ سریرِ خلافت جہاں ستانی طراز ندہ محفل دولت فرماں روائی فراز ندۂ علم جہانگیری و کشور کشائی، قوت بازوئے بزرگی و بختیاری، پشت پناہ منجمان بہتری و کامگاری فہرست دفترِ والا شکوہی، طغرائے فرماں حق پژوہی۔ بیت

شاہ قوی طالع و فیروز جنگ

گلبن این روضہ فیروزہ رنگ

کی ثنا و صفت کر کے قلم دوستی شمامہ کے کمیت راست خرام کو میدان دعا طراز میں جولاں کیا جاتا ہے اگرچہ اتنے دن صورت پرستوں کی رسم و آئین کے موافق نامہ و پیغام کے بھیجنے بھجوانے کا کہ وہ بہ سبب اتحاد و دوستی کے نقش و نگار کا زینت بخشنے والا یاری و آشنائی کا گرہ کی مضبوط کرنے ہارا ہے ظاہرا اتفاق نہ ہوا لیکن بحسبِ آگاہ دلوں معنی شناسوں کے کہ وہ دل سے تعلق رکھتے ہیں پس سینہ بہ سینہ دوستی و آشنائی کے قاعدے برادری و محبت کے آئین بدرجہ اتم مستحکم و مضبوط ہیں بلکہ ہمت والا درجت ہماری دوستی کی کلیوں کو کھولنے، مہر و محبت کے گل نسرین و نسترن کے گلستاں ہیں باد نسیم کے پہنچانے میں نہایت معروف و مالوف ہے توجہ باطن فیض مخزن، دلی دوستی کے استوار کرنے، رابطۂ حقیقی کے ربط دینے میں کہ یہ ایک عبارت ہے دلوں کے ملانے روحانیوں کے پیوند کرنے سے کہ جسے حقیقت کے جواہر پہچاننے والے اسرار دقایق کے دریافت کرنے ہارے محبت و الفت کہتے ہیں اس عالم ظاہر و باطن میں سوائے اتحاد و دوستی کے اور کوئی چیز بہتر و افضل یقیناً نہیں اس امر میں

از بسکہ متوجہ ہے۔

یقین ہے کہ اس معنی کا خیال اس فلک شکوہ ثریا جاہ کے دل بے کدورت کے آئینے اور ضمیر کے درپن مصفا گستر میں کہ وہ دوستی و محبت کے نقش و نگار کی صورت دکھلانے والا ہے۔ بے شک و شبہ نقش پذیر ہوا ہو گا لیکن اس مقام میں کہ کام عوام سے پڑا ہے اور یہ گروہ ظاہر بیں، و صورت شناس معنی سے متعلق کام نہیں رکھتا اس واسطے اس نیاز مند درگاہ الٰہی کی طبع اتحاد پرست و مودّت دوست چاہتی ہے کہ محبت و یگانگی کی آراستگی طرفین کے رابطہ یک جہتی و دوستی کی استواری اس اہل جہاں پر بھی ظاہر و ہویدا ہووے اس امر دل پذیر کے محبوب کا رخسار جس صورت سے کہ وہ دوستی و راستی کے حجرے میں جلوہ گر ہے خاص و عام جلوہ گری کرے اور ان دونوں سلسلہ عالی کے اخلاص و پیار کے پائے کی بلندی مہر و محبت کی بنیاد کی مضبوطی قیامت کے دن تک اس عرصۂ روزگار میں استمرار و پائیداری سے رہے۔ سلاطین نامدار و خواقین عالی مقدار کی دستور العمل ہووے۔

اس خلاصہ دودمان عقیدت و اخلاص سر گروہ ارادت نشان حقیقت شناس جاں فشانی کے گھر کی بنیاد و مزاج دانی کے رموز کا استاد عالی خاندان بہار خان کو کہ یہ بچپن سے لے کر جوانی تک خدائے کریم کی عنایت کے سائے اور مہربانی میں پرورش ہوا ہے بلکہ ہمارے ہی حضور مبارک کی خدمت میں کہ وہ فضل و ہنر کی کسوٹی کی چڑھی ہوئی سونے کی کانپ ہے سر فراز و ممتاز اس بادشاہ عالی کی خدمت میں جو تمام جہان کی بادشاہت کے تختوں کا زینت بخشنے والا ہے بھیجا کہ صداقت و یگانگی کا احوال بے وسیلہ غیر کے جس قدر اس محفل خلد طراز سے اُس نے دریافت کیا ہے عرض کرے اور جو کچھ کہ امانت زبانی اسے حضور خاص سے سونپی گئی ہے جناب عالی میں بخوبی گزارے۔

امید اس دائرۂ بادشاہی و دانائی کے مرکز سے یہ ہے کہ اس التماس کی دلہن کے ہاتھ کو قبولیت کی مہندی سے رنگ کر عنایت و مہربانی کے پانی سے یک رنگی کے چمنستان کو سرسبزی ابدی و طراوت سرمدی بخشیں اپنی مہربانی و نوازش کی صیقل سے مغائرت و بیگانگی کے رنگ کو دل کے آئینے سے دور کر کے مرہون منت و احسان مند شفقت کا کریں اور اس دنیائے دوں سست بنیاد میں محبت اخلاص کے محل کی بنیاد عالی کو آئین نو اور قوانین تازہ سے استحکامی و مضبوطی بخشیں۔

پس دانش و بینش کی مسند کے صدر بیٹھنے والوں و فضل و ہنر کے باغ کی کیاری کے سنوارنے ہارو

پر کہ جن کے دل جامِ حقیقت نما ہیں مخفی و پوشیدہ نہیں کہ اس دنیائے پر فساد کے صفحہ تو پیدا اور تختہ نو ایجاد پر مصورِ ارادت کے قلم نے کہ وہ اس جہان کے نقش و نگار کا ظاہر کرنے والا ہے بہتر سے بہتر نقش سوائے یگانگی و اپنایت کے کچھ اور نقش و نگار نہیں کیا غرض بنی نوع انسان کو غیر از دوستی و آشنائی کے اور کوئی عمل سزاوار و مزین نہیں۔

جب کہ یہ موانست والا نسبت ہزاروں خیر و برکت کا سبب ایک خلق اللہ کے درمیان میں ہوئی یقین ہے کہ پادشاہوں فلک اقتداروں اور صاحب سکہ و عالی مقداروں کے درمیان بھی کہ وے تمام مخلوقات سے بہتر اور کارخانہ الٰہی کے نتیجہ اطہر ہیں اور خدائے کریم نے اس گروہ برتر کو تمام موجودات اور ساری ممکنات پر پیمبروں علیہ السلاموں کے بعد مقبول بارگاہ پیدا کیا ہے سبحان اللہ کیا خوب ہوگی مطلب ان مقدموں سعادت آنگیوں کی تمہید اور غرض ان کلموں خیر قرینوں کی شرح سے بے خبر دانائی کی دولت سے محروم سراسر ہیں بلکہ جن کا دماغ اخلاص و پیارگی بوئے جاں نواز سے مطلق آشنا نہیں ان کی صورت ظاہر اپر معنی کے دروازے اصلا نہیں کھلے اگر وہ ایسے کار خیر میں دخل کر کے اپنی رسائی و ترقی کا جانے، گفتگوئے لاحاصل کریں، ظاہرا اپنے تئیں خیر اندیشوں کے لباس میں کہ فی الحقیقت سخن آرائی ان کی برعکس اس کے ہے، ملبوس کر کے اس کار نیک کے محبوب کے چہرۂ زیبا کو کہ وہ حقیقت میں لیلائے دل پذیر ہے، برخلاف جلوہ گری میں لاویں۔

پس وہ والا دودمان، عالی تبار، ان نادانوں کی گفتار نالایق کے موافق اس بات سے اپنی خاطر مبارک کو رنجیدہ و بے حظ نہ کر کے آپ ہی اپنی دانائی ذاتی و قیافہ جبلی سے اپنے دل کے خلوت خانۂ عالی میں کہ وہ جلوۂ تمیز سے مجلا ہے، چشم انصاف بیں اور دیدۂ حقیقت گزیں سے دیکھیں تو بوجہ احسن اس کے جمال کا رتبہ مجلس ظاہری میں جلوہ گر ہووے اور سرور اس نشائے سرخوشی بخش عالم کا کام دل کو حلاوتِ تازہ بخشے۔

سوائے اس کے یہ بات اس شہنشاہ کے تختِ خلافت کے مقربوں کے گوش گزار ہوئی ہوگی کہ اس دوست محبت دوست کے متعلقہ مملکت و قلمرو کی سرحد کے جتنے سرکش تھے اپنی سات پیڑیوں سے فرماں بردار تابعدار تھے بلکہ دائرے کے نقطے کی مانند اطاعت کے حلقے سے ایک سرمو تجاوز

نہ کر سکتے تھے۔ کچھ بد ذاتوں کو بداندیشوں کے بہکانے سے ہوا نخوت و غرور کی کہ وہ تمام جہان کے کاموں سے بدتر ہے ان کے دماغ میں سمائی۔ بغاوت و ضلالت کے میدان میں قدم رکھ کر سرکشی اختیار کی۔

بڑے بڑے پہاڑوں اور تنگ تنگ گھاٹیوں کو کہ جہاں انسان کا گزر ہونا نہایت مشکل ہے، اپنی جائے امن و مکانِ خلاصی جان کر اس شہر کی گرد و نواح کے رہنے والوں کے مال و اسباب کے لوٹنے کی خاطر ظلم کا ہاتھ دراز کر کے اپنی ہی جڑ کھودنے کے لئے صحرا میں دوڑ دھوپ کرنے لگے۔

اس مقام میں کہ محافظت و نگہباں خلق اللہ کی کہ یہ جناب الٰہی کی نادر امانت ہے، بادشاہوں عالی خاندانوں کو بدذاتوں گمراہوں کو تنبیہ کرنا اور سزا دینا واجب ہے۔ اس واسطے اپنی فوج کے بہادروں، فتح نصیبوں میں سے ایک لشکر کو ایک امیر والا تدبیر عالی شان، بلند مکان کے ہمراہ کر کے اُن ناپاکوں پر تعین فرمایا۔

جب کہ فتوحاتِ غیبی و فیوضاتِ لاریبی عنایاتِ سبحانی و تائید آسمانی اس عالی خاندان ابد طراز کے شامل حال ہے، نسیم فتح مندی و فیروزی اس اقبال ابد اتصال کے جھنڈے کے مقیش کی ہمیشہ ہوا خواہی کرتی ہے، تھوڑے ہی عرصے میں اس لشکرِ فتح پیکر کے جواں مردوں، پہلوانوں کے گھوڑوں کی ٹاپ سے پامال ہوگئے۔ اس سپاہ جنگ آزمودہ کے ہاتھ سے خاک بسر ہوئے اور یہ بات تمام جہاں کے بدبختوں بدانجاموں کے حق میں باعث عبرت ہوئی دولت پائیدار کی قوت اور آسمان کی مدد و فتوحات سے کہ وہ اس خاندان مبارک کے ساتھ نسبت رکھتی ہے دل جمعی و خاطر تسلی ہر ایک اہل جہاں کی ہوئی۔

سچ ہے جو کوئی اس واحد ذوالجلال کے برگزیدوں اور اس کی درگاہ پاک کے پسندیدوں سے انحراف ہو کر کمر گمراہی پر باندھے یا اپنے غرور باطل سے بلند پروازی کرے وہی اعمال بد اس کا ایسا وبال جان ہوئے کہ وہ پل مارتے خاک مذلت پر تیر کی مانند گر پڑے۔

یہ دو چار سطریں محبت سے بھری ہوئی بمقتضائے دوستی و یک دلی کے لکھی گئیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ اب اخلاص و پیار کی سلک کو آراستگی تازہ، یاری و آشنائی کی بنیاد کو استحکامی بے اندازہ ہوگی۔ امید ہے کہ یہ دولت اقبال کی (شمع) کا روشن کرنے والا بھی مہر و محبت کی رسموں کو مدنظر رکھ کر اپنے احوال

.بزرگ، اوقات سترگ کے سلسلہ مقامات ظاہری اور مطلب باطنی کی درستگی، ظاہر و باطن کی دولت کے پائے کی بلندی، عدل و انصاف کے اسباب کی آراستگی، فتنہ و فساد کے برپا کرنے والوں کی بیخ کنی سلطنت کے امن و امان کے قاعدوں کی تمہید، خیر و سعادت کی بنیاد کی استواری و گفت و شنید، تمام رعایا کے احوال کی رفاہیت و اجرائے کاری، اپنی مہربانی و نوازش کے فیض انور کے جمہور انام و ساری رعایا پر پڑنے اور دین و دولت کے درجوں کی بلندی، فتح و ظفر کے مرتبہ کی مضبوطی سے کہ یہ بادشاہت کے ہاتھ کا نقش و نگار ہے اور یہ نیک خصلت سلطنت و خلافت کے چمن کے سنوارنے والوں کی ہے۔ اس درگاہِ وحدانیت کے نیازمند کو کہ یہ مہر و محبت کی تلاش کا خوگر ہے، آگاہ کر کے اس معنی کو اخلاص و پیار سے کہ یہ رسم نیک وسیلہ پائیدار ہے، بلکہ سبب مرتبہ پاک دوستی کا، کہ حصول مقاصد عالی و وصولِ مطلب معالی جس کے درمیان میں مخفی و پوشیدہ ہیں، کرتے رہیں۔ زیادہ اس کے کمیت خامہ تیز گام کو میدانِ طول و طویل میں جولاں کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس برگزیدہ درگاہِ سبحانی کی سلطنت و کامرانی کا آفتاب عظمت و جہاں بانی کے اوج کا مہتاب مہر و محبت کے آسمانِ ہمیشگی کے فلک عالی شان پر جلوہ گر و تاباں رہے۔

غرض قاصد اپنے بادشاہ عالی جاہ کی خدمت سے رخصت ہو کر تردد کی راہ کا گرم رَو ہوا۔ نہایت چستی و چالاکی سے منزلیں طے کرتا، سفر کی صعوبتیں اٹھاتا تھوڑے ہی عرصے میں مہرو بانو کے باپ کی بارگاہ میں جا پہنچا۔ ادب کے عقلمندی کی رسم کے قاعدے، دانش وروں کے موافق و نامۂ عالی اس تحف و تحائف سمیت بادشاہِ جم جاہ کی خدمت میں گزرانا۔ گزرے بعد اس خط و سوغات کے رسم و آرزو بہ عنوان شائستہ و ادائے بائستہ کے اس پیغامِ زبانی کو بھی گزارش کیا۔

بادشاہ نے جونہی اس التماس کی کیفیت دریافت کی، مارے غصے کے آگ ہو گیا۔ تیش کھا کر آپ میں نہ رہا، چہرے کا رنگ نہایت متغیر ہو گیا۔ آثار بدو ماغی نے منہ دکھلایا۔ وونہی دست رد اس ایلچی کے سینے پر رکھ کر اس کی آرزو و تمنا کے ہاتھ کو قبولیت کے دامن تک نہ پہنچایا۔ نظم

تیوری چڑھا کے ایسی بھویں اس نے تانیاں   دیکھے سے جس کے آرہے قاصد کے لب پہ جاں

تیوری بدل کے اتنے یوں قاصد کو دق کیا   بھیجا جگر کی آگ سے اس کا نکل پڑا

اور اقبال و دولت کے مقربوں نے جو بادشاہ کا احوال اس طرح سے متغیر دیکھا جو اس کے چہرۂ مبارک پر مبرہن ہوا تھا، متحیر ہو کر بطور تصویر کے نقش بہ دیوار ہو گئے۔ بے حس و حرکت ہو کر نہ ہل سکے اور اس ایلچی نے نہایت پشیمانی و شرمندگی سے کھینچ کر اپنی ناامیدی کا محمل مایوسی کے ناقے پر باندھا، پریشانی کا پانی سو نیزے اس کے سر سے گزر گیا اور بادشاہ کا دل پہلے ہی دن اس سے ایسا پھرا کہ دوبارہ دیکھنا ناگوار معلوم ہوا۔

اس واسطے اسی گرمی اپنے منشی معنی آگاہ کو فرمایا وونہی اس دبیر والا تدبیر نے بادشاہ کے فرمانے کے بموجب اپنے قلم کے گھوڑے جلد چلنے والے کی باگ تحریر کے میدان میں لی اور اپنی طبع موزوں اس جواب کے لکھنے میں مشغول کی۔ آخر وہ قاصد بے حصول مطلب اپنے شہر کی طرف متوجہ ہوا۔ ناامیدی کا رستہ پکڑ کر چل نکلا۔

بادشاہ کے خط کا جواب

ایزد پاک کی حمد و سپاس اور سلطنت کی محفل کے صدر بیٹھنے والے، دیباچۂ دانش و فرہنگ زیب دہ تاج و اورنگ، رونق بخش جہانبانی، زینت افزائے تختِ سلطنت و کامرانی، خلاصہ دودمانِ جہانداری، سبب عفو و خلافت و نامداری کی خاطر عاطر پر ظاہر و ہویدا ہو۔ یہ مہر و محبت کا گلدستہ یعنی آپ کا خط مسرت نمط جس کا ہر ایک لفظ دانائی کے صفحے کی نئی فہرست ہے۔ عین ساعت نیک میں کہ طرح طرح کی خوشی شامل حال تھی، بخوبی تمام پہنچا۔ ہماری خاطر عالی کو نہایت شاد و مسرور کیا۔ کئی کلمے اخلاص و پیار کی خبر دینے والے جو بخوبی تمام لکھے گئے تھے، حضور عالی میں گزرے اور اس قاصد فصاحت بیان کی زبان سے اس پیام کا مجموعہ بھی کہ جس کا کہنا اسے ضرور تھا، سمع مبارک کے مجلے میں باریاب ہوا۔

احسان و شکر ہے اس خدائے کریم کا کہ یہ آرزو اس کبریائی جناب پاک کے فضل و کرم اور اس کے بہارستان کی عنایت معظم سے چمن چمن دانش کے پھول و گل اور دستہ دستہ ریحان و سنبل اپنی طبع کے دامن میں رکھتا ہوں اپنی ہمت بلند کے مطابق اور عالی حوصلے کے موافق ہدایت ازلی کے مے خانے سے کہ وہ حقیقت و آگہی کا سرور بخشنے والا ہے اس واسطے دشمن کی مانند اپنا عیب جو ہو کر اپنی معاش و معاد کا محاسبہ عقل معاملہ شناس کے دفتر خاص سے تحقیق کر چکا ہوں پس صاحب

غرض ابلہ فریب کے سخنوں سے فریب نہیں کھاتا حق و باطل، نفع و نقصان کے درمیان میں تمیز رکھتا ہوں اور اس امر کے درپے جو گروہ خاص کی خاموشی کا باعث عوام کے چرچے کا موجب ہو نہیں ہوتا۔

سچ ہے سلاطین عالی شکوہ والا گروہ کہ وے شہرہ آفاق ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو اس دنیا کے مرکز کی مانند تمام جہان کے پھر(نے) والوں سے ممتاز مستثنیٰ کرکے جمہور انام کا مرجع کیا ہے ان کو یہ لائق ہے کہ ہر ایک کام میں خوض کریں بلکہ پہلے ہی سے ضرور ہے کہ پرکار کی طرح مآل اندیشی کے نقطے کے گرد پھریں اس کی نیک و بد کو عقل کی ترازو میں تولیں تب توجہ کا باز اس کام کی ہوا میں چھوڑیں۔

اور اگر آپ عقل باریک بیں ورائے صواب اندیش سے بہرہ وافی و تمتع کافی نہ رکھتے ہوں وزیروں عاقبت اندیشوں کی عقل اپنی رائے صواب کے شامل کریں بلکہ ان سے مدد چاہیں ان کی صلاح صوابدید سے عالی مطلبوں مشکل مقصدوں کے نقش صفحہ ظاہری پر مرتسم کریں جو تحسین و آفریں کے لائق ہوں اس کے حاصل کرنے میں عذر و کاہلی کو دخل نہ دیں، اور معاملے کے بے دریافت کئے ایسی بات زبان پر لانا یا قلم دو زبان کے منہ تک پہنچانا عاقل و ہوشیار تجویز و پسند نہیں کرتے۔

بے شک و شبہ نہ تجربے کاروں کا نتیجہ سوائے خجالت و شرمندگی کے اور کچھ نہیں ہوتا حق تعالےٰ عقل موضوع اور توفیق رہنموں عنایت کرے۔ بادشاہی کا آفتاب ہمیشگی کے آسمان پر جلوہ گر و تاباں رہے۔

قصہ گوہر مراد کے ہاتھ نہ لگنے کے باعث ایلچی کے پشیمان ہو کر پھر آنے اور جہاندار سلطان کے دریائے امید کے پل ٹوٹنے، تاج جہانداری سر سے اتار کے زمین پر پٹکنے، سلسلۂ بے نوائی و غربت اختیار کرنے عشق بلا انگیز کے بہ سبب اور مہر دربانو کے شہر کی طرف متوجہ ہونے کا لباس خاکساری سے

جب کہ ایلچی بے حاصل کئے گوہر مراد کے پریشان و پشیمان ہو کر وہاں سے پھرا، اپنے بادشاہ شہنشاہ کی بارگاہ میں آیا زمین خدمت چوم کر وہ نامہ جدائی کے نقش و نگار سے بھرا ہوا مہر و محبت کے رشتے کا توڑنے والا سریر سلطنت کے گوشہ نشینوں کی خدمت میں گزرانا بادشاہ مراد کی تختی کے اوپر امید کے نقش و نگار کے ظاہر نہ ہونے کے باعث اور مہر دربانو کے باپ کی دوستی و آشنائی کی راہ استوار سے نفرت کرنے کے بہ سبب نہایت ملول و متفکر ہوا اس سبب سے غم و الم نے حد سے زیادہ غلبہ کیا۔

ناچار شہزادے کو خلوت خانے میں بلوایا اس واردات کی کیفیت سے آگاہ کیا بلکہ پھرنے سر سے پند و نصیحت کے دروازے اس کے سامنے کھولے اس کی ہٹ کرنے کی قباحتوں ضد کرنے کی مصیبتوں پر کہ یہ امر محال اور یہ عمل دشوار تھا طرح طرح کی دلیلیں قسم قسم کی حجتیں گزرانیں بلکہ امیدوار اس بات کا ہوا کہ ان نصیحتوں کو گوش قبول سے سن کر ایسے قصد لاحاصل سے ہاتھ اٹھا دے ایسے ارادہ بے فائدے سے درگزرے لیکن اس مقام میں کہ شہزادہ اپنے مطلب کا دریا متلاطم رکھتا تھا اس کی خاطر کے خم خانے میں عشق کی شراب جوش کھا رہی تھی نصیحت کا جواہر آبدار اس کے آگے ایک جَو کے برابر بھی قیمت میں نہ ٹھہرا اور نصیحت کے سخن نیک ہدایت کی راہ دکھلانے والے ہوا کی طرح اس کے کان سے لگ کر نکل گئے۔

یکایک جہاندار سلطان نے اپنے سر کو حیرت کے زانوں سے اٹھا کر عرض کی قبلۂ عالم آپ کے کلمے ارشاد کے بھرے ہوئے اور جہاں پناہ کے سخن عنایت آیات سے ملے ہوئے یہ سب کے سب اس قابل ہیں کہ ان کو دل کی تختی پر کھدوائے آب زر سے لکھوائے لیکن جاننا چاہیئے کہ عشق کو عقل سے بیگانگی ہے اور مغائرت کلی ہیں بطور مجنوں کے عنانِ اختیار جنوں کے دست اقتدار میں دے چکا ہوں، نصیحت کیا

فائدہ بخشے گی عقل کیا کرے گی۔ بیت

سمجھو نہ میرے مغز کو تم جائے نصیحت
اس گھر میں ہے اسباب بہت عیش و طرب کا

القصہ خواہش باطن و شورش خاطر جہاندار سلطان کی حد سے زیادہ گزر گئی۔ شہسوار عشق نے صبر و قرار کی باگ اس کے اختیار کے ہاتھ سے لے لی مجنوں کی طرح اس کو مقصد کے میدان میں سراسیمہ کر کے دوڑانا اختیار کیا۔ ناچار اس نے اپنا گھر بار ملک و مال برباد کر کے آوارگی قبول کی۔ بادشاہت سے فقیری افضل جانی گدائی کو فرماں روائی پر ترجیح دی راحت سے رنج، وطن سے مسافرت کو بہتر سمجھا تاج شاہی اقبال کے سر سے اتار کر زمین پر پھینک دیا۔ گدائی کی ٹوپی کو بے نوائی کے فرق پر رکھا۔

آخر اس جسم نازک کو جو تاش و بادلے سے بھی ننگ رکھتا تھا ٹاٹ و کمبل کے لباس سے ڈھانکا اس چاند سے مکھڑے کو جو گل و پھول سے بھی نازک تر بھبھوت ملا دل سوزاں و دیدہ گریاں کو اپنے ساتھ لے کر جاناں کی جستجو میں پائے شوق و قدم طلب رکھ کر صحرا نورد ہوا۔ قطعہ

ہے عشق عجب جس کی یہ تاراجی پہ آوے ۔۔۔ دے صاحبِ افسر کے تئیں گدڑی پنھادے
کر دیوے سبک تاج حکومت سے سر اُن کا ۔۔۔ لے دلقِ فقیری وہ شہنشاہی کے بدلے

شہزادے کے اس احوال غیرت حال کو دیکھ کر تمام خلقت کے سینے سے ایک آہِ سرد بے اختیار نکلی ہر ایک خورد و کلاں کی چشمِ گریاں سے اشکِ حسرت کی ندی بہی کیا چھوٹے کیا بڑے با یک دیگر دستِ تاسف ملنے لگے حیرت کی انگلی تفکر کے دانتوں سے کاٹنے، ہائے ہائے کی آواز صحن کی ہر ایک گھانس و پتی سے نکل کر آسمان تک پہنچی مرد و زن کی صدائے افسوس چرخ نیلی فر سے بھی گزر گئی۔

تمام ارکانِ دولت عظمیٰ اور سب کے سب اعیانِ مملکتِ کبریٰ اس واقعہ جاں سوز کے سنتے ہی حیرت واندوہ کی شراب سے مست و مدہوش ہوئے بلا تحاشہ دوڑ کر شہزادے کی خدمت میں گئے، سو سو طرح کے غم والم سے بھرے ہوئے آنسو لالہ کی مانند اپنی چشم عبہر سے برسانے لگے غرض پھر نئے سر سے پند و نصیحت اس قصدِ جاں گداز کے موقوف کرنے کا وسیلہ کر کے التماس کیا وہیں اس عقل و ہوش کی دولت سرائے کے مہجور نے اپنے سینے کے آتش کدہ سے ایک آہِ آتش باز نکالی اور ایک نوجان کی جلانے والی شمع کی مانند نہایت شوق سے زبان تک پہنچائی چنگاریوں کی طرح دل و جگر کے

ٹکڑے چشم اشکبار سے اپنے رخسار نازک پر بہاکے کہا۔

اے عقلمند و ہوشیار و اے خیر خواہ و بالغ عیار و اجب کہ روزِ ازل کے تقسیم کرنے والے نے میری قسمت نو آسمان کے طبقوں سے مائدۂ خونِ جگر مقرر کیا ہو، ارادت کے مصوّر نے میرے ماتھے کی تختی پر بدنامی ہی کا نقش لکھا ہو میری تقدیر میں عشق کے رنج و غم، مسافرت کے درد و الم ہوں تو پس کیوں کر راحت کی جستجو کروں. کس طرح رشتۂ نیک نامی اپنے ہاتھ میں لاؤں. بیت

روزی ہوئی کہ غم سے میں خونِ جگر پیوں

کیوں کر شرابِ عیش سے پھر جام بھر پیوں

قضا کے حرف کو تدبیر کی چھری سے ماتھے کے صفحے سے چھیلنا، تقدیر کے ساتھ مقابلہ کرنا انسان کو کہ وہ بندگی کی زنجیر میں قید اور بے چارگی کے احاطے میں محبوس ہے، اتنی مجال نہیں. اب جو میرے دماغ میں جنون سما گیا ہے، شوقِ یار نے صبر کا جامہ گریبان سے تا دامان دجی دجی کر ڈالا ہے، اب یہ کون سا وقت پند و نصیحت کا ہے؟ بلکہ یہ وقت مدد و شفقت کا ہے۔

اگر کر سکتے ہو تو مہر و محبت سے ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ بدل دستگیری کرو نہیں تو مجھ سے اور میرے کام سے باز آؤ تاکہ میں اپنی خاطر خواہ مقصد کے حاصل کرنے کے لئے مطلب کی گلی میں جاؤں. جنگلوں پہاڑوں میں سر ٹکراتا پھروں۔ درد و الم کے ہیرے کی کنی سے اپنے دل و جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کروں. غم و غصے کی سوزن کی نوک سے پائے دل کے تلوے چھید دوں. سچ ہے میرے واسطے بسترِ راحت میری معشوقہ کے کوچے کی خاک مخمل کے فرش سے بہتر ہے اور میرے تکیۂ ناز کو اس کی گلی کا پتھر بہا کے تکیے سے بھی ادنیٰ تو فرد

خرمی وہاں ہے وہ جہاں ہے دلدار

ہے تمنا یہی میں آپ کو وہاں پہنچاؤں

یہ کہہ کر توکل کی رسن استوار کو کہ وہ مقصد کی دلہن کا جمال دکھلانے کے واسطے اچھا خاصا آئینہ ہے، دستِ امید سے پکڑ خدائے کریم کی مہربانی کا سایہ کہ وہ فقر فقیری کی گلی کے سرگردانوں کی پشت پناہ ہے، اس پر تکیہ کر کے عزم کا محمل سفر کے ناقے پر باندھا۔ صبا کی طرح راہ کے طے کرنے میں نہایت سبک رَو ہوا اور اُس توتے کو جو اُس کا دوست و ہمدم و یار و ہم قدم تھا، اپنے ساتھ لے لیا۔

کئی اشراف زادے جو اُس کے ندیم خاص تھے اور اپنے دماغِ حال کو مہر و اخلاص کی بنفشہ د

بادام کے روغن سے تروتازہ رکھتے تھے، انھوں نے ایسے وقت میں اُس کی رفاقت سے منحرف ہونا اس حالت میں موافقت کی باگ سے ہاتھ اٹھانا کہ وہ حقیقت وفا کے مذہب میں کفر ہے، صدق و صفا کی ملت میں شرک بہتر نہ جانا۔ آخر سعادت وفا پرستی و دولت حق گزاری کے حاصل کرنے (کے) واسطے اس کی جلو میں چلنا عزت دارین و افتخار کونین سمجھے ایسے سفر حیرت اثر میں اس کے ساتھ ہولئے۔

قصہ جہاندار سلطان کے ایک دریائے بے کنار کے کنارے پہنچنے اور راہ کی بہت سی صعوبتوں کے اٹھانے کے بعد ایک درویش خضر کیش نیک ذات کی دستگیری سے اس دریائے قعر سے گزرنے اور اپنے رفیقوں و شفیقوں سے جدا ہونے کا

جب جہاندار سلطان درد و دکھ اٹھانے والا مجنوں کی مانند عشق خونخوار کے فرمان جابر سے کہ وہ ہر ایک سمت ہزاروں بادشاہوں نام آوروں کے دلوں کو مہ رویان زہرہ جبینوں کی زلف کے سلسلے سے ہاروت کی طرح چاہِ زنخداں میں لٹکائے رکھتا ہے، گل کی طرح ہوا کے باعث راحت کے گلشن سے آئینہ دل کو اٹھا کر غم والم کے گھوڑے پر سوار ہوا۔ درد و دکھ کے میدان میں توجہ کا قدم رکھ کر شوق و اشتیاق کے قدم (کی) مدد سے جنگلوں کی مصیبت و مشکل، پیادہ پائی کے غم والم کو اپنے اوپر نہایت سہل سمجھتا تھوڑے ہی دنوں میں بہت دور جا پہنچا چاند کی طرح کمال سرعت سے ذری سی فرصت میں بڑی دور نکل گیا۔

قضا کارا ایک دریائے عظیم ایسا کہ جس کا کنارا معشوقوں کی مفارقت کے میدان ناپیدا کنار کی طرح تھا، بلا کہ جس کی لہر...... کی دہشت سے مچھلیوں کے پتّے پانی ہوئے جاتے تھے اور اس کی موجۂ متلاطم کے صدمے سے کہ وہ ہر ایک پہاڑ کی طرح اٹھتی تھی، پتھروں کے سینے پھٹے جاتے تھے، جب کہ بے کشتی اس دریائے قلزم نشان سے پار ہونا امکان کے دائرے سے باہر دیکھا، ناچار وہ شوق کے میدان کا پیاسا اور اشتیاق کے چشمے کا سیراب و آسودہ جو پرندوں سے بال و پر اُدھار مانگتا تھا بلکہ طائر کی طرح اپنی معشوقہ کے شہر میں اُڑ جانے کا شوق رکھتا تھا نہایت عاجز ہوا اور مارے بے قراری کے مچھلی کی مانند ریگستان پر تڑپنے لگا۔

اتنے میں وہ توتا جو اس کے اخلاص و پیار کی ہوا میں اپنی وفاداری کے بال و پر سے اُڑ رہا تھا اس کی بیتابی و بے قراری دیکھ کر جل گیا اور کہنے لگا اے غربت و غریبی کے میدان کے سرگرداں، وائے رنج و بلا کی گلی کے حیران و پریشاں، اب جو تو آپ ہی درد و الم کے اژدہائی پنجرے میں پھنس گیا، عشق کے غم و غصے میں گرفتار ہوا، بس مجھے قید میں رکھنا اور اس پنجرے کے محبوس خانے میں بند کر کے جلانا مصلحت نیک

سے نہایت دور ہے بلکہ صلاح بہتر یہی ہے کہ مجھ سے غلام وفا سرشت کو بے جرم و گناہ کے قیدی بنانا جائز نہ رکھے۔ چاہیے کہ میرے ڈینے کھول کر اس لوہے کے قلعے سے نجات دے۔ جو تیرے کام کی سعی میں بخوبی پرافزی کروں اور تیرے مشکل کاموں کی دوا کے ڈھونڈنے میں چاروں طرف پر مار کر نوح کی مانند ایک شخص پیدا کروں شاید اسی کی مدد سے اس مشکل کے حل کرنے کی کنجی ہاتھ لگے جس سے یہ مشکل آسان ہو جاوے۔

یہ بات سن کر شہزادے نے کہا اے مونس و غمخوار و اے یار و وفادار تو خوب جانتا ہے کہ اس سفر پرخطر میں جو چیز کہ میرے دل کو ڈھارس بندھاتی ہے یا کبھی کبھی غم خواری کرتی ہے، تیری مصاحبت و موالست ہے اس لئے ڈرتا ہوں اگر تو اس پنجرے سے نکلے بے کھٹکے ہو کر ہوائے شوق میں پرواز کرے اور تمام توتوں کی محبت کا شوق بڑا دل میری ہمراہی کی راہ سے پھرا دے اور تیرے ہم جنسوں کی مہر و محبت کا جذبہ تیرے دماغ کو میری صحبت کے نشے سے خالی کرے تو بس یہ غم و الم تیری جدائی کا ایک اور نئے سر سے پیدا ہو۔

اتنے میں اس توتے نے عرض کی اے شہزادۂ عالمیاں اگرچہ مجھ ایسے جانور ضعیف و ناتواں کا قول قابل سننے اور لائق پسند کرنے کے نہیں۔ سچ بھی ہے کہ چھوٹے ہوئے پرندے سے وفا پرستی کی امید رکھنا، یہ شیوہ عقلمندوں ہوشیاروں کا نہیں لیکن جاننا چاہیئے کہ مصورِ قضا و قدر نے اس دنیا کے کارخانے میں موجودات کے ورقوں پر تمام نقش ظاہری کچھ ایک ہی ڈھیرے پر مرتسم نہیں کئے اور مانیِ ندرت نگار نے کائنات کے نقش خانے میں اپنی ارادت کے قلم سے ساری تصویروں کے چہرے ایک ہی ڈھب کے نہیں بنائے، احسان ہے اس خدائے کریم کا جس نے اس طائرِ ناتواں کا خمیر سوائے وفا کی آب و گل کے اور کسی چیز سے نہیں کیا بلکہ اس خاکسار کے مزرعۂ دل میں کہ یہ ایک مٹھی پر کے سوائے نہیں بجز دانۂ حقیقت کے کچھ اور نہیں بو یا۔ فرد

سر کو وفا کے خط سے اٹھاؤں، ہیں وہ نہیں   گو کر دیں مثل خامہ میرا تن جدا جدا

بس تیری خدمتِ عالی میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک تو مطلب کے دریا سے مقصد کا موتی اپنے ہاتھ نہ لاوے گا اور اپنی خاطر خواہ مراد کو نہ پہنچے گا۔ تب تک تیری ملازمت لازم السعادت سے جدا نہ ہوں گا۔ بلکہ ہمیشہ سعی کے پر و بال جاں فشانی کے ہوا میں پھیلا کر تیری خاطر عاطر کی رضا جوئی کو حق تعالیٰ کی خوشی کا وسیلہ جانوں گا۔ قطعہ

بہتر نہیں ہے صاحب دانش کے سامنے   اس دہر میں نہ پوچھیئے جز عہد استوار

دستِ وفا سے تھام لے تو عہد کی کمر وعدہ شکن کہے نہ تجھے، تا کوئی پکار
جان سے نہیں عزیز کوئی اس جہان میں گر ہو وفا نہ اس میں تو ہے ہیچ و نابکار

توتا وونہی اُڑا اور ہوا میں بلند ہو کر اس صحرا کے چاروں طرف اپنی نظر کا پیک دوڑانے لگا۔ ناگاہ اس دریا کے کنارے ایک جھونپڑا کم ہمتوں کی مانند نہایت پست اور ترکوں کی آنکھوں کی طرح بہت تنگ، نظر پڑا۔ بلندی سے زمین پر اترنے کی میل کر کے اس درخت پر جو اس گھر کے پاس تھا جا بیٹھا۔ متلاشی اس بات کا ہوا کہ پردۂ غیب سے یہ راز میرے اوپر کھل جاوے کہ یہاں کون ہے اور ایسے ویرانے میں یہ نشست گاہ کس واسطے آراستہ ہوئی ہے۔ اگرچہ وہ چھپّر نرملا سے بنا تھا پر ہر ایک دروازہ اس کا نیک بختوں کی پیشانیوں کی مانند کھلا تھا اور اندر سے بھی صاحب باطنوں کے طور پر صاف مُصفّا۔

اس میں ایک فقیر نہایت منحنی وحقیر، حقیقت کی گلی کے خاکساروں کے آئین معرفت، آگاہوں کے طریق سے پھٹی ہوئی گُدڑی پہنے نہایت آرام سے ریاضت کی جائے نماز پر بیٹھا، از بس کہ عجز و انکسار کے ساتھ تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے وظیفے میں مشغول تھا۔ یقین کا دبدبہ اس کی پیشانی سے ظاہر، آگہی کی شکوہ مبرہن اس کے نورانی ماتھے پر، دنیا کے کاروبار سے دل کشادہ معشوقوں کی زلفوں کی مانند خاطر شکستہ، وحشت کے نشے سے اس کے دماغ کا ساغر خالی، الفت کے رشتے میں جان اس کی لٹکی ہوئی۔ سفید داڑھی اُس کے نورانی چہرے کے گردوں نظر آتی تھی جیسے آفتاب کے چاروں طرف خطِ شعاع دکھلائی دے، قامت اس کی لباس خاکستری میں معنی کے نور کو اس طرح جلوہ گر رکھتی تھی جس صورت سے شمع فانوس میں منور رہے۔ مثنوی

شگفتہ خاک میں ایک بوستاں تھا چھپا اس گرد میں ایک آسماں تھا
اُٹھا کر خاک سے دستِ تمنّا بنا کر دلق کا ایک تار ٹوٹا
نہ تھا جز زہد کچھ طینت میں اُس کی نہ تھا جز سجدہ کچھ قسمت میں اُس کی
رضا کا اس کی خطِ حکمِ قضا پر دعا کا گل قدر کا تاج و افسر
چراغِ آرزو شعلۂ نظر کا صبح دم اُس کا نورِ جاوداں تھا

جب توتے نے اس درویش کی پیشانی کے تختے کو آئینے کی طرح صاف و مجلّے دیکھا، وونہی ناطق ہو کر ادب کے سرود کی راہ کنے پہچاننے والوں کی مانند اس کی ثنا و صفت کے مجرے کا بجانے والا ہوا۔

درویش کا دل اُس توتے دریائے معرفت کے تیرنے والے کی شیریں سخنی سے جوش میں آیا، وونہی حضرت سلیمان کی مانند اس مورِ ضعیف کے حال پر متوجہ ہوا اور نہایت نوازش و مہربانی سے پوچھنے لگا۔ اے توتے سبز پوش عیسیٰ گفتار کہ تیری لال منقار سے فصاحت کا آبِ زلال ٹپک پڑا ہے، سچ کہہ ایسا کیا کارِ مشکل رکھتا ہے اور اس صورت سے کس کے شوق کی ہوا میں پر پھیلائے اُڑا پھرتا ہے جو تیرے سخن جاں افزا سے بوئے حقیقت و فا دل کے دماغ تک جاتی ہے۔

توتے نے عرض کی اے حقیقتوں کے باغوں کی کیاریوں کے سنوارنے والے معرفت آگاہوں کی محفل کے نکتے دریافت کرنے ہارے مجھ غریب و خستہ کے مدعا کا شاہد خیال تیرے دل نکے آئینۂ جہاں نما میں بخوبی جلوہ گر ہے پس مجھ کمترین کو گستاخی کے گھوڑے پر سوار ہونے سے کیا فائدہ۔ قطعہ

عرض کی حاجت نہیں درگاہ میں تیری مجھے — تجھ دل آگاہ پر ہے رازِ دل کس کا چھپا
گرچہ خورشیدِ فلک عالم کا ہے چشم و چراغ — روشنی بخشے ہے چشمِ خور کو تیری خاک پا

اس صبح نفس خورشید ضمیر نے اپنے دل کو نور کی روشنی سے توتے کا رازِ دل دریافت کر لیا۔ شہزادے کے حاضر ہونے کا حکم کیا۔ توتا اس نوید کے سنتے ہی قرین امید ہوا۔ نہایت شاد و خرم ہو کر کبک کی مانند بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ پھر شہزادے کی خدمت میں اپنے تئیں پہنچایا۔ اپنی لال چونچ کو جو غنچے کی طرح ہو رہی تھی، بادِ نسیم سے گل کی طرح کھولا اور شہزادہ جو غریبی و بے کسی کے درد و الم میں مبتلا ہو رہا تھا بلکہ اپنی چشمِ انتظار سے اسی کی راہ تک رہا تھا۔ توتے کو اس خوش ادائی سے دیکھ کر کھل گیا۔ امید کی بوئے خوش سے ہنس پڑا اور احوال پوچھنے لگا۔

اس مرغِ مژدہ آور نے اس احوال کی کیفیت سے آگاہ کیا، اور اس جامِ وحدت کے سرشار کی خدمت لازم السعادت میں، کہ جس کی نگاہِ فیض دستگاہ امید کے دروازے کی کنجی تھی، راہبر ہو کے لے چلا۔ شہزادہ اس توتے کے اخلاص و احسان کا مو بہ مو مرہون ہو کر اس مسیح دم کی خدمت (میں) سعادت کے حاصل کرنے کی خاطر بلا تحاشا دوڑا۔

جب اس کے آستانِ فیض نشان کے نزدیک پہنچا، درویش کے دیدار پر انوار سے اس کی آنکھیں نورانی ہوئیں۔ نیک بختوں کی مانند ادب کے مراتب مدنظر رکھ کر قدرے آگے بڑھا۔ اس کے دروازے کی خاک پر کہ وہ چشم امید کی کحل الجواہر تھی دو زانوں باادب بیٹھ گیا اور اپنا اظہارِ مطلب اسی فرد

پر اکتفا کیا۔ فرد

مجھ ناتواں کی راہ میں دریا ہیں اور پہاڑ　　اے خضرِ رہنما میری ہمت کی کر مدد

درویش نے کہا اے جوان نیک بخت الحمد للہ رب العالمین یعنی شکر و احسان ہے اس خدائے تعالیٰ کا کہ وہ بندوں کا مشکل کُشا ہے اور مقصدوں کے دروازوں کا کھولنے والا۔ چاہئے تجھے کہ تو اپنے صدق دل سے اس معبود مددگارِ حقیقی کی رسّی استوار دستِ یقین سے پکڑے، سوائے اس کے اور کسی سے تو مدد نہ چاہے، کیوں کہ بجز اس کی ذات کے کوئی یاری و مددگاری کے لائق نہیں۔ پس امید کا قدم توکل کی صراط المستقیم پر رکھ، کہ وہ باآسانی دریائے بے کنارے سے بیڑا پار کرنے والا ہے۔ اگر جانا ہے تو تنہا جا اس لئے کہ مراد کی گزرگاہ نہایت تنگ ہے اور اگر اپنی محبوبہ کا جمال جہاں آرا دیکھا چاہتا ہے تو سوائے خدا کے سب کی طرف سے اپنی چشمِ امید موند۔

شہزادے نے اس درویش خضر کیش کے کہنے سے اپنے نوکروں چاکروں کو چار و ناچار رخصت کیا اور آنکھوں کو تمام جہاں کی طرف سے بند کر لیا۔ مطلب کی راہ میں پائے چشم سے گرم رَو ہوا جونہی آنکھیں موند کھولیں اپنے تئیں توتے سمیت اس دریائے قعر کے دوسرے کنارے دیکھا بیچ ہے۔ قطعہ

طلعتِ درویش جوں درپن ہے اس کا رونما　　روئے مقصد جو دعا سے چاہتے ہیں بادشاہ

ہے فقیروں کی یہ خدمت کا سبب سرتا بہ پا　　قبلۂ حاجات ہیں مقصد کے وہ بے شک ٹلے

اگرچہ اس دریائے متلاطم سے پار ہونا اور اس دانش مند شیریں سخن توتے کا ہمراہ رہنا خوشی و خرمی کا وسیلہ ہوتا ہے اور اس معنی کے قافلہ سالار کا کلام شیریں اس کے دماغ دل کو چاشنی کی حلاوت بخشتا تھا، پر وہ اپنی بے کسی و تنہائی اور اپنے مونس و ہمدموں کی مفارقت و جدائی سے اس میدان پُرخطر و ہولناک میں کہ جس کی پگڈنڈی امردوں کے خطِ رخسار کی طرح نیست و نابود تھی، حیرت کے بھنور میں ڈوب کر نہایت عاجز و حیران ہوا۔

جب کہ اس کی معشوقہ کے شہر کی خواہش نے غلبہ کیا۔ محبت کے جذبے نے اس کے دل کی باگ کو اپنی طرف کھینچا۔ ناچار ہوشیاری و خبرداری کے مراتب بالائے طاق رکھ کر ہر ایک سمت سے طبیعت اٹھا لی۔ ایک طرف متوجہ ہوا، اور مجنوں کی مانند اپنے قدم توجہ کو صحرا نورد کیا۔ از بس کہ غریبی و بے چارگی سے اشک گلگوں کے قطرے اپنے رخسارِ نازک پر برسانے لگا۔ مستوں کی طرح

کانٹوں، پتھروں، پر قدم دھرتا ہوا چل نکلا۔ خدائے کریم کی عنایات کا دامن امید کے ہاتھ سے پکڑ کر، کہ وہ پریشانی کی راتوں کے تاریک نشینوں کا مونس و غمخوار اور میدان غربت کے تنہا چلنے والوں کا رہبر و مددگار ہے، اپنی عندلیب زباں سے اس ڈھب کے ترانے گانے لگا۔ فرد

گر کسی شمع کو روشن نہ کرے آتش طور
تو شبِ وادیِ ایمن سے نکلنا معلوم

شاہ جہاندار سلطان کا اس سیاح گیتی نما سے کہ جس نے تمام جہاں کی سیاحت اور ساری دنیا کی مسافت طے کر کے اس جنگل و بر میں اپنی بود و باش کی تھی اور رخصت ہونا توتے کا اُس مست محبت کے مقصدوں کی دارو کے ڈھونڈنے اور راہِ طلب کی جستجو کرنے کے واسطے اور بیان کرنا مینا کا طرح طرح کے قصے قسم قسم کی کہانیاں، جہاندار سلطان شاہزادۂ والا گہر عالی نژاد کے سامنے بطور پند و نصائح کے

جب وہ درد والم کے میدان کا پیاسا اور جنون کے صحرا کا سرشار و متوالا، اس جنگل ہولناک میں کہ جس کے ڈر سے درندوں کے پتے پانی ہوئے جاتے تھے، بھولا بھٹکا کئی کوس چلا گیا۔ ناگاہ ایک پیر مرد نہایت ضعیف و ناتواں جو مارے دبلاپے کے ہلال کی طرح نحیف و لاغر ہو رہا تھا، ہر ایک گل رخسار اس کا ریاضت کے نور سے چودھویں رات کے چاند کی مانند جلوہ گر تاباں نظر آتا تھا ایک ایسے ٹوٹے بوریئے کے تلے سے کہ جس میں بوئے ریا مطلق نہ تھی، نکل آیا۔ کہنے لگا مرحبا! مرحبا! جزاک اللہ مہربانی کی تو نے اور سرفراز فرمایا۔ مصرع

سایۂ دولت سے تو نے گھر یہ روشن کر دیا

میں دو روز سے مہمان کا انتظار کھینچتا تھا بلکہ اپنی آنکھیں بر سرِ راہ رکھتا تھا۔ الحمد للہ والمنۃ کہ میری آرزو اپنی مراد کو پہنچی، حاجت برآئی جو تو نے اپنے قدم میرے سر و چشم پر رکھے۔

شہزادے نے اس بات کو قدرے اپنے شگون نیک کا وسیلہ جان کر اس سیاح سے کچھ مصاحبت پیدا کی۔ غرض اس وقت جو پکا پکایا موجود تھا اور ایسا خاصہ کہ حضرت مسیح کے خوان کی حلاوت دماغ دل میں پہنچاتا تھا، ان دونوں نے مل کر کھا لیا جب کہ دوڑ دھوپ کی ماندگی اور بھوک و پیاس کی زیادتی کے غلبے سے قدرے افاقہ ہوا اس پیر مرد کی خدمت فیض درجت سے اپنی مہم کی مدد چاہی۔

درویش نے فرمایا اے جوان آوارہ اس سے آگے کئی برس کے میں نے اسی بوالہوسی کی راہ سے سارے جہان کی سیر کی تمام دنیا کی نیکی بدی اپنی چشم عبرت بیں سے دیکھی۔ جب معاملہ شناس ہوا، اس جہان کی سرگرانی لاحاصل

کا دیوان پن اپنے سر سے نکال ڈالا، قناعت کا قدم گوشے کے دامن میں چھپا، آبادی کی سرحد سے جی اٹھا کر اس ویرانے میں رہنا اختیار کیا۔ اب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں جانتا اپنا معاملہ بھی سوائے اس کی ذات کے اور کسی کے ساتھ نہیں رکھتا۔ چاہئے کہ تو بھی مجھے تکلیف نہ دے۔ اس بات سے معذور رکھے اور اگر تو نے عشق میں پاؤں رکھا ہے تو سچ جان۔ مصرع

شبنم اس گل کی سو بحر آتشیں ہے

تو رنج و مصیبت سے مت ڈر بلکہ غم و الم کے آتش کدہ میں دلیرانہ در آ، پند و نصیحت کو بالائے طاق رکھ، توشۂ توکل و مرحلۂ تسلیم، ہمراہی بے کسی در رفاقتِ تنہائی سے خوش و خرم رہ۔ فرد

عشق بازی کھیل نہیں اے دل تو اس میں سر لگا
کیوں کہ چوگانِ ہوس سے عشق کا گوکب اُڑا

جب کہ اس سیاح تنہا نشیں کی نسیم اعانت اس کے غنچۂ مراد پر نہ چلی اور نہ کوئی بوند اس کی ہمت کے پیالے سے ٹپک کر اس کی امید کی بنیاد میں پڑی۔ شہزادہ اپنی مراد کے حاصل نہ ہونے کے باعث میدان ناکامی میں سراسیمہ رہنے کے بہ سبب اور اپنے بختِ بد کی دشمنی کرنے سے حیرت کے بھنور میں ڈوب گیا۔ سچ ہے۔ مصرع

پہلے عشق آساں نظر آتا ہے پھر ہوتا ہے بار آخر

اپنی آرزو کی تشنہ لبی سے پریشانی کی سراب گاہ پر دل دھڑکے بدبختوں کی طرح خاک ریگستان اپنے ناخنوں سے کھود کھود کر یہ بیتیں پڑھنے لگا۔ ابیات

یہ عشق خدا جانے کہ آیا ہے کہاں سے	جو ہر رگ و ریشے میں بھڑکنے لگے شعلے
ہیں برق کئی غم کی اور تنہا ہے یہ اک جی	آتش کدے میں گھاس کی بیچ کچھ نہیں چلتی
اے فتنے مرے بیر سے کیا تجھ کو ملے گا	اے چرخ میرے در پے کیوں ہے تو یہ بتلا
یہ فوج میرے قتل کو آئی ہے کہاں سے	یہ رسم ہے کس شہر کی کوئی مجھ کو بتا دے
اے کوکب برگشتہ جلا بس میں بچارا	تک آبلہ پائی پہ میری رحم خدا را

توتے نے کہا اے آتش غم کے جگر جلوں کے پیشوا دا ے غریق بحرالم کے راہنما عشق کی راہ میں ہر ہر قدم پر جان نثار کیا چاہئے اور اس کی اس کی راہ کے ہر ہر نقشِ پا پر اپنا سر فدا کیا چاہیے اس طور کی بدحواسی

ناتوانی سے کج دلی معلوم ہوتی ہے، دردمندی کی راہ کے پختہ کار نیازمندی کی آتش کے جگر برشتہ اور دل افگار ہر ایک قطرے کو جو اُن کے ناسوروں سے ٹپکتا ہے اپنی مراد کا ثمرہ جانتے ہیں۔ مصرع

عشق بازی میں تحمل ہے دلا رہ استوار

تو ہرگز اپنے لب کو فریاد و فغاں سے آشنا نہ کر ہر ایک وقت بے قراری و اضطراری سے جرس کی مانند بے فائدہ نالے اپنے منہ سے نہ نکال جب تک کہ میں تیری آرزو کے بر آنے کی جستجو میں پرماروں اور اس تاریکی سے نجات کی راہ پیدا کروں تب تک صبر و شکیبائی کی کمند اپنے استقلال کے ہاتھ سے نہ دے یہ کہہ کر اڑ گیا۔ اس کی چارہ جوئی کی پیروی اور مقصد برآنے کی سعی میں مشغول ہوا۔ شہزادے نے چار و ناچار اس توتے کے آنے تک اس مقام میں اپنی استقامت کی جب اس درویش صاحب مقام نے اپنے تئیں دعا و تسبیح میں مشغول کیا اور بحسب ظاہر اس مسافری کے دردمندی کی حقیقت پر متوجہ نہ ہوا تب اس مینا نے جو اس فقیر کے پاس تھی شہزادے کی بے کسی پر اپنا جی جلایا نہایت گرم جوشی سے اس کی خاطر داری و دلجوئی کر کے اس کی مصاحبت کی مجلس کو گرم کیا یہاں تک کہ اس پریشان حال کی خاطر داری کا عہد اپنے اوپر اختیار کر کے کئی قصوں میٹھو لونوں کے مرہم سے اس کی بے قراری کے زخم کو قدرے التیام بخشا سخن کے قواعدوں کی تمہید مینا کی زبان نادر بیان سے اس عقلمند مینا شیریں گفتار و فرحت آثار نے اپنی زبان کو شکر ریز سخن کر کے کہا۔ اے ہوشیاروں کے بادشاہ و اے دانشوروں کے شاہنشاہ میں ایک جانور جہاں دیدہ ہوں اور اس جہاں کی نادراتیں بہت سی دیکھ چکی ہوں۔ تمام دنیا کی عجائباتیں اپنی نظروں میں رکھتی ہوں۔ سچ جان جس مقام میں کہ نیاز کی آگ نسیم ناز کی مدد سے شعلہ زن دیکھی ہے آخر وہاں عنایاتِ الٰہی کے ابر کی توجہ سے امید کے پھول و گل مراد ریحان و سنبل بخوبی لہلہاتے اور دُھندھاتے پائے اگرچہ یہ چرخ کج رفتار چند روز سے تیرے ساتھ دشمنی کی راہ سے ناموافقت و بدسلوکی کرتا ہے پس لازم ہے کہ تو بھی غنچے کی طرح تنگ دل نہ رہے کیونکہ آخر کا خدائے کریم اپنا فضل کرے گا اور ہمیشگی بوئے خوش تیرے دماغ دل میں پہنچائے گا۔ فرد

مثل کاربستہ کہ دو غنچے سے دل تنگ نہ رہ ہے مدد کو تیری بادِ صبح اور وقتِ سحر

بموجب آیۂ قرآن شریف اِنَّ مع العُسرِ یُسراً یعنی ہر سختی کے پیچھے آسانی ہے اور ہر بستگی کو کشادگی ہے شک و شبہ بعد رنج کے راحت ہے اور راحت کا آغاز رنج۔ مصرع

ممکن نہیں بے رنج ملے عیش کی جاگہ

لیکن چاہیئے کہ جب تو اپنے مدعا کو کہ اب وہی پریشان دلی کا باعث، مزاج کی پراگندگی سبب ہوا ہے حاصل کرے نازو نعمت کی مسند پر پالتھی مار کر نہایت عزت و شان سے بیٹھے تو چار چیزوں سے پرہیز کرنا کہ وہ سب واجباتوں سے واجب ہیں بلکہ اجتناب کرنا ان سے فرض ہے پہلے یہ کہ بڑے بڑے کاموں کو بے تامل و خوض کے نہ کیا چاہیئے اس لئے کہ اس سوداگر کی بیٹی کی طرح زمانے کی سختی و روزگار کے عذاب میں مبتلا نہ ہوئے شہزادے نے پوچھا اس لڑکی کا قصہ کیوں کر ہے بیان کر مینا کہنے لگی:

پہلی حکایت

کہ ایک محتاج نے کسی شہر میں بطور فقیروں کے اپنا رہنا اختیار کیا تھا اور اپنی وجہ معیشت کی جست و جو میں کہ اس سے کسی بشر کو چارہ نہیں دوڑ دھوپ کیا کرتا اور رہنے والے اس شہر کے اس کے ساتھ سابق سے کچھ دوستی و آشنائی نہ رکھتے تھے اسی سبب اس کے حال پر کم متوجہ ہوتے تھے اور وہ یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے کام کرنے کی بھی آرزو رکھتا تھا، سو بھی میسر نہ ہوتے اس واسطے اس کے اوقات نہایت تنگی سے گزرتے۔

آخر بعد ایک مدت مدید و عرصہ بعید کے ایک بھڑبھونجے نے اس کی غریبی و بے کسی پر رحم کھایا، بھاڑ جھونکنے کی خدمت دے کر سرفراز فرمایا اور اس کے کھانے کے واسطے ایک روٹی جو کی مقرر کی۔ وہ غریب اس بات کو نعمت عظمیٰ سمجھا اور اس روٹی کا آسرا کر کے اس خدمت مقرری میں نہایت دل و جان سے محنت کرنے لگا۔

اس بھڑبھونجے نے اس (کی) خدمت ہر روزہ و جاں فشانی و محنت دیکھ کے نہایت جی خوش کیا یہاں تک کہ ذلت کی گلی سے نکال کر عزت کے میدان میں پہنچایا بلکہ اپنا نائب کر کے تمام گھر کا کاروبار اسی کی رائے خیر اندیش پر موقوف رکھا۔ کچھ پھٹا پرانا اس کے پہننے کو بھی بطور انعام کے دیا۔ وہ بدحیثیت تھوڑے ہی سے جمعیت پیدا کر کے اترا چلا۔ اپنے تئیں ایک چیز جاننے لگا اور صاحب مرتبہ سمجھنے، بلکہ اپنی کم ظرفی سے آپ کو سرداری کے قابل دھیان کرنے لگا غرض اس قوم کے سردار کی ہمسری کر ہی بیٹھا۔

[سردار نے] اس بات سے نہایت آزردگی کھینچ کر اس بھڑبھونجے سے شکوہ کیا اور کہا کہ تو نے باوجود اس استعداد ذاتی اور اس عالی گوہری کے ہرگز میرے ساتھ برابری کا دعویٰ نہیں کیا، اور تیرا نائب کل ہی کی بات ہے کہ بھاڑ جھونکتے تھا۔ آج کیا ہو گیا کہ میری ہمسری کا ارادہ کرتا ہے؟ اگر اب وہ اپنے فعل بد سے منفعل و متنبہ ہو کر عذر خواہی کا تسکار بند نہ پکڑے گا تو میں اس کے گناہ کے دفتر پر بخشش کا قلم نہ پھیروں گا۔ بلکہ اس کو گوشمالی دینا میری ہمت نیک کے سامنے واجب و فرض ہے اور اس کی اس حرکت سے تو بھی شاید میرے نزدیک گنہگار ہوئے، میرے ہاتھ سے رنج کھینچے۔

یہ بات سن کر اُس پیر مرد نے اُس کی نادانی کی نہایت معذرت کی۔ جاں بخشی چاہی اور اس جواں پست ہمت کو خلوت خانے میں بلا کر بہت سے پند و نصائح کے گوہر آبدار اس کی گود میں ڈال کر کہا "اے عزیز جاں، بلکہ بہتر از جاں اپنے تئیں بزرگوں کے برابر گننا اور اس خردگی پر آپ کو برابر جاننا یہ بات صرف نادانی پر دال ہے۔ فرد

شیخی سے اپنی آپ کو مت جان تو بڑا　　　پونچی مگر بزرگوں کی جب تک نہ کر سکے

خبردار پھر کبھی ایسے کام ناصواب میں ہاتھ نہ ڈالنا کیوں کہ اس بات سے ہمارا سردار نہایت ناخوش ہوتا ہے۔ فرد

جو سخن ہم نے تجربے کے سُنے تھے سو کہے　　　گر بزرگی کی ہوس ہے تو انہیں رکھ دھیان میں

جوان نے اسی سبب سے۔ مصرع

وفا کب کسی سے کرے بدگہر

اس بات کو جدائی کا وسیلہ کر کے چار دینار نقد رخصت اپنے ہاتھ میں لیا اور اس بھڑ بھونجے کے پچھلے حقوق کے علاقے اور اس کی سوافق نصیحتوں کی نعمتیں یکایک برباد کر کے بے وفائی کی راہ اختیار کی۔ وہاں سے نکل کر اپنے سوداگروں کے محلے میں پہنچایا۔

غرض تھوڑے ہی دنوں میں اپنی تہی دستی کے باعث پریشانی کے کوچے کا خاک نشیں ہو کر فقیروں کی طرح در بدر پھرنے کا حلقہ اپنے گلے میں بطور سیلی کے ڈالا۔ گلی گلی پھرنا اختیار کیا۔ اتفاق حسنہ کسی بڑے مالدار سوداگر کی بیٹی اُس کے احوال سے واقف ہوئی اور اس کی وجاہت ظاہری کو بہ باطن پسند کر بیٹھی، یہاں تک کہ اُس کے زر نقد کو بے تحقیقات کی کسوٹی پر چڑھائے، اور اس کے حسب و نسب کو بے امتحان کی ترازو میں تولے، اپنے تئیں اس کے نکاح کی رسن استوار میں مقید کیا۔

ایک دن اس جوان نے اپنے حسب نسب کی بزرگی اور اپنی ذات و صفات کو بیان کر کے دولت نعمت کا تذکرہ کیا اس عورت کو اپنے شہر لے جانے کا لالچ دکھلا کر فریب دیا۔ آخر اس بے وقوف عورت کو بھی اپنے خاوند کی بستی کے جانے، اس کے ملک و مال ہونے، اور زندگی کی بنیاد، راحت اساس کی نعمتوں سے استوار کرنے، ہر ایک طرح سے حلاوت جسمانی میں برخوردار ہونے کی ہوس ہوئی۔ غرض اپنے باپ کے بعضے بعضے محرم کاروں کے وسیلے سے رخصت چاہی جب اس کی عرض قبولیت کے دروازے تک نہ پہنچی۔

ناچار اپنی نادانی کے باعث، اندھیاری رات کو اپنے قصد کا وسیلہ کر کے پوشیدہ گھر سے نکلی اور اپنے خاوند کی رفاقت میں راہ نوردہوئی۔

بعد کتنے دنوں کے رات دن چلنے کے باعث ایک بڑی مسافت دور دراز طے کر کے کسی ایسے جنگل میں جا پہنچے کہ جہاں آبادی کی بو امید کے دماغ میں نہ آتی تھی۔ تب اس عورت نے اپنے خصم سے پوچھا میاں یہ کون سا مکان ہے کہ جس میں بنی آدم کا وجود عنقا کی طرح نیست و نابود ہے؟ میرا مارے پیاس کے حلق و دہن خشک ہوا جاتا ہے۔ زبان گنگی کی زبان کی طرح بات کہنے سے رہی جاتی ہے۔ خدا کے واسطے تھوڑا پانی لا کہ میری جان ہونٹوں پر آرہی ہے۔

جوان نے کہا بی بی یہ دکھ قدرے برداشت کر۔ ایک ساعت صبر و شکیبائی کو استقلال کے ہاتھ سے نہ دے۔ اس کے پاس ہی ایک بستی نہایت آباد و دل کشا ہے۔ طرح طرح کے میوے، قسم قسم کی نعمتیں اس میں موجود و مہیا ہیں۔ ہر ایک کوچہ و بازار میں نہریں دلچسپ، بہشت کی سلسبیل و تسنیم کی طرح رواں ہیں۔ ہر ایک سمت میں چمن چمن گل و ریحان سرسبز و خنداں ہو رہے ہیں۔ سچ جان اگر تو دیکھے تو کہے کہ یہ بہشت بریں و فردوس علیین کا نمونہ ہے بلکہ بیت

کہے گر ہے جنت زمین پر کوئی ۔۔۔ تو بے شک یہی ہے یہی ہے یہی

میرے باپ دادے کے رہنے کا وہی مکان جنت نشان ہے۔ اب کوئی دم میں جا پہنچتے ہیں اور اس جنگل کے پاؤں پاؤں چلنے کے دکھ سے وہاں جا کر آرام کرتے ہیں۔ اس بات کو سن کر وہ عورت نہایت خوش ہوئی اگرچہ اپنے بدن میں چلنے کی بھی تاب و طاقت نہ رکھتی تھی۔ تو بھی اس امید پہ دل قوی کیا۔ قدم بڑھا کر چل نکلی۔ جب کہ تھوڑی سی مسافت کچھ اور طے کی۔ اتنے میں ایک چھوٹی سی بستی بڑی دور سے نظر پڑی اور چھپر بہت پرانے دکھلائی دیئے۔ اتنے میں عورت نے کہا اے مرد نادان اس بستی میں تو نہ باغ ہے نہ بستان، نہ نہریں ہیں نہ آب رواں۔ یقین جان کہ یہ گاؤں ایک ایسا پائے خانہ ہے جس کے نزدیک رہنے سے حلال خور بھی ہزاروں طرح کی نفرت و عار رکھتے ہیں۔

یہ بات سن کر اس جوان نے کہا "بی بی میں نے جو کچھ کہا ہے یہ اس سے بھی زیادہ طراوت و لطافت رکھتا ہے سوائے اس کے (کہ) تو نے اب تک اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی نہیں۔ پھر اس کی بدی اور عیب میں کیوں زبان کھولتی ہے"۔ القصہ مرد نے اس عورت کو ایک درخت سایہ دار کے نیچے بٹھلا کر کہا میری قوم و برادری

میں ہمیشہ سے یہ رسم ہے کہ تمام خویش واقربا ڈھول و قرنائے بجاتے ہوئے تیرے استقبال کو آ دیں. بہت سا
زر و جواہر لاکر تجھے منہ دکھلائی دیں ۔نہایت عزت و حرمت سے شہر میں لے جا دیں. دل کھول کر خوشی کریں بلکہ
ایک مجلس بہت بڑی جمائیں. کھانے پینے میں صبح کو شام کردیں. اب تو گھڑی آدھ گھڑی اس درخت کے تلے توقف کر
کہ میں تیرے آنے کی جاکر ان کو خبر کروں لے آؤں۔"

غرض وہ عورت ہر ایک صورت سے اپنے خاوند کی چرب زبانی و شیریں سخنی سے فریب کھا کر اس
درخت کے نیچے جا بیٹھی اور وہ مرد نہایت چستی و چالاکی سے اس بستی کی طرف دوڑا. بعد ایک دم کے تاشے
قرنے کی آواز اس عورت کے کان میں پڑی. دور سے ایک خلقت کثیر دکھلائی دی کہ مرد و زن نہایت ہشاش
بشاش ناچتے، ڈھول و دف بجاتے ہوئے دوڑے چلے آتے ہیں. جب نزدیک آئے وہ عورت بے کس و
بے چاری اپنے ملک و وطن کی آواری، لباس و زیور کے لالچ سے بے تاب ہو کر اپنے خاوند کی عورتوں
سے ملنے، اور اس کے خویش و اقرباؤں کی ملاقات کرنے کے درپے ہوئی. یہاں تک کہ کئی شخص خونخوار
بدہیئت و کریہہ منظر، ڈراؤنی شکل، قصاب منش، دوڑے اور اس غریب کے جھونٹے پکڑ کر جو کچھ کہ اس کے
تن بدن (پر) تھا، سر سے پاؤں تک اتار لیا اور مادر زادوں کی طرح ننگا کر کے چھوڑ دیا. اس بے کس و
بے چاری غم و الم کی ماری نے ہر چند آہ و زاری کی پر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

آخر کار اس غریب و بے چاری، ملک و وطن کی آواری کو جس حالت میں کہ وہ ننگی منگی تھی، ایک
موٹی سی رسی سے مضبوط باندھا اور اس کے سر کے بال سے لے کر پشت پا کے رونگٹے تک مونڈ ڈالا.
ناخن پا سے تا سر پچھنے دے کر لالہ کی مانند لہولہان کر دیا اور اس جنگل میں ایک کاٹھ کا تختہ اس کے قد و
قامت کے برابر بنا کر اس عورت کو اس کے اوپر چاروں چت لمبا لٹا دیا اور قد آدم بلند کیا پھر اس
کے ہاتھ پاؤں بلکہ تمام بدن رسی سے باندھ کر اس تختے کے ساتھ جکڑا. آخر سارے مرد و زن شاداں شاداں
اپنی بستی کی طرف متوجہ ہوئے. مگر دو شخص زہر کے بھرے ہوئے تیر اپنی اپنی کمان کے چلّوں سے ملا کر ایک گوشے
میں تاک لگا بیٹھے اگرچہ وہ عورت ابتدا میں شور و غل کرتی تھی. آخر کار درد و دکھ کی شدت اور زخموں کے
صدمے (سے) لہولہان ہونے کے باعث تختے میں کسے جانے کے بسبب اس کی طاقت طاق ہو گئی
تھی. فریاد و فغاں کرنے سے بھی باز رہی.

بعد تھوڑی دیر کے ایک جانور، قوی ہیکل لمبا چوڑا، پہاڑ کی مانند، درخت کے ڈالوں کی طرح

پر و بال، ہاتھی کی سونڈ کی بڑی لمبی مضبوط چونچ، باصورت عجیب و شکل غریب، ایسا کہ جس کی کلائی کے ڈر سے دیکھنے والے کا پتّا پانی ہوا جاتا تھا اور اس کے پروں کی آواز کے صدمے سے ہوش کا مرغ دماغ کے آشیانے سے اڑا جاتا تھا۔ مثنوی

پر تھے اس کے مثال شاخ درخت　　پاؤں تھے اس کے جیسے پایۂ تخت

تھی ستوں کی طرح سے چونچ اس کی　　تھا وہ ایک کوہ اور دس کھائی

یکایک ہوائے آسمان سے نیچے اُتر آیا۔ اور اس عورت اجل گرفتہ کو چونچ سے اٹھا کر بالائے ہوا لے اُڑا اور وہ رسی جو نہایت مضبوط بندھی ہوئی تھی ٹڈی کے جالے کی طرح تار تار ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اس طرح وہ تختہ بھی جو اس کی قامت کے برابر تھا اپنی جگہ سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اتنے میں وہ تیر انداز ایک کمال پھرتی کر کے کونے سے نکل آئے۔ نہایت سبک دستی کو کام فرما کے دونوں طرف سے وہ تیر زہر آلودہ لگا ہی بیٹھے۔ اتفاقاً وہ تیر کمان سے نکل کر اس کے دونوں ڈینوں میں جا لگے پر ترازو نہ ہو سکے اوچھے پڑے۔ اسی سبب وہ جانور وہاں سے قندیل ہو کر تخمیناً سو کوس کی راہ قطع کر گیا ہو گا۔ لیکن جب تیر کے زہر نے اس کے ڈینوں میں اثر کیا، ناچار بلندی سے زمین کی طرف متوجہ ہوا۔ آخر کتنے جزیروں میں سے ایک جزیرے کے ٹاپو پر اتر پڑا۔

جب کہ زہر نے نہایت غلبہ کیا اس عورت کو اپنی چونچ سے بھی چھوڑ دیا وونہی ایک ٹکڑا زمرد کا اچھا خاصا کتابی لمبا چوڑا تختی کے (مانند)۔ اگر تو دیکھے تو کہے کہ استادوں سبک دستوں، حکاکوں، کامل ہنروں نے کمال صنعت و کاری گری سے اس کا ہر ایک کنارہ برابر و صاف بنا کر مجلّٰی کیا ہے، نہایت آبداری و رنگینی کے ساتھ اپنے منہ سے اُگل دیا، اور اس کا طائر روح قالب کے پنجرے سے پرواز کر گیا۔ یقین جان کہ وہی زمرد اس کا دم واپسیں تھا اور وہ عورت زخمی، ماری پیٹی، بڑی دیر تک بے ہوش پڑی رہی۔

جب حواس درست ہوئے اُٹھ بیٹھی آنکھیں کھول دیں۔ اپنے تئیں ایک جزیرے میں تن تنہا دیکھا تمام بدن لہولہان پایا۔ نہ مونس و غمخوار دکھلائی دیا۔ نہ توشہ راہ نظر پڑا نہ رستہ سوجھا۔ بہر صورت اپنے خدائے کریم کا شکر بجالائی اور وہ ٹکڑا زمرد کا، جو ان سب مصیبتوں کا سبب اور ان ذلتوں کا باعث ہوا تھا، اُٹھا کر ننگی منگی روتی پیٹتی ہر ایک سمت کی طرف نظر دوڑا کر ایک سمت کو چل نکلا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھی اس لئے کہ اپنے تئیں کسی جائے امن میں پہنچاوے دد و دام، اور درند و پرند کے صدمے سے

نجات پاوے۔

جب قیاس کی رو سے تخمیناً دو کوس کی راہ طے کی ہوگی اتنے میں مرغ زریں یعنی خورشید مغرب کے آشیانے میں جا بیٹھا اور رات نے تمام جہان کے میدان میں سیاہ خیمہ کھڑا کیا، وہ عورت بے چاری گردش چرخ کی ماری اپنی جان کے ڈر سے ایک جزیرے کے غار میں چھپ کر جا بیٹھی۔ اس حالت میں کہ بھوک پیاس کے غلبے، درد دکھ کے صدمے سے نہایت مضمحل ہو رہی تھی، قریب ہلاکت تھی، سوائے اس کے ہوا کی سردی، اس کی طراوت و خنکی، تن بدن کی عریانی، زخموں کے درد، بچھونوں کی ٹیس سے اور بھی عذاب میں مبتلا ہوئی۔ تنہائی کے درد و الم، بے کسی کے رنج و غم نے ازبس کہ زیادتی کی۔ غرض تمام رات اپنے حق تعالیٰ کی درگاہ میں کہ وہ ترس ناکوں کا امان دینے والا، فریادیوں کی داد سننے ہارا ہے، دعا کا ہاتھ اٹھا کر غم و الم کے بھنور سے نکلنے، درد دکھ کے لجۂ ذخار سے نجات پانے کے واسطے مناجات کرتی رہی۔ لیکن اس کی دعا کے قبول ہونے کا کچھ اثر نہ ہوا۔

جب خاور کی دلہن صبح کے پہلو سے اُٹھی اور اپنے نور کا مقنع تمام عالم کے منہ پر ڈالنے لگی۔ وہ عورت مسکین و مجروح اس غار سے نکل کر اپنی اسی گزری ہوئی رات کی طرح چل نکلی۔ گرتی پڑتی گرد کی طرح راہ نورد ہوئی۔ جب کہ ٹھیک دوپہر کا عمل ہوا۔ آفتاب جہاں تاب سر پر آیا۔ زخموں میں راہ کی خاک پڑنے کے باعث آفتاب گرم کی گرمی کے بہ سبب اور بھی اس کے تن بدن میں درد و دکھ نے غلبہ کیا۔ عذاب سخت و مصیبت کے بے حد کے صدمے سے نہایت سے اس کا حال تباہ ہوا۔

جب کوئی صورت مخلصی کی نظر نہ آئی ناچار موت پر لو لگائی۔ غرض راضی برضا ہو کر اپنے رشتۂ دم واپسیں کی امید سمت پر قدم بڑھایا۔ یہاں [تک] کہ ایک بڑے دریا کے کنارے جا پہنچی۔ تھک جانے کے باعث اسی دریا کے کنارے بیٹھ گئی۔ قضا کار ایک بڑا سانپ نہایت موٹا جسیم کہ جس کی لمبائی چوڑائی بلندی و بدصورتی، دیکھنے والے کی آنکھ تعین نہیں کر سکتی۔ سچ ہے کہ اس کے رنگ کی سیاہی، بدن کی ناہمواری، جلد کی دغوبت پہاڑ کی طرح تھی۔ غرض چلنے ہی کے باعث وہ جاندار معلوم ہوتا تھا، ورنہیں تو دیکھنے والا جانتا کہ یہ ایک پہاڑ، نہایت طول و طویل دریا کے کنارے واقع ہوا ہے، اور سانپ نے اس دریائے قعر سے پار ہونے کا ارادہ کیا۔

تب وہ عورت جو اپنے جینے کی امید سے ہاتھ دھو چکی تھی اور مرنے کی آرزو نہایت رکھتی تھی

بے تحاشا اس کی دم پر چڑھ بیٹھی اس واسطے کہ اسی کے وسیلے سے اپنے تئیں دریائے خونخوار سے پار کرے، آبادی کی طرف پہنچا دے، اور اس سانپ نے اس کا بیٹھنا اپنی طولانی وکلانی سے مطلق دھیان نہ کیا۔ دریا پار ہو گیا۔ کسی جزیرے کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ عورت بھی اپنے دبے پاؤں اُس کی دم سے اُتری خبرداری و ہوشیاری کے مراتب مدنظر رکھ کر قدرے ٹھہر گئی۔ جناب الٰہی کا شکر، کہ وہ دل فگاروں کا مرہم بخشنے والا ہے، بجا لائی۔

جب وہ سانپ اس کی آنکھوں سے چھپ گیا، قدم برسرِ راہ رکھ کر ایک طرف کا رستہ پکڑا۔ ہنوز کوس بھر بھی نہ گئی ہوگی کہ سامنے سے ایک صحرا دلچسپ نہایت ہرا بھرا جس کی ہر ایک طرف نہریں لطیف و طبب رواں ہیں۔ چمن چمن طرح طرح کے نسترن لہلہا رہے ہیں۔ گل و پھول شگفتہ و خنداں ہیں، وزان کے درختوں نے اپنے سایۂ کرم کو زمین کے سر پر ڈال رکھا ہے۔ بلبل کی آواز ارغواں کے رنگ نے شرابِ ارغوانی کا کام اٹھا لیا ہے۔ فراش صبا نے ہرے بھرے سبزے کا فرش دل کشا بچھا رکھا ہے قضا و قدر نے طرح طرح کے میوے اپنے خوانِ نعمت سے مہیا کر رکھے ہیں۔ مثنوی

ہر سمت وہاں کی کیاری پھولوں ہی سے بھری تھی	جوں شب چراغ وہاں کے ہر گل کی پنکھڑی تھی
پھولا ہوا ہر ایک گل پیالہ لئے کھڑا تھا	بلبل نے مست ہو کر ایک شور کر رکھا تھا
سارے چمن وہاں کے اہل نظر کے آگے	فردوس کی طرح تھے سرسبز و لہلہاتے
یوں گھانس پر وہاں کی سیرابی ہو رہی تھی	شبنم کے موتیوں میں سلکِ زمردی تھی

اور اس عورت نے جو بھوک پیاس کی شدت سے جاں بلب ہو رہی تھی ان اچھے خاصے میووں میں سے جس قدر بھوک رکھتی تھی پیٹ بھر کر کھایا۔ ان نہروں میں سے آبِ شیریں وخوشگوار پیاس بھر کر پیا۔ پھر ان درختوں کے سائے میں زمردی بچھونے پر کہ وہ نرمی و نزاکت میں مخمل دوخابہ کے فرش سے بھی زیادہ تھا، آرام کیا۔ سفر کی مصیبت، بھوک و پیاس کی شدت سے آسودہ ہونے کے بعد بستر استراحت سے اٹھی۔ راحت کی مسند پر پالتی مار کر جا بیٹھی۔ اس باغ کے گل و ریحان کی کیفیت کے تماشے میں کہ وہ جنت کے گلشن کو زینت دینے والا تھا اور اس کی ہر ایک سمت فرش سبز پرنیانی بچھا ہوا تھا، طرح طرح کے پھول و گل لٹک رہے تھے۔ نہریں دل کشا جاری ہو رہی تھیں۔ گھڑی آدھ گھڑی دل و جان سے مشغول ہو رہی۔

اتنے میں اچانک کئی غول بندروں کے چاروں طرف سے اس مرغزار جنت آثار میں آکر پھیل گئے اور میووں کے درختوں پر چڑھ کر کچے پکے توڑ توڑ کھانے لگے۔ جب اس عورت نے اس باغ کو بندروں کے لشکر سے بھرا دیکھا، عذاب ناگہانی اور مصیبت جاں ستانی سے نہایت ڈری۔ سارے بدن سے جان نکل گئی، ناچار ایک بڑے سے درخت پر چڑھ گئی کہ جس میں پھول و پھل کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس کے پتوں میں چھپ کر بیٹھ رہی۔ اندیشے نے ازبس کہ غلبہ کیا۔ سر سے پاؤں تک رعشہ پڑ گیا۔

قضا کار ایک بندر جو نہایت قوی ہیکل اور اس فوج سیاہ قدم کا سردار تھا، کودتا اچھلتا اسی درخت تلے آیا اور اس کو پتوں میں چھپا دیکھ کر مارے خوشی کے اچھلنے لگا بلکہ دو تین بندروں سے کہنے لگا کہ تم اس عورت، پنجۂ غم کی اسیر کو دستگیری کر کے میرے پاس لے آؤ۔ وہ درخت پر چڑھ گئے۔ نیچے اتار لائے۔ بدذات بندر لعنتی دونہی اس کی گردن میں باہیں ڈال کر لپٹ گیا چھپاں لینے لگا اور وہ عورت اس حادثۂ جانکاہ کے صدمے سے گھاس پکڑ پتوں کی طرح سوکھ گئی۔ چہرے کی رنگت بھی جاتی رہی۔

جب بندر نے اس عورت کو متغیر و متفکر دیکھا، خاطرداری و دلجوئی میں اپنے تئیں مشغول کیا۔ ندان اس کو اپنے مکان مالوف میں لے گیا۔ تمام لشکر کو رخصت کیا۔ جب خلوت میسر آئی، مباشرت کی میل کی۔ بلکہ جورو خاوند کی سی رسموں کی بنیاد دوام اساس کے قاعدوں پر جاری کی۔ قسم قسم کا میوہ اس کے واسطے ہر ایک شہر و دیار سے منگوایا۔ دلداری کے مراتب بخوبی بجایا۔ پھر کسی گھانس کی جڑ دریا کے پانی میں گھس کر اس کے تمام بدن میں لگا دی۔ دونہی چھپنوں کے زخم بھر آئے، اچھے ہو گئے۔ غرض ایک کھال سر سے لے کر پاؤں تک سانپ کی کینچلی کی طرح اتر پڑی۔ بدن نہایت صاف و مصفا ہو کر دمکنے لگا اگرچہ اس عورت کے بدن نے زخموں کے صدمے سے نجات پائی پر اس بندر کی صحبت سے اس کی جان زخمی ہو گئی۔ سچ ہے۔ مصرع

صحبتِ ناجنس غرض کاہشِ جاں ہوتی ہے

آخر کار وہ بندر اس عورت کی نگہبانی و حفاظت کو ایک ساعت فراموش نہ کر کے ہوشیاری و نگہبانی کے مراتب بخوبی بجا لاتا بلکہ ایک پل اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتا۔ یہاں کہ ایک مدتِ مدید گزر گئی۔ صحبت بہت دنوں تک یوں ہی رہی۔ آخر اس عورت کو بندر کی طرف سے حمل رہا، پاؤں بھاری

ہوا۔ جب پورے دنوں ہوئی ایک بار دو بچے جنے۔ شکل ان کی آدمی و بندے سے ملی ہوئی تھیں اور تمام بدن انسان کا سا۔ گویائی انسان کی سی۔

جب اس بندر نے اس کو محل اعتماد جانا اور ان بچوں کو الفت و محبت کا وسیلہ دریافت کیا اس کی طرف سے جو کھٹکا اپنے دل میں رکھتا تھا بالکل نکال ڈالا۔ ہر ایک طرف سے اپنی خاطر جمعی کر کے سارا گھر بار اسی کو سونپا۔ آپ اکثر اوقات سیر کو جایا کرتا بلکہ کبھی کبھی پہروں کے پہروں باہر ہی رہتا۔ اور وہ عورت بمقتضائے مصلحت کے ہر ایک وقت گرم جوشی کیا کرتی۔ کشادہ پیشانی سے صحبت گرم رکھتی۔ ظاہر میں ازبس کہ اخلاص و پیار سے فرمانبرداری کیا کرتی۔ مگر باطن میں فرصت کا وقت ڈھونڈھا کرتی نکل جانے ہی کے درپے رہا کرتی۔

جب کہ اسی طور سے ایک مدت گزر گئی۔ کوئی حرکت بھی ایسی کہ جس سے جدائی کی بو نکلے نہ دکھلائی دی نہ کوئی طرز ہی مخالفت و نفرت کی نظر آئی۔ تب وہ میمون خاطر نا میمون اسی سبب اس کی طرف سے ہر ایک طرح اپنی خاطر نشان کر کے نہایت خوش ہوا۔ کئی جنگلوں کی سیر کو گیا۔ اس عورت کو اپنے گھر کی نگہبانی اور بچوں کی تربیت کے لئے وہیں چھوڑا۔ تب اس عورت نے بندر کی پس غیبت فرصت کا وقت غنیمت جان کر باہر نکلنے کی راہ کے ڈھونڈنے اور اس قید سے نجات پانے کے واسطے اس کے گھر سے نکل کر ہر ایک طرف دوڑ دھوپ کرنا اختیار کیا۔

جب ان سمتوں میں سے تخمیناً دو تین کوس ایک طرف نکل گئی کہ ایک بڑے دریا کے کنارے جا پہنچی۔ اس کے آثار و علامت سے معلوم کیا کہ اس طرف سے مقررہ وقت پر کشتی آتی جاتی ہے۔ اس بات سے نہایت قرین خوشی و خرمی کے ہو کر اس بندر کے گھر گئی اور فرصت کے وقت کبھی کبھی اس جگہ آ کر کشتی کے آنے جانے کی خبر لے جایا کرتی۔ ہمیشہ اپنے احوال کے ظاہر نہ ہونے کے بھی مراتب نگاہ رکھتی۔ وقت کی مدد اور قسمت کی یاوری سے دل کو دلاسا دیتی۔ اپنے خدائے کریم کی بخشش و مدد سے کہ وہ فلاکت کے کوچوں کے سرگردانوں کی غم خواری کرنے والا ہے، اپنے مقصد کے بر آنے کی امید رکھتی۔

اتفاقاً ایک دن اس کی آرزو کی صبح روشن ہونے والی تھی، دریا کے کنارے چلی گئی کہ دور سے ایک ناؤ دکھلائی دی۔ لیکن اس حالت میں کہ جب کشتی کے لوگ کوچ کا اسباب و سرانجام مہیا و درست

کرکے اس خیال میں تھے کہ اس کے بڑے بھاری لنگر کو دریا سے اٹھا کر اس کی پال کو بادِ سبک روکی ہمت کے حوالے کریں۔ آخر کار گرتی پڑتی اس کشتی کے نزدیک جا پہنچی۔ زیادہ و فغاں کرنے لگی کہ اے خضر رسیدہ و رحم دلوا میں ایک عورت، اس روزگار کے ہاتھ کی گردشوں سے ستم رسیدہ ہوں۔ اور اس زمانے کی چوگان کے ٹیڑھے پن سے چور چور دخوں چکیدہ ہوں۔ اپنے بدستاروں، برگشتہ بختوں کے ہاتھ سے ہزاروں بلاؤں میں گرفتار و مبتلا اور اس قسمت نامیمون کے باعث سینکڑوں ذلتیں اور مصیبتیں اٹھا کر اس جنگل میں ایک بندر کے پالے پڑ گئی ہوں۔ خدا کے واسطے میرے اس حالِ زار پر رحم کرو۔ اپنی بندہ نوازی، غریب پروری کے باعث اس غم و الم کے بھنور سے نکال کر اپنے لطف کے سائے میں بٹھلاؤ۔

ان لوگوں نے مطلق اس عورت کے احوال پر متوجہ ہو کے اس کی عرض کو قبولیت کے محل تک نہ لائے اور یہ بات کہی کہ ہم سوداگر ہیں۔ بہت سامال و اسباب اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ تیرے ساتھ (رحم) کرنے سے تمام جہازیوں کے حق میں نقصان دیکھتے ہیں کیونکہ ڈر اس بات کا ہے کہ بندروں کا لشکر چڑھ آوے۔ پس ایک شخص کی مخلصی کے واسطے تمام جہان کو بلائے عظیم میں گرفتار کرنا عقل مصلحت نہیں دیتی۔

یہ بات سن کر اس عورت نے نہایت بے قراری و اضطراری سے سرِ عجز کو زمین پر دھر کے عرض کی۔ اے نیک بختو، خدا شناسو، اب تک وہ بندر میرے نکل آنے سے آگاہ و واقف نہیں ہوا۔ سوائے اس کے تم سب جس بات کے ڈر اور خطرے کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہو، اس سے خاطر جمع رکھو کچھ اندیشہ نہ کرو۔ برائے خدا مجھ غریب اور بے کس کی دستگیری سے ہاتھ نہ اٹھاؤ اور ایسے کارِ خیر سے کہ جس میں بہت سا نفعِ آخرت کا پوشیدہ ہو، اور جو چیز کہ از بس کہ مال و اسباب کی برکتوں کا باعث ہو اس سے منہ نہ موڑو۔ قسم ہے تم کو اپنی اسی امید کی جو تم حق تعالیٰ کی درگاہ سے رکھتے ہو، مجھے ناامید نہ کرو۔ سوائے اس کے میرے پاس ایک تختی زمرد کی نہایت بیش قیمت ہے۔ اس کو اپنے حق السعی میں لو۔

انھوں نے یہ بات بھی اس کی قبول نہ کر کے کہا کہ "ہم ایک پتھر کے لالچ سے اپنے اس مالِ کثیر کو، جو ایک بادشاہت کے خراج سے بھی زیادہ ہے، برباد کریں، اس بات کو ہمارے حق میں عقل مصلحت آموز دخل نہیں دیتی۔ اس قصد نامناسب سے باز آ۔ کہا مان اور اس بات کو از راہِ دشمنی کے نہ جان۔ اس عورت نے اس مقام میں کہ "صاحب غرض دیوانہ ہوتا ہے"۔ جس قدر حوصلے کے تصور میں بھی نہ سماتی تھی۔

اتنی الحاح وزاری کی اور جس قدر کہ دیر و درنگ ہوتی تھی، اتنا ہی اس بندر کے آنے اور آگاہ ہونے کے ڈر سے متفکر ہو ہو کے پچھاڑیں کھاتی تھی۔ نہایت رو رو کے کہتی تھی کہ کیا کروں کس صورت سے اپنی عرض قبولیت کے آستانے تک پہنچاؤں۔

اتنے میں اس کشتی کے سردار نے کہ وہ ان سبھوں کا قافلہ سالار تھا، اس پریشانی کے کوچے کی سرگرداں و حیران پریشان پر رحم کھایا اور اس زمرد کا لالچ بھی متوجہ ہونے کا باعث ہوا۔ پکار کر کہا "اے گردشِ فلک کی ماری وائے ملک و وطن کی آواری،" اگرچہ اس مقام میں مدد کرنے کے مراتبوں کو ظاہر کرنا یاری و مہربانی کی رسموں کا دکھلانا، اپنی عقل مصلحت اندیش کے برخلاف ہے، لیکن خدائے کریم کی خوشنودی پر نظر رکھ کر مہربان ہوتا ہوں پس اب دیر نہ کر کشتی پر پاؤں دھر اور زمرد ہمارے نوکروں کے حوالے کر اور اس ناؤ کے تہہ خانے میں جا کر ایک کونے سے لگ رہ۔

اس عورت نے جب اپنی عرض کا آفتاب قبولیت کے آسمان پر جلوہ گر دیکھا، نہایت خوشی و خرمی سے اس کا زرد چہرہ سرخ ہوگیا۔ دل کا غنچہ شادمانی کی ہوا سے کھلنے لگا۔ وونہی اس زمرد کو درختوں کے ان پتوں سے کھول کر جن سے اس کا ستر ڈھنپا ہوا تھا بے عذر و تامل کے اس صاحب کشتی کے ملازموں کی خدمت گزرانا اور آپ ذرہ کی مانند کہ وہ آفتاب کی چمک سے تابندہ ہو جاتا ہے، ہنستی کودتی کشتی کی طرف متوجہ ہوئی کہ اہل کشتی کے غلاموں نے اس سے زمرد لینے کے بعد اس فلاکت کی سراسیمہ کو ناؤ پر چڑھنے کے واسطے نہایت جھڑکا، بہت سا ڈانٹ کر منع کیا کہ مت آ بلکہ امید کے رستے اس کی آنکھوں کے سامنے سے بند کر دیئے۔

اس فعل کے ظاہر ہونے سے غم کی آگ نے اس درد والم کی آگ کی جلی ہوئی کے جگر میں بھڑنے سر سے بھڑکنا شروع کیا۔ بے کسوں، مصیبت زدوں کی طرح اپنے سر پر خاک ڈال کر مرغ بسمل کی مانند تڑپنے لگی اور اشک آتش بار اپنے دیدۂ خوں چکاں سے رخسارِ نازک پر بہا بہا کر کہنے لگی۔ اے نامرد و خدا فراموش مصرع

ڈرتے نہیں ہو مجھ سے تو خالق سے ٹک ڈرو

اور ایسا ظلم و ستم مجھ غریب و مسکین پر کہ وہ فی الحقیقت تمہارے ہی حق میں ہوتا ہے نہ کرو بلکہ اس وقت سے ڈرو کہ جس گھڑی اس عادل حقیقی کے سامنے داد خواہ ہوں تمہارے جور و ستم کا شکوہ کروں۔

یہ بات سن کر اس کشتی کے سردار نے منفعل و متنبہ ہو کر اس کوئے عافیت کے کوچے کی مہجور کو اپنی ناؤ پر چڑھا لیا اور کہا کہ بس اب غل نہ کر، چپ رہ۔ وہ عورت بے چاری اس آفتاب مکار کی دھوپ سے نجات

پا کر اس کے سائے میں جا بیٹھی۔ اپنے خدائے کریم کی حمد و سپاس کے مراتب مضاعف بجالائی اور کونے میں چپ ہو کے بیٹھ رہی۔ دل کو تقویت آئی اور صاحب جہاز نے نہایت چستی و چالاکی سے ناؤ کا لنگر اٹھا کر اپنے تئیں وہاں سے روانہ کیا۔ جونہی کشتی اس جگہ سے کھلی اور قدرے آگے بڑھی کہ وہ بندر بدذات ملعون ان دونوں بچوں کو بغل میں دابے ہوئے نہایت بے قراری و اضطراری سے آیا اور اس کے پیچھے پیچھے اس کی فوج کے دستے کے دستے آنے لگے۔

جب کہ ان لوگوں نے بندروں کی سپاہ آتے دیکھی۔ از بس کہ بدحواسی و بے جگری سے صبر و شکیبائی کی لگام اپنے استقلال کے ہاتھ سے ڈال دی۔ رنگت چہرے کی جاتی رہی جب کہ ان کشتی والوں کے دلوں میں بندروں کے لشکر بے شمار کی کثرت کے باعث اضطراری و بے قراری حد سے گزر گئی اور اس حرکت نامناسب کی زبانی ان سبھوں کے چہرے پر ظاہر ہونے لگی۔ تب وہ عورت بھی یہ حال دیکھ کر اپنے کام میں متفکر ہوئی۔ اس واسطے کہ شاید مجھے کشتی سے اتار دیں اور میں پھر نئے سرے سے اس بندر کی صحبت کے رشتے میں مقید ہوں۔

یہ سوچ کر کہنے لگی اے جواں مردو پہلوانو! اس قدر بدحواسی و اضطراری اچھی نہیں۔ غم نہ کھاؤ خدا کو یاد کرو۔ مطلق ان کے ہاتھ سے تمہارے حق میں مضرت متصور نہیں کیونکہ وہ بھی تم سے ڈرتے ہیں۔ سوائے اس کے وہ اپنے تئیں ہرگز دریا میں نہ ڈالیں گے۔ بارے اس بات کے سننے سے قدرے ان لوگوں کی خاطر جمعی ہوئی۔ وونہی اس جہاز کو ہوا کے رخ کرنے میں مشغول ہوئے اور اس کی پال کے کھینچے باندھنے میں ہاتھ بڑھائے۔ باد مراد کو اختیار کر کے منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوئے۔

جب بندر نے اپنے ہاتھ پانی کے باعث اہل کشتی کے گرفتار کرنے کی طرف سے کوتاہ دیکھے کنارے پر کھڑے ہو کر اس عورت کے سامنے چاپلوسی کے دروازے کھولے۔ اشارت و ایما سے آہ و زاری ظاہر کی اور ان بچوں کو روبرو کھڑا کر دیا۔ اس لئے کہ ان کی خرد سالی و شیر خواری پر رحم کرے کیونکہ یہ آخر تیرے ہی ہیں۔ سچ جان کہ بے تیرے ان کی زندگی ہرگز نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ وہ کشتی اس کی آنکھوں سے غائب ہو گئی۔ اور اس عورت کی بالکل خاطر جمع ہوئی۔ حق تعالیٰ کی حمد و سپاس کے مراتب زیادہ ادا کئے۔ پر یہ فلک شعبدہ باز اس مقام میں کہ اپنے نیلگوں سے ہمیشہ ایک نیا شعبدہ روئے کار پر لاتا ہے کہ ایک سخت حادثہ عقل کا جلانے والا برپا کیا۔ یعنی بعد دو تین دن کے جب کہ خورشید زریں کی ڈونگی اپنا لنگر اٹھا کر مغرب کے

بھنور میں غرق ہوگئی، یکایک قہرِ الٰہی سے بادِ مخالف چلی اور عنانِ اختیار ملاحوں، ناخداؤں کے قبضۂ اقتدار سے لے کر گھڑی آدھ گھڑی کے عرصے میں دو مہینے کی راہ پر برخلاف ان کی منزلِ مقصود کے لے گئی۔ ایک بڑے سے گردابِ بلا میں ڈال دیا۔ بیت

فکر سے گو جامۂ تن پھاڑ ڈالے ناخدا پر اُدھر ہی جائے کشتی جس طرف چاہے قضا

ان جہازیوں نے جس قدر دستِ دعا آسمان کی طرف اٹھا کر اس قہرمانِ خفگی کی درگاہ میں عجز و الحاح کیا، پر ہرگز اجابت کا نقش ان کے صفحۂ حال پر ظاہر نہ ہوا بلکہ نجات کا اثر مطلق نہ دکھلائی دیا۔ بہت سی دعا مانگی پر تقدیر پھرتی نہ نظر آئی یکایک ایک مچھلی پہاڑ کی مانند نہایت لمبی چوڑی جس کی بلندی و کلانی کسی طرح خیال میں نہیں آتی پانی سے سر اٹھا کر پل مارتے اس جہاز کے قریب کہ جس پر ایک گروہ بدبختوں، برگشتہ نصیبوں کا بیٹھا ہوا تھا جا پہنچی اور اس کشتی کو ایک منہ مار ہی بیٹھی۔

غرض اس معبودِ مطلق کی قوت سے وہ جہاز کہ نہایت لمبا چوڑا مضبوط تھا ایک ہی صدمے سے جس طرح کہ حلبی شیشہ پتھر پر گرنے سے چُور چُور ہو جاتا ہے، پاش پاش ہوگیا۔ ان سبھوں کا شیشۂ حیات بھی سنگِ فنا سے لگ کر سطحۂ نیست و نابود کو پہنچا اور جو بار بوجھ کہ وہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اس سمیت تری کی راہ سے جا کر خاکِ عدم کے تخت نشیں ہوئے، مگر وہی عورت سیہ اختر سوختہ بخت ایک تختے پر رہ گئی، اور وہ تختہ بادِ مراد کے باعث اس بھنور سے نکل کر تین رات دن تک، جیسے کہ تیر کمان سے چھٹ کر اڑ جاتا ہے، چلا گیا۔

چوتھے روز جب (مہر) زرّیں کی ڈونگی آسمانِ نیلگوں کے دریا سے ظاہر ہوئی وہ تختہ خدائے کریم کے حکم سے کہ اس کی حکمت برتر کے آگے کسی کی گفتگو کا دخل نہیں چلنے سے پانی پر ٹھہر گیا، ایک رات دن ووہیں بے حس و حرکت رہا، بلکہ ہوا کے چلنے سے بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ یہ جان کہ ہزاروں بھاری بھاری لنگروں سے وہ سطحۂ آب پر کھڑا تھا۔ پو پھٹنے کے وقت کہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلتی تھی ایک بارگی وہ تختہ چل نکلا۔ گھڑی آدھ گھڑی کے عرصے میں کنارے پہنچ کر پھر اسی طرح سے ٹھہر گیا اور پھر اس عورت نے جو اس تہلکہ جانکاہ کے ڈر سے نیم جان و بدحواس ہو رہی تھی، ہر ایک طرح کے خوف و خطر نے اس کے دل میں جگہ کر رکھی تھی، جب اپنے تئیں کنارے پر دیکھا عمر کو دوبارہ تصور کیا، ووہیں اس تختے سے جدا ہو کر گھڑی دو گھڑی پانی کے ہول سے خاک پر بیٹھ رہی اور طاقتِ انسانی کے موافق حق تعالیٰ کی درگاہ میں

شکر و سپاس کے مراتب بجالائی۔

بعد تھوڑی دیر کے ہوش و حواس جمع کیے' وہاں سے چل نکلی اور نہایت سبک رو ہو کر قدم دھرنے لگی' اس واسطے کہ اپنے تئیں آبادی میں پہنچا دے' عمارات کو دیکھے' غرض جس قدر کہ دائیں بائیں دوڑ دھوپ کی سوائے میدان لق و دق اور جنگل پر خوف و خطر کے اور کوئی چیز نظر نہ پڑی۔ ماندگی نے بھی تمام تن و بدن میں غلبہ کیا تھا' لیکن جب کہ اس مقام میں توقف کرنا اور بیٹھ رہنا مناسب نہ جانا' ناچار قدم بڑھائے چلی گئی۔

اتنے میں ایک ایسے دریا پر جا پہنچی کہ جس کا پانی نہایت میٹھا و مصفّا تھا اور درخت میوہ دار اس کے دونوں کناروں پر ہزاروں برابر برابر ہرے بھرے جھوم رہے تھے۔ غرض درختوں کے سائے' پانی کی خنکی' سبزے کی طراوت پھولوں کی شگفتگی نے اس کی روح کو نہایت تازگی بخشی۔ گھڑی آدھ گھڑی آرام کرنے کی خواہش کی' اچھے اچھے میوے تازہ و تر میٹھے میٹھے ثمر کھائے' آب شیریں و سرد پیا' اتنے میں نیند نے غلبہ کیا اپنی آنکھوں کے آگے پلکوں کی چلمنیں اور بھوؤں کے پردے گرا دیئے تمام جہان کے نیک و بد کے تماشے سے آنکھیں موند کر سو رہی۔ جب اٹھی' وہاں سے اور کسی طرف کو چل نکلی' ڈرتی کانپتی راہ نورد ہوئی اس لئے کہ پھر کہیں اس جنگل میں کوئی آفت چشم وا نہ کرے' کوئی بلا منہ نہ دکھلائے۔

اسی حالت میں ایک گروہ دیکھا اس نے' کہ بطور انسانوں کے معلوم ہوتا ہے' مگر اس میں کا ہر ایک شخص درختوں سے سر اٹھائے کھڑا ہے اس بات سے اس کے دل کا غنچہ خوشی کی ہوا سے کھل گیا نہایت خوش دلی و خاطر شگفتگی سے اپنی عنان توجہ اسی طرف پھیری۔ جب بہت نزدیک گئی مرد و زن ملا کر چالیس تن دکھلائی دیئے۔

پر سب کے سب آدم و حوا کی طرح ننگے منگے' درختوں کے پتوں سے اپنا اپنا ستر عورت ڈھانپے ہوئے' غنچے کی مانند بات چیت سے منہ بند کئے اور دیدۂ باطن اس ذوالجلال حقیقی کے جمال شاہد پر کھولے عبادت و بندگی کے رنج و دکھ سے از بس کہ دبلے پتلے ہو رہے تھے' اور اپنے حق تعالیٰ کے ذکر میں مشغول۔

عورت' جو بھوک پیاس کے لشکر کی لوٹی پاٹی اور گرسنگی و تشنگی کے غلبے سے بے چاری ہو رہی تھی' اس گروہ کے دیکھنے سے' جو کہ درختوں کے پتوں اور گھاس کی جڑوں سے اپنا خور و پوشاک رکھتا

تھا، نہایت مایوس ہوئی جس قدر کہ دور سے دیکھ کر ہشاش بشاش ہوئی تھی اتنی ہی نزدیک آکر غمگین و ملول خاطر، پر اس گروہ کے آگاہ دلوں، روشن ضمیروں نے اپنے کشف وکمال سے اس کے دل کی ماہیت دریافت کرکے اپنی زبان وابرو کی ایما وچیم کے اشارے سے ایک طرف کی راہ دکھلا دی۔

اس عورت نے ان صاحب ہدایتوں کے بموجب فرمانے کے اس طرف کی راہ قدرے طے کی ہوگی کہ ایک جگہ بہت سے کپڑے اچھے خاصے صاف ستھرے دھرے ہوئے دکھلائی دیئے اور ایک چشمہ پانی کا ازبس کہ صاف ومُصفا نظر آیا۔ سچ ہے اگر کوئی دیکھے تو کہے کہ یہ چشمہ حوض کوثر سے نکلا ہے اور اس کے کنارے ایک محل جواہر کا بہت اچھا بنا ہوا چمک رہا ہے یقین کیا چاہیئے کہ وہ بھی ایک فوارۂ فیض تھا اور اس کے اندر ایک دیگچی رکابی سے ڈھکی ہوئی چولھے پر دھری ہے اور اس کے نیچے آنچ ہو رہی ہے لیکن صاحب خانہ (نہ) تھا۔

وہ عورت گھر خالی اور دیگچی چولھے پر چڑھی، ازبس کہ غنیمت جان کر نہایت خوشی وخرمی سے اندر چلی گئی۔ اس کی بھوک کی دیگ بھی فاقے کی آگ سے ابل رہی تھی۔ بے اختیار اس کا سرپوش اٹھا کر دیکھنے لگی اتفاقاً اس کے اندر دو چار پتے کسی درخت کے ایک چمچا بھر پانی میں جوش کھاتے نظر پڑے۔ یہ احوال دیکھ کر وہ اور بھی مایوس ہوئی۔ نہایت بے طاقتی سے ایک درخت کے سائے میں گر پڑی، بلکہ گھڑی آدھ گھڑی یونہی پڑی رہی۔

اتنے میں ایک مرد نورانی صورت، فرشتہ خصلت کسی طرف سے نکل آیا۔ عورت نے دیکھا کہ اس کے رخسار مہر وماہ کی مانند تاباں ودرخشاں ہیں بھونچک رہ گئی۔ غرض اس وحدت کے مے خانے کے مے خوار کے معنی کا دبدبہ، اور اس بحر حقیقت کے شناور کا رعب، اس بے چاری ہیبت ماری کے دل پر یہاں تک غالب ہوا، کہ تمام تن بدن اس کا تھرتھرانے لگا، آپ میں نہ رہی بلکہ جان نکل چلی۔

صاحبِ دل نے اس کی کیفیت کو، جب تک کہ وہ اپنی روشن دلی کے باعث وہ احوال ناگفتہ اپنے گوش رسا سے سن لیا، اور وہ ورق نانوشتہ چشم بینا سے پڑھ ڈالا، نہایت لطف ومہربانی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اضطرابی وبے قراری اس کے دلِ بے قرار سے نکال کر نہایت دلاسا دیا۔ اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ جلد تو اپنی آنکھیں موند کر کھول دے۔ عورت نے اس صاحب کرامات کے کہنے سے آنکھیں بند کرلیں جونہی آنکھیں کھولیں۔ اس جہاں کشا کی توجہ کے باعث راہوں کی آفتوں سے نجات پا کر اپنے تئیں اپنے

باپ کے دروازے پر کھڑا دیکھا۔

غرض بہت سے سفر کے غم و الم اٹھائے ازبس کہ مسافرت کے درد دکھ گوارا کئے، غرض تمام جہان کی آفتوں، ساری دنیا کی بلیاتوں سے سلامت نکل کر دارالامان میں داخل ہوئی۔ سچ ہے اگر وہ سوداگر بھی اس جوان کی حقیقت کا کندن امتحان کی کسوٹی پر چڑھاتی یا اس کے حسب نسب کی عقل کی زبان سے چکھ کر اپنے تئیں اس کے نکاح کے رشتے میں مقید کرتی تب اس کا دامنِ وصال اپنے دستِ تعشق سے پکڑتی تو ہرگز رنج و مصیبت کے تیر کا نشانہ نہ ہوتی۔ قطعہ

بارِ غم جور و ستم سے دل پہ وہ بے جائے ہے ۔۔۔ بے تامل کام جو کرتا ہے اے اہلِ ضمیر
سوچ تو ہے جب تلک سوفار چلّے سے لگا ۔۔۔ فائدہ پھر کچھ نہیں جب ہاتھ سے چھٹ جائے تیر

دوسری (بات) یہ کہ دشمن کو ناچیز نہ جاننا چاہیئے اس واسطے (کہ) گیلان کے بادشاہ زادے کی طرح ذلت و خواری میں شہرۂ آفاق نہ ہوگے۔ جہاندار سلطان نے پوچھا اس کی کیفیت کیوں کر ہے؟ بیان کر۔ مینا کہنے لگی سنا ہے کہ اگلے زمانے اور گزرے ہوئے ایام میں روزگار کے انقلاب کے سبب اور اس چرخ کج رفتار کی گردش کے باعث گیلان کی سرحدوں میں سے کسی سمت کو ایک چوہے نے سلطنت کے تخت پر بیٹھ کر اپنی سرداری کا سایہ تمام چرندوں پرندوں کے سر پر ڈالا اور ایک لومڑی کو وزارت کے کام کا متکفل کر کے اپنی ساری بادشاہت کے نظم و نسق کا مختارِ کل کیا۔ حاصل کلام وہ بھی اپنے کار۔۔۔ میں دل و جان سے مصروف رہتی تھی اور کوشش بہرحال کیا کرتی تھی سبحان اللہ کیا خوب مثل مشہور ہے۔ مصرع ۔۔۔ وزیرے چنیں شہریارے چناں

فرد: نہ پوچھ یہ کہ ہوا چرخ سفلہ پرور کیوں ۔۔۔ نہیں ہے اس کی عنایت کو کچھ سبب درکار

قضا کار ایک قافلہ سوداگروں کا اس جنگل کی طرف سے ہو کر کسی سمت کو چلا گیا اور ایک اونٹ قافلہ سالار کی خاص قطار کا، لاغری و ناتوانی کے باعث بوجھ سے زخمی و مجروح ہونے کے بہ سبب اس بیابان میں رہ گیا۔ جب کہ ساربانوں کی کھینچا کھینچی محمل و کجاوے کے بوجھ کی اینچا تانی سے نجات پائی۔ مہار کے دکھ سے چھٹ کر اس جنگل کی اچھی خاصی ہری ہری گھاس کھائی تھوڑے ہی دنوں میں موٹا تازہ و توانا ہو گیا، ازبس کہ مضبوط و سنڈا بنا۔

اس عرصے میں اس لومڑی نے اس کے احوال سے مطلع ہو کر اپنے بادشاہ کی خدمت عالی

میں عرض کی "جہاں پناہ! آپ کے قلمرو میں ایک شتر بے مہار نے محل وکجاوے کے بوجھ سے نجات پاکر حضور اعلیٰ کے خاص الخاص مرغزار میں رہنا اختیار کیا ہے اور اس سرزمین کی سیر کرتا ہے کہ جہاں کے درختوں کے میوے جہاں پناہ تناول فرماتے ہیں۔ بلکہ انہیں درختوں کے میوے بھی جو پسند کرتا ہے بے ڈر و دہشت کے کھاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ بے اذن حضور والا کے اس ملک میں اس کا رہنا اچھا نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا جانور موٹا، لمبا، بلند و مضبوط، قوی ہیکل اسی طور سے تھوڑے دن یہاں اپنی استقامت کرے اور یوں ہی پھرے تو چند روز میں نخوت و غرور کی بُو اُس کے دماغ دل میں اثر کر جائے گی۔

یقین فرمایئے کہ جہاں پناہ کے ملازموں کے ہاتھ سے اس ملک و مال کے لے لینے کی خاطر ارادہ کرے۔ اپنے تسلط و تغلب کا ہاتھ حضور کی خاص املاک پر ڈالے تو پھر اس وقت اس کا دفعیہ کرنا نہایت مشکل ہو جائے گا کیونکہ جب ایک فتنہ و فساد برپا ہوا پھر اس کا مٹانا دشوار ہے جس سے مصلحت یہی ہے کہ حضور پر نور سے اس کے حاضر کرنے کا حکم ہو اور وہ جب مجرا گاہ میں آوے اُسے سبب تقصیر و گناہ کے اپنے جلال قہرمانی سے چشم نمائی کریں بلکہ ایسے عمل ناشائستہ سے تنبیہ کر کے اپنی غلامی میں داخل فرمائیں اور اگر وہ بھی اپنے طالع کی عنایت و بخت کی ہدایت سے جہاں پناہ کی ہدایت کے حلقے میں سر ڈالے، حکم والا کو بسر و چشم قبول کرے تو بخوبی غلاموں میں شمار کر کے مہربانی و نوازش سے سرفراز فرمائیں۔

غرض ایسے بڑے اونٹ کو تابعدار کرنا حضور فیض گنجور کے واسطے بہت مناسب ہے بلکہ اس کا مطیع ہونا جہاں پناہ کے جاہ و جلال و کر و فر کے تمام جہان میں زیادہ ہونے کا موجب ہوگا اور (اگر) خدانخواستہ وہ اپنے غرور باطل و نخوت پوچ سے اپنی کلانی و طولانی پر نظر کرے، عبودیت کی روش و اطاعت کی راہِ استوار سے انحراف ہو کر قدم بے جا رکھے، تو اب تک اس نے اتنا استقلال نہیں پیدا کیا ہے اور نہ ابھی کسی فتنہ و فساد کے برپا کرنے والے سے رابطۂ دوستی بہم پہنچایا ہے۔ پس اس کے استقلال کی جڑ اکھیڑنے کو اپنی ہمت جہانداری کے ذمے لازم جان کر کوشش کیجئے بلکہ اس کے شر کی آگ کے بجھانے میں بہ دل متوجہ ہو جیئے اور ساتھ تحمل کے حکمت و تدبیر کی رو سے اس کی ہمت کی بنیاد نیست و نابود کر دیجئے۔ یہ بات تمام اہل جہان پر کھل جائے کہ بزرگوں کے حکم کے برخلاف کرنا فرماں رواؤں کے فرمان سے انحراف ہو کر نافرمانی کی راہ میں قدم دھرنا اپنے ہی مرنے کی خواہش کرنا ہے بلکہ اپنے تئیں عدم کے غار میں سر کے بل گرا دینا ہے۔ فرد

خلاف رائے ملک کے جو کوئی کام کرے　　　تو پہلے جان سے اپنی وہ ہاتھ دھو بیٹھے

بادشاہ نے اس وزیر والا تدبیر کی یہ بات نہایت پسند کی اور اس شتر بے مہار کے حاضر ہونے کی اشارت فرمائی۔ غرض وہ لومڑی آپ ہی اس مہم کی متکفل ہو کر ہزاروں طرح کے مکر و فریب، قسم قسم کے جادو ٹونے سے اس شتر بے مہار کی ناک میں اطاعت کی نکیل ڈال کر درگاہ بادشاہی میں لے گئی۔ جونہی اس اونٹ نے چوہے کو دیکھا، اس کی شان و شوکت فرماں روائی و بادشاہت کے دبدبے نے اس کے جی میں کچھ اثر نہ کیا، بلکہ وہ آپ ہی اپنے آنے سے شرمندہ ہوا۔ آخر کار اس کے حکم و فرماں روائی کی راہ سے منحرف ہو کر اپنی راہ پکڑی۔

اس بادشاہ نے اس بات کو اپنی سبکی و شرمندگی کا سبب خیال کیا بلکہ تمام رعیتوں ملازموں کے سامنے ذلت کا باعث سمجھ کر لومڑی سے کہا اے وزیر نیک تدبیر والے دانشمند بے نظیر اگر یہ اعمال و افعال تیرے خیر خواہی و دل سوزی کے ہیں تو باوجود اس دانشمندی و ہوشیاری یہ حرکت نیک نامی، وفاداری کے آئین سے برخلاف ظاہر ہوئی کیوں کہ بظاہر سراپا ہمارا قدرے حقیر معلوم ہوتا ہے۔ پر سچ تو یہ ہے کہ ہماری بزرگی ذاتی، آگاہ دل و معنی شناس پہچانتے ہیں اور ظاہر کی صورت دیکھنے والے اس سعادت سے محروم و بے نصیب ہیں۔

یقین جان کہ وہ اونٹ بد ذات اس لائق نہ تھا کہ حضور اعلیٰ میں حاضر ہوتا بلکہ اس کا لانا ہی بارگاہِ اعلیٰ میں دائرہ صواب سے باہر تھا کیوں کہ پہلے تو اس کے دل میں کچھ میری طرف سے ڈر تھا اور اب تو بالکل لاپرواہ ہو گیا ہوگا۔ غرور نخوت نے اس کے دل و دماغ میں۔ یقین ہے کہ گھر کیا ہو اور یہ حرکت ہر ایک کوتہ اندیش و فتنہ برپا کرنے والے کو بدبختی و فتنہ برپائی کی ایک پونجی ہاتھ لگے۔

لومڑی نے عرض کی جہاں پناہ کو اس سبب سے مکدر خاطر ہونا مناسب نہیں۔ اگرچہ وہ حیوان زور آور و قوی بازو ہے اور اپنی کج گردنی سے سرکشی کرتا ہے۔ اس واسطے کہ کل طویل احمق یعنی جتنے لمبے ہیں بے وقوف ہیں اور عقل و ہنر کے مزے سے بے نصیب۔ سوائے اس کے وہ کج دلا اور بودا بھی اتنا ہے کہ اگر ایک چھوٹا سا لڑکا بھی چاہے، ادھر لے چاہے تو وہ ہرگز سر نہ اٹھائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں تھوڑے ہی دنوں میں اس کو حضور اعلیٰ کا فرماں بردار کر دیتی ہوں اور جہاں پناہ کے تابعداروں کے جرگے میں داخل کر کے دو زانوں ہوش ہوش کر کے بٹھا دیتی ہوں۔

القصہ وہ اونٹ اس جنگل میں نہایت خاطر جمعی و دل کشائی سے پھرتا تھا از بس کہ خوشی وخرمی کے ساتھ اپنی زندگانی بسر کرتا تھا اور وہ لومڑی مکر و فریب کی ایک رسی استوار اس کے پاؤں باندھنے کو ہمیشہ جال کی طرح اِدھر اُدھر لگا کر تاک لگائے رہتی تھی۔ قابو ہی کی جستجو کیا کرتی تھی۔ اتفاقاً ایک دن وہ اونٹ اپنی حرص وہوا کے باعث، کہ تمام جہاں کے فعلوں میں سے بدتر ہے گردن اونچی کرکے کسی بڑے لمبے چوڑے درخت کی کونپلیں کھا رہا تھا کہ اس کی مہار ایک ڈالی میں اٹک گئی اور گردن اس کی (اسی) طور سے اوپر کی اوپر ہی رہ گئی۔

تب وہ اونٹ اپنی شتر غمزیں بھولا، نہایت عاجزی وانکساری سے آہ وزاری کرنے لگا۔ اور وہ لومڑی اس بات سے آگاہ ہو کر اسی گھڑی اپنے بادشاہ کی خدمت عالی میں گئی۔ مجرا کرکے کہنے لگی: "خداوند وہ اونٹ اس طور سے گرفتار ہوا، قید ہونا اس کا جہاں پناہ کو مبارک ہو۔"

چوہا اس بات کے سنتے ہی اپنی مسندِ عزت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ شاداں شاداں وہاں چلا گیا۔ پھر اس درخت پر چڑھ کر اونٹ کے سامنے جا بیٹھا۔ بطور طعن کنائے کے کہنے لگا: "اے شتر بے شمار کیا اچھے نصیب ہیں تیرے کہ ایسی ایسی نعمتیں تر و تازہ کھاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے وہاں چلا جاتا ہے۔ اتنے میں اس لومڑی نے بھی چوہے کے پہلو سے نکل کر زبان طعن سے کہا اے اونٹ کچھ جانتا ہے یہ نتیجہ تجھے تیری نافرمانی کا ملا ہے۔ بیچ جان اگر تو اپنا سر اطاعت ہمارے بادشاہ جم جاہ کی بندگی کے حلقے میں ڈالتا، اس کی حمایت کے سائے میں اپنا گھر بناتا، تو آج اس بے بسی و بے کسی سے دامِ بلا میں کیوں پھنستا۔ اب بھی کہ اپنی زندگانی کا بوجھ خاک فنا پر پھینکے، عدم کے تختے پر بخوبی تمام پاؤں پھیلا کر سوتا ہے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں۔

یہ بات سن کر اس اونٹ نے نہایت بزدلی و نامردی سے ساتھ آہ وزاری کے عرض کی اے لومڑی اگرچہ ابتدا میں مجھ سے گناہ عظیم ظاہر ہوئے لیکن اب تقصیر ماضی کو بخشوایا چاہتا ہوں اور اب اپنے صدق دل سے سر اطاعت بادشاہ کے آستانِ فیض نشان پر دھر کے اس کی عنایت آمیز کے سائے کی پناہ چاہتا ہوں، اگر وہ ان گناہوں کی ذلتوں کو اپنی بخشش کے دامن میں چھپا دے اور ان بلیاتوں سے نجات دے کر اپنی پناہ کے سائے میں بٹھلا دے تو اس کے خلق کریمانہ کے نزدیک کچھ دور نہیں۔

دونہی چوہے نے اس کا التماس قبولیت کے آستانے تک پہنچا کر اس کی تکمیل کو کر وہ اس درخت کی ڈالی میں لپٹ گئی تھی اپنے دانتوں سے کتر دیا اور اس اونٹ کو اس مخمصے سے خلاص کیا۔ تب اس لمبی گردن، بلند قد نے نہایت عجز و انکسار سے اس کے احسان کے مراتب ادا کئے اور اپنا سر اطاعت اس کوتاہ گردن، دم دراز کی بندگی کے حلقے میں ڈالا۔

غرض اس لمبے چوڑے ہاتھ پاؤں والے نے ساتھ اس قامت طول وطویل کے ایسے ذرا سے چوہے کی فرماں برداری قبول کی۔ اس بات کے ظاہر ہونے سے وہ چوہا اس قدر خوش ہوا کہ اپنے بل میں بھی نہ سماتا تھا۔ آخر اس اونٹ کو فرمایا کہ تو تمام دن اپنی خاطر جمعی سے اس جنگل میں چرا کر اور شام کے وقت بادشاہ کی درگاہ میں حاضر ہو بلکہ سرکار شکنجہ گری میں سرگرم رہا کر۔

جب تھوڑے دن اسی طور سے گزرے اتفاقاً ایک روز گیلان کے شہزادے کی سرکار کے لکڑہاروں نے اس مست و بے مہار اونٹ کو بے والی و بے وارث کا جان کر پکڑ لیا اور اپنے شہزادے کے اونٹوں کی قطار میں داخل کیا۔ لومڑی اس احوال سے آگاہ ہو کر اسی گھڑی بادشاہ کی بارگاہ میں چلی گئی اور اس کے گرفتار ہونے کی کیفیت ظاہر کر کے عرض کرنے لگی "جہاں پناہ اس بات کی جلد تدبیر کیجئے بلکہ ان کو بلوا کر سزا دیجئے"

وہ بلوں کا رستم پہلوان اس احوال کے سنتے ہی آگ (بگولا) ہو گیا اور نہایت برہم ہوا۔ غرض دوسرے دن جب وہ لکڑہارے اس جنگل میں آئے۔ چوہے نے ان سے کہا اے دانشمند و بے دشمنی و عداوت کے کام کی بنیاد بغض کی کرسی پر ڈالنا اور خشونت ناصواب کا باعث بننا، فتنہ و فساد کا موجد ہونا، معلوم کرو کہ یہ کام اشرافوں نیک ذاتوں کے لطف و احسان سے دور ہے۔ بلکہ ان عالی ہمتوں کی پسند خاطر یہ بات ہے کہ اس اونٹ کو ہماری خدمت فیض درجت میں بھجوا دیں، اور کتنے بے گناہوں کے خون بہانے سے پرہیز کریں اگر یہ بات عمل میں نہ لاؤ گے تو میرے انتقام سے غافل نہ رہ کر سامان لڑائی کا درست کر کے مستعد بجنگ رہو کیونکہ میں کسی طرح اس دعوے سے باز نہ آؤں گا اور نہ اس مقدمے سے دست بردار ہوں گا۔

لکڑہاروں نے اس چوہے سے اس ڈھب کی دلیرانہ باتیں سن کر متعجب کیا، نہ ان اس احوال نادر بیان سے اپنے شہزادے کو آگہی بخشی وہ چوہے کی اس بات کو پوچ جان کر کچھ اپنے خیال میں نہ لایا قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ بلکہ اپنے نوکروں چاکروں کو بھی ہنسا کر اس مقدمے کے ذکر و تذکرے سے باز رکھا۔

اور منع کیا کہ اس ڈھب کی باتیں اپنے منہ سے نہ نکالیں۔

جب کہ یہ خبر چوہوں کے بادشاہ کو پہنچی، مصلحت و مشورت کی رو سے لومڑی کو بلا کر کہنے لگا اے وزیرِ والا تدبیر! سرداری و ملک گیری کے آئین و آئین و قاعدے سے ان ایسی ذلتوں اور خفتوں کو کسی طرح قبول کرنا سزاوار نہیں۔ اس واسطے اپنی عقل خیر اندیش اس بات پر متوجہ ہوتی ہے کہ لشکر کے سرداروں کو بلا کر جنگ و جدل کا اسباب بوجہ اتم جمع کروں، اور سرانجام لڑائی کا درست کر کے اپنے لاؤ لشکر سمیت میدان پکڑوں۔ اس بات میں اس وزیر کی بھی رائے بادشاہ کی عقل صواب نما کے شامل حال ہوئی کہنے لگی بہت بہتر۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کی عقل، قصدِ عالی کے مطابق پا کر اپنے لشکر قاہرہ کے سرداروں کے طلب کرنے میں حکم نافذ کیا۔

غرض تھوڑے ہی دنوں میں ایک لشکر بے قیاس کہ جس کے شمار کرنے سے مہندسان دقیقہ شناس بھی عاجز و ناچار ہو جاتے تھے، بارگاہ بادشاہی میں آ پہنچا، اس کی کثرت دہشت سے سارا جنگل و میدان بھر گیا۔ پہلے اس وزیر کو یہ خدمت مقرر ہوئی کہ وہ تمام چوہوں کی فوج کو کہہ دے کہ وہ غنیم کے خزینوں دفینوں میں سیندھیں دے کر تمام زرِ نقد نکال لاویں وہاں فرمانے ہی کی دیر تھی اس لشکر نے غنیم (کے) خزینوں اور دفینوں میں کو نپلیں دے کر ایک کانی کوڑی بھی نہ چھوڑی مگر کتری کترائی تھیلیاں ٹوٹے ٹاٹے صندوق چھوڑے اور ان خزانچی و نگہبانوں کو ہرگز اس خزانے کی خبر نہ ہوئی۔

جب کہ یہ کام بخوبی تمام سرانجام ہوا، چوہوں کے بادشاہ نے فرمایا کہ اب ایک شخص گروہ انسان سے جو عقل و دانش کے زیور و لباس سے آراستہ ہووے۔ اس مہم کی صلاح و مشورت اور سپاہ و فوج کے جمع کرنے کی خاطر حضور میں حاضر کیا چاہیے۔

اتفاقاً ایک جوان گردش فلک کا مارا اپنے کئی بھائیوں، خویش و اقرباؤں سمیت روزگار و معیشت کی جستجو میں اپنے وطن مالوف سے نکل کر مسافروں کی طرح راہ نورد و متردّد خاطر تھا۔ غرض بہر صورت باتفاقِ حسنہ اسی راہ سے گزرا، چوہوں کو دیکھا اس نے کہ ہر ایک اپنے اپنے منہ میں روپے اور اشرفیاں لیے ہوئے بلو میں چلا جاتا ہے۔

وہ جوانِ نو از بس کہ محتاج و مفلوک تھا روٹی کے بدلے بھوک کے تیر سے نان گربہ چھید تھا چاہا اس نے کہ جس صورت سے بنے اس طرح ان چوہوں کے حلق سے اس سونے کے نوالے کو نکال لیجیے کہ

ان چوہوں میں سے ایک نے پکار کر کہا۔ اے جوان کیوں عبث عبث حسرت کی رال اپنے منہ سے ٹپکاتا ہے اگر تجھ کو زر و جواہر کا لینا منظور ہے، اس دولت کو بہ دل چاہتا ہے اور برخلاف اس زمانے کے دنیا کی نعمتوں سے برخوردہوا چاہتا ہے تو انسانوں کی تابعداری سے ہاتھ اٹھا، ہمارے بادشاہ عالی جاہ کی نوکری کر، ایک باری زر و جواہر سے مستغنی ہو جاوے۔

جوان نے اس بات کو ایک نعمت عظمیٰ جانا بخت کو مددگار پایا، نصیب کو چمکتا دیکھا۔ نہایت خوش ہو کر اس چوہے کی دست گیری سے بادشاہ کی خدمت فیض درجت میں چلا گیا۔ مرتبہ سعادت حاصل کیا، یہاں تک کہ بادشاہ نے اس کے درجے سے زیادہ درماہا مقرر کر کے سرفراز فرمایا اور اسی خزانہ غیب و دفینۂ لاریب سے دینا شروع کیا اور کارِ وزارت دے کر، تمام اپنی بادشاہت کا مختار کل کر کے جنگ جدل کا اسباب جمع کرنے، لشکر و سپاہ کے رکھنے کی خاطر حکم ناطق فرمایا۔

وونہی اس جوان نے اپنے بعضے بعضے یاروں، آشناؤں کو خط لکھا اس احوال کی کیفیت سے آگاہ کیا کہ اس زمانے ناہنجار میں سے خیر و برکت آدمیوں میں سے اٹھ گئی ہے۔ اب رفاہیت و فراغت سوائے چوہوں کے بادشاہ کی اطاعت و بندگی کے اور کہیں نہیں رہی کیوں کہ بالفعل وہ گنجوں کا مالک ہے قطع نظر اس کے خزانۂ غیب و دفینۂ لاریب بے شمار اس کے ہاتھ لگا ہے۔

اس بات کو سن کر مثل مشہور ہے کہ ”آدمی کم ہمت و لالچی ہے بلکہ بندۂ دام و درم“ نہایت خوش ہوئے۔ اس معنی کو غنیمت جان کر ہر ایک شخص اِدھر اُدھر پورب پچھم اُتر دکھن شہر و قصبے سے نکل کر دوڑا۔ تھوڑے دنوں میں ایک لشکر عظیم جمع ہو گیا۔

چوہوں کے بادشاہ نے اسباب لڑائی اور سرانجام درست کر کے، اپنی فوج کثیر ساتھ لے، وطن مالوف چھوڑ، عنان مقصد کو شہزادے کی طرف پھیرا۔ میدان کارزار میں شجاعت کا نقارہ بجایا، سرداری کا نشان گاڑا۔

شہزادہ اس کی طرف سے اپنے گوش و ہوس میں غفلت کی روئی بھرے رکھتا تھا۔ ڈنکے کی آواز سنتے ہی خوابِ غفلت سے چونکا۔ وونہی اپنے ارکان دولت و مشیرانِ مملکت کو خلوت خانے میں بلوا کر کہنے لگا ”فتنے کی آگ کے بجھانے فساد و ہنگامہ کی آتش کے سرد کرنے کی کیا تدبیر کیا چاہیے“ اور یہ بھی فرمایا ”اگرچہ اس طور کے قضیے ہنگامے اس جہانِ فانی میں بہت سے ہوتے ہیں، مگر ایسے مضحکے

کے سخنوں سے نہایت کوفت ہوئی۔ کیوں کہ چوہے کہ لڑنے سے از بس کہ ذلت نظر آتی ہے۔ اس بات کو تامل کرکے سوچو، پھر جس میں صلاح نیک ہو قبول کرو۔

ان دقیقہ سنجوں باریک بینوں نے نہایت غور کرکے عرض کی۔ جہاں پناہ اب جو دشمن لڑائی کا نقارہ اپنے سر پر بجا ہی چکا ہے پس اس وقت سوائے آتش کارزار کے بھڑکانے کے اور کچھ چارہ نہیں۔ شہزادے نے اپنے خیر خواہوں مصلحت کاروں کی صلاح نیک سے فوج و لشکر کے آراستہ کرنے کا حکم کیا۔ فرمایا دروازے خزانوں کے کھول دیں، جس قدر زرِ نقد اسبابِ جنگ کے واسطے درکار ہو بے خطرے لیں۔ جونہی کوٹھوں کے دروازے کھولے وونہی رستے امید کے بند ہوگئے۔ کیوں کہ ان خزینوں اور ان دفینوں میں ان چوہوں کے ہاتھ سے روپے اشرفی وام و درم کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا۔

ناچار اپنی فوج کو وعدے سے خوش کرکے اپنے مکان عالی شان سے نکلا۔ جنگ و جدل کا نشان دشمن کے دفع کرنے کو مقابلے کے میدان میں کھڑا کیا۔ جس وقت کہ موش زریں بال مغرب کے بل میں گیا، چوہوں کے بادشاہ نے اپنی فوج کو حکم کیا کہ پہلے تم غنیم کے لشکر پر چڑھ جاؤ اور جو خدمت کہ حضور خاص سے تم پر مقرر ہوئی ہے اس کو بخوبی بجا لاؤ۔

یہ بات سنتے ہی چوہوں کی سپاہ کہ مور و ملخ سے بھی سوائے تھی چاروں طرف سے شہزادے کے لشکر پر جا پڑی۔ ایک لمحے میں رکاب کے تسمے سے لے کر چلے، اور گھوڑے کی لگام سے لے کر اگاڑی پچھاڑی تک ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، پارہ پارہ کرکے خاک میں ملا دیا، بلکہ چمڑے کے نام سے تاشے مرفے سے لے کر نکوار کا میان (تک) چاب ڈالا۔ راتوں رات اس کار مشکل کو بآسانی تمام کرکے اپنے تئیں بادشاہ کی خدمت میں پہنچایا وونہی حکم ہوا کہ اب آدمیوں کی فوج جائے اور اس کی سپاہ کے دائیں بائیں جنگیوں کے اپنے تئیں خود و بکتر جھلم و جمدھر سے آراستہ کرکے صفیں باندھے۔ دامن گردان کر تلواریں کھینچے۔

وونہی اس بات کی خبر خبر رسانوں نے اپنے شہزادے کی خدمت میں پہنچائی۔ غنیم کی فوج کے شب خوں پڑنے سے بھی آگاہی بخشی۔ شہزادے نے اس بات (کے) سنتے ہی اپنے دلاوروں پہلوانوں کو اس احوال سے آگاہ کرکے فرمایا کہ تم بھی اسبابِ لڑائی درست کرکے مستعد بجنگ ہو۔

وہ لشکر سوار ہونے کے وقت اسباب نادرستی پوزی پٹے کی شکستگی کے بہ سبب اپنے ہوش و حواس سے بھی جاتا رہا اور چوہوں کے بادشاہ کا لشکر اس کی سراسیمگی و حیرانی کو اپنی فتح و نصرت کا وسیلہ جان کر

نہایت دلیری وجوانمردی سے لشکر شکستہ پر جا پڑا۔ اپنی تیغ بے دریغ کے تلے رکھ لیا۔ جو اس کی تلوار خونخوار سے بچا، بھاگ جانے کو غنیمت جان کر گھونگھٹ کھا گیا۔

آخر شہزادہ سینکڑوں ذلتیں، ہزاروں خفتیں اٹھا کر اس میدان سے نکلا۔ اپنے قلعۂ استوار میں جا بیٹھا زر وجواہر، مال واسباب، پال وپرتل، ہاتھی، گھوڑے، خیمے سراپچے، سب اس دشمن کے ہاتھ لگے۔

جب سپہر کا شہسوار تیغ زریں اپنے ہاتھ میں لے کر ربع مسکون کے تسخیر کرنے کا عزم کر کے سطحۂ خاور سے نکلا، شہزادے نے نہایت عجز وانکسار سے ایک ایلچی کے ہاتھ یہ پیغام کہلا بھیجا کہ اس ذلیل وخوار کو اپنے سائے میں جگہ دے کر اب ملک ومال سے ہاتھ اٹھا دیں اور میری تقصیر معاف کریں ہو سکتا ہے۔

جونہی یہ بات چوہوں کے بادشاہ نے سنی وونہی باوجود اس خست وکم ہمتی کے آئین کریمانہ ادا کر کے مراسم اخلاق ومہربانی کے بجا لایا اور جس قدر کہ مال واسباب اس کے ہاتھ لگا تھا سب کا سب واپس کر کے کہلا بھجوایا کہ میں نے جو اس طرح کے قتل عام آگ بھڑکائی تھی اس سے یہ غرض نہ تھی کہ تمہارا ملک و خزانہ اپنے قبضے میں لاتا یا تم کو اس ڈھب کے دکھ دکھلاتا، بلکہ مدعا مجھے اپنے اونٹ ہی کے لینے کا تھا اگر وہ پہلے ہی مرحمت فرماتے تو اس قدر کیوں برباد ہوتے۔

بادشاہ زادے نے اس بات کو جملہ مغتنمات سے جان کر اس شتر بے مہار کو تاش بادلے کی جھول جھلا جھل جڑاؤ کجاوے سے آراستہ کیا، کلابتو کی مہار لگا کر نہایت تیاری سے چوہوں کے بادشا؟ کی خدمت عالی میں بھیج دیا اور آپ عجز وانکساری کے دروازے کھول گناہ بخشوایا۔

غرض ان چوہوں کے بادشاہ نے نہایت فتح وفیروزی سے اپنے ملک کی طرف مراجعت ک
فوج کو رخصت کیا اور اس اونٹ کو پھر اسی صورت سے اس جنگل میں مطلق العنان کر۔ ک
بڑا منصب دے کر سرفراز فرمایا اور آپ فتح غیر متوقع سے اپنے سر افتخار ک
سے رگڑنے لگا۔ مارے غرور ونخوت کے بلی کو بھی ناچیز سمجھنے

سچ ہے اگر وہ شہزادہ پہلے ہی اس جو۔
دشمن کی قبر کھودنے اور اس کے دفعہ
یقین جا۔

مبتلا ۔

پر یہ قصہ تمام تھا۔ اور اگر اس دشمن کے دفع کرنے کے لئے قدرے ہمت کرتا تو ایک ہی بلّی کی مدد سے فتح پاتا۔

غرض ہر ایک صورت سے ان دو باتوں میں ایک ہو رہتی یعنی دشمن کی آگ کا بجھنا، مسندِ عزت پر نہایت تمکنت کے ساتھ امن و امان سے بیٹھنا ایک اونٹ اور ایک بلّی پر موقوف تھا۔ غرض اس نے اپنے بزرگوں کے قول کی راہِ صواب سے انحراف ہو کر اپنا قدم بساطِ غفلت و غرور پر رکھا جس کا نتیجہ یہ کچھ دیکھا۔ سچ ہے۔ مصرع دشمن کرے کیا جو مہرباں ہووے دوست

اے شہزادے پس آدمی کو لازم ہے کہ جو کام کرے بے سوچے نہ کرے۔ مثنوی

گو عدو ہے خُرد لیکن دشمنی میں ہے بڑا غافل ہی کرتا خطا ہے اُس سے از تن ہے خطا

اژدہے سے تیز تر ہے بچھو ہی کی دشمنی کیوں کہ ظاہر اس کی ہے تجھ پر اور اس کی ہے چھپی

رکھ نظر میں اپنے دشمن کو تو اے اہلِ ضمیر خردہ بیں اس کا نہ ہوگا تو ہی پھر ہوگا حقیر

تیسری بات یہ ہے کہ اپنے احوال کے معشوق کے چہرے سے عورتوں کے سامنے برقع اٹھانا اچھا نہیں اور جو اس بات کو نہیں سنتا اس سوداگر بچے کی طرح ہمیشہ ذلت و خواری میں گرفتار و مبتلا رہتا ہے۔

جہاندار سلطان نے پوچھا کہ اس سوداگر بچے کا قصہ کیوں ہے؟ بیان کر

مینا کہنے لگی یوں سنا ہے کہ بنگالے کے شہروں میں سے کسی شہر میں ایک سوداگر بڑا مالدار رہتا تھا اور ایک ہی بیٹا اپنے آگے رکھتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن اس لڑکے نے اپنی جوانی دولت کی ترنگ اور اپنے حسن و شباب کی اُمنگ میں باپ کی گفتگو (کے) وقت ادب و آداب کا رشتہ توڑ کر ایسی باتیں سخت و نامناسب بے حد کیں، کہ دائرہ حساب سے بھی گزر گئیں۔ باپ اس کا اس حرکت بے جا اور اس سخنِ ناشائستہ سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ غضب کی آگ نے اس کے تمام تن بدن میں بھڑکنا شروع کیا۔

آخر مارے غصے کے اس لڑکے کو اپنے گھر سے نکال دیا وہ بھی اپنی نوجوانی کے غرور، عالمِ شباب کی غیرتِ بے جا کو کام فرما کے حویلی سے نکلا، فقیروں، قلندروں کا طریقہ اختیار کر کے اپنے تمام بدن اور سارے منہ میں بھبھوت مل لیا۔ پھر جہاں گردی و سیاحی کا قصد اپنے دل میں مصمم کیا۔ مسافری کا قدم تردد کی راہ میں رکھ کر راہ نورد ہوا لیکن اس واسطے کہ اس لڑکے نے سفر کے درد و دکھ، مسافرت کے غم و الم کم اٹھائے تھے اس سبب سے پہلی ہی منزل میں تھوڑی ہی دور چل کے بہت گھبرایا، تھک جانے کا اثر اس کے ہر عضو

ظاہر ہونے لگا۔

ناچار سرِ راہ سے پھر کر کسی تالاب کے کنارے ایک ہرے بھرے درخت کے تلے جا بیٹھا مسافری کا اسباب اپنے کندھے سے اتار کر بہ سبب ناچاری کے اسی بیابان میں بستر اجمایا۔ شام کے ہوتے ہوتے جب آفتاب جہاں پیمانے تمام جہان کی مسافت قطع کر کے اپنے تئیں مغرب کی منزل کے قریب پہنچایا کہ چار کبوتر ہوائے آسمان سے اُتر اس تالاب کے کنارے آبیٹھے لیکن حقیقت میں وہ کبوتر نہ تھے بلکہ کبوتروں کے بھیس میں چاروں پریاں تھیں۔ وونہی اپنی اصلی صورت پر آرہیں۔ کپڑے سیڑھیوں پر رکھ کر تالاب میں کود پڑیں، نہانے دھونے اور چھینٹے اڑانے میں مشغول ہوئیں۔

اِس حالت میں جو اِن کو سوداگر بچے نے دیکھا اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے کپڑے لے کر درخت کے کھنڈلے میں بیٹھ کر چھپا رکھا بعد ایک دم کے وہ چاروں نہا دھو کر اوپر آئیں، اپنے کپڑوں کے گم ہونے سے نہایت متفکر سراسیمہ ہوئیں۔ ازبس کہ بے قراری و اضطراری سے چاروں طرف دوڑ دھوپ کرنے لگیں آخر یہاں تک جستجو کی کہ اس جوان کو ایک درخت کے کھنڈلے میں بیٹھا دیکھا نہایت عجز و انکسار سے التماس کیا اے جوان ہمارے کپڑے ہمیں دے ڈال۔ جوان نے ہرگز ان کی عرض قبولیت کے محل تک نہ پہنچا کر کہا کہ جب تک میری امید تمہارے ہاتھ سے نہ بر آوے گی تب تک تمہاری عرض اجابت کے آستانے تک نہ پہنچے گی۔

یہ بات سن کر انھوں نے عرض کی۔ اے جوان اگر تیری آرزو ہماری کوشش و سعی سے بر آوے گی تو یقین جان کہ ہم ہرگز قصور نہ کریں گے۔ جوان نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ تم میں سے ایک پری میرے ساتھ ہمیشگی کی موانست و مواصلت اختیار کرے تو بعد اس مراسم نکاح اور ملنے جلنے کے تمہاری مخلصی ہو گی۔

یہ بات سن کر وے سب کی سب گھبرائیں ہاتھ جوڑ کر کہنے لگیں۔ اے بندۂ خدا ہمارا جسم اللہ تعالیٰ نے آگ و ہوائے گرم سے پیدا کیا ہے تجھے مٹی و پانی سے بنایا ہے۔ پس اس طرح ضد و جدائی میں دونوں طرف سے کیوں کر دوستی و محبت کی صورت بندھے؟ آتشی و آبی میں کس طرح اخلاص و پیار ہووے؟ کس صورت سے عیش و عشرت کی مجلس جمے؟ اس مشکل آرزو اور اس سخت تمنا سے باز آ۔ ایسے ارادۂ دشوار سے ہاتھ اٹھا کیوں کہ ہونا اس بات کا کسی ڈھب سے نظر نہیں آتا۔

جوان نے کہنا مطلق نہ سنا بلکہ اپنی آرزو کے بر آنے میں یہاں تک ہٹ کی کہ دائرۂ گفتگو سے نکل گئی۔ اور اپنے تئیں مراد کے حاصل ہونے کے واسطے اتنی ضد کی احاطۂ تحریر سے جاتی رہی۔ بلکہ

ان چاروں میں سے ایک پری مہر لقا کو جو حسن و جمال میں ان سبھوں سے بڑی، سن و سال میں چھوٹی تھی پسند کر کے کہا کہ اس کو میرے حوالے کر دو کہ میں ان تینوں کے کپڑے دے ڈالوں۔

آخر انھوں نے ناچار ہو کر یہ بات (مان لی) اور اس پری سے رخصت چاہی۔ تب وہ بیچاری اپنی ان ہم جنسوں ہم جولیوں کی جدائی سے نہایت غم و الم میں گرفتار و مبتلا ہوئی اور اس غیر جنس کی صحبت سے از بس کہ ملول و مکدر ہو کر آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ کہ انھوں نے اس کی دل جوئی و دلداری کے واسطے بہت سا کچھ کہہ کے تسلّی کی اور یہ بات کہی "بی بی اگر خدائے کریم کے دفتر خانے سے تیری قسمت میں یونہی لکھا گیا ہو تو اس کا کیا علاج، اس میں ہمارا کیا اختیار سوائے اس کے اگر ہم سب بھی یوں ہی تیرے (شریک) حال ہوں تو اس سے تجھے کیا حاصل۔ ناچار اُس بے چاری نے تسلیم کیا)

جوان نے اُس پری رشک ماہ و مشتری کو اپنے دام میں لا کر ان تینوں کو کپڑے دے ڈالے، رخصت کیا اور اس کے کپڑے نہایت حفاظت و ہوشیاری سے اپنے پاس چھپا رکھے۔ آخر اس کو اس اندھیاری رات میں اپنے گھر لے گیا ایک اچھا خاصہ بھاری جوڑا پہنایا۔ جڑاؤ گہنے پاتے سے جس قدر کہ چاہیئے "بنی" بنایا۔ اس کی صحبت کو اپنی زندگانی کے عیش و عشرت کا سرمایہ جان کر رات دن اس کی دلداری و دل جوئی میں مشغول رہتا۔ بلکہ ایک پل اس کے چہرۂ دل فریب کے نظارے سے اپنی آنکھیں معطل نہ رکھتا۔ یہاں تک کہ اس کے جمال جہاں آرا کے عشق میں تمام دنیا کے کاروبار کے رشتے توڑ کر اس کے جمال و حسن کی شراب کے پیالے پیتا۔ آٹھوں پہر اس کی الفت و محبت کی دارو سے سرشار رہتا۔ اس کے گلشن سے اپنی آنکھوں کے ہاتھوں سے کامرانی کے گل چنتا از بس کہ اپنے شوق دل سے بلبل کی طرح مستی آمیز چہچہے کرتا۔ ہمیشہ اپنی زبان عندلیب سے اس طور کے ترانے گاتا۔ قطعہ

ساقی شراب شوق کے کر دے تو نور سے — جام بلور کو میرے از بس کہ جلوہ گر
مطرب بصد خوشی یہ ترانے تو کر ادا — یعنی ہے کار چرخ مرے کام میں مگر
دیکھا ہے میں نے عکس رخ یار جام میں — صوفی ہے مے کشی سے نپٹ میری بے خبر

بعد کتنے دنوں کے موانست و مصاحبت کی کثرت سے پری نے بھی اس کی مہر و محبت کے دام میں گرفتار ہو کر اپنا قدم اخلاص و پیار کی راہ میں بڑھایا اور سر کو اُلفت و شفقت کے سجادۂ اخلاص پر رکھا۔ یہاں تک رفاقت کی کہ بعد ایک مدت مدید کے کئی لڑکے جنے۔ پری پن کی خصلت بھی کچھ کچھ اس کی

طبع سے نکلنے لگی۔ اکثر اوقات اپنے ہمسائے کی عورتوں مستوروں میں جا بیٹھتی۔ دوستی و آشنائی بہر حال بڑھاتی اپنے گھر کا کام کاج نہایت ہنسی خوشی سے کیا کرتی۔ غرض جوان کے دل سے اس کے نکلنے کی وحشت بھاگ جانے کی دہشت، بالکل نکل گئی بلکہ اس کی محبت کے باعث نہایت خاطر جمعی ہوئی۔

قضا کار بعد دس برس کے اس جوان پر مفلسی نے غلبہ کیا۔ کھانے پینے کو کچھ نہ رہا۔ آخر اپنی تہی دستی کے باعث نہایت گھبرایا۔ ناچار واسطے پیدا کرنے قوت اور حاصل کرنے معیشت کے اسباب سفر کی جستجو کا تہیہ کیا۔ ناچار اپنے دل پر بار مفارقت رکھا۔ پری کو اس دائی کے حوالے کیا کہ جسے معتبر و محل امانت جانتا تھا۔ پھر اس کو ایک خلوت خانے میں لے جا کر اس پری کے کپڑے جس جگہ کہ گڑے ہوئے تھے، اس مکان کو بھی دکھلا دیا اور اس راز پوشیدہ کو بھی ظاہر کیا اور ان کپڑوں کی حفاظت کے مراتب خبرداری و ہوشیاری کی رسموں کو ادا کر کے تردّد کے گھوڑے کی رکاب میں توجہ کا پاؤں رکھا۔ نوکری چاکری کی تلاش و جستجو کرتا ہوا غربت کے میدان میں چل نکلا۔

وہ پری از روئے مصلحت کے اس کی جدائی کے ایام میں غم و الم کے کونے میں بیٹھ کر مفارقت کے درد و دکھ اکثر اوقات اس دائی سے کہا کرتی اور اس کی جدائی کی محنت و مشقت کے باعث شکوہ آمیز باتیں کیا کرتی اور وہ اس کے کلام کو سچ جان کر اس کے دل غمگیں کی تسلی کر کے کہتی "دائی واری تجھے اپنے چاند سے مکھڑے اور سورج سے رخساروں کے رنگ کو شبِ دیجور سے رگڑنا، دل و جان کو پروانے کی طرح غم و غصّے کی شمع کے شعلے سے جلانا اچھا نہیں۔ دل کو ڈھارس بندھا، خدا پہ دھیان لگا کہ مفارقت کی شبِ تاریک جلد گزر جائے گی اور وصال کی صبح روشن، فی عنایت الٰہی سے، بخوبی نکل آئے گی۔"

قضا و قدر کے اتفاق سے ایک دن وہ پری نہا دھو کر اپنی زلفِ عنبریں کے بال رومال کے کونے سے جھاڑ رہی تھی کہ دائی اس کے حسن اعلیٰ اور جمال والا کو دیکھ کر والہ ہو گئی۔ اس کی ثنا و صفت کرنے لگی۔ یہ بات سن کر اس پری نے کہا: "اے دائی اگرچہ تو اس وقت میرے حسن و جمال کو نہایت اچھا جانتی ہے پر سچ جان اگر تو مجھے میرے اصلی لباس میں دیکھتی تو معلوم کرتی کہ اس قادر بیچوں نے پریوں کو اس قدر حسن و جمال عطا کیا ہے اور اس لطایف و نزاکت سے سنوارا ہے۔ یقین جان کہ میں اس جہان کے نقش و نگار میں ایسی صورت رکھتی ہوں کہ میرے نقشے کی مانند نقشہ اور میرے حسن و ملاحت کے

کے برابر حسن و ملاحت کوئی نہیں رکھتا۔ اگر تو چاہتی ہے تو اس صانع کی صنعت بالکل دیکھے اور اس کائنات کے عجائبات بوجہ احسن مشاہدہ کرے تو میرے وہ کپڑے جو میرے خاوند نے مجھ سے چھپا رکھے ہیں، لا دے کہ میں گھڑی آدھ گھڑی ان کو پہنوں اور تجھے ایسا اپنا حسن جہاں آرا دکھلاؤں کہ نہ دیکھنے والوں کی آنکھوں نے دیکھا ہو نہ سننے ہاروں کے کانوں نے سنا ہو۔"

غرض دائی کو اس کے ابلہ فریب سخنوں نے ہوشیاری و خبرداری کے دائرے سے کہ وہ عقل دقیقہ سنج کا لازمہ ہے، باہر کیا دو نہی وہ مت کھوئی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آخر وہ کپڑے جو زمین میں نہایت حفاظت سے گڑے ہوئے تھے، اکھاڑ لے آئی۔ اور اس پری غارت گرِ دین و ایمان کے حوالے کیے۔ وہ اس لباس کے پہنتے ہی جس طرح کہ پرند پنجرے سے نکل کر اُڑ جاتا ہے اُڑ لاگی اور اس دائی سے اللہ اللہ کر کے پرواز کر گئی۔

دائی نے ہر چند مصیبت زدوں کی طرح اپنے سر پر خاک ڈالی، حد سے زیادہ آہ و زاری کی، پر کچھ حاصل نہ ہوا۔ کیونکہ وہ پرند دام کا نکلا ہوا پھر جال میں نہ پھنسا۔

بعد تھوڑے دنوں کے سوداگر بچہ سفر سے پھرا اور اپنے گھر آیا۔ امید کے چمنستان میں اس گل مراد کا کچھ نشان نہ پایا۔ بلکہ شمع روشن کو اپنی شبستانِ امل میں بجھا دیکھا، نہایت بے قرار ہوا ناچار پروانے کی مانند اپنے بال و پر جلا کر جس طور سے کسی کو پری یا جن کا سایہ ہو جاتا ہے، دیوانہ ہو کر سودائیوں کے جرگے میں جا بیٹھا عقل و ہوشیاری کے کوچے سے آوارہ ہو کر تمام جہان کی نعمتوں کی کو ترک کیا۔ ہر ایک زندگانی کے فائدے سے محروم ہوا۔

ظاہر ہے اگر وہ سوداگر بچہ بساط دانش کا مہجور ایسے گوہر بے بہا کو اسے نہ سونپتا یا اس بھید سے اس کو آگاہ نہ کرتا تو اس طور سے ذلت و خواری کی خاک اپنے زمانے کے سر پر کیوں ڈالتا۔ کامرانی کا پانی ناکامی کی زمین پر کس واسطے گراتا، اور ایسے باز زریں کو کہ وہ سراسر کان جواہر تھا اپنے ہاتھ سے نہ اُڑاتا تو اس قدر حیرانی و پریشانی کے میدان میں سرگرداں نہ پھرتا۔ فرد

ساقی ہے، مے ہے، مینا ہے، مطرب ہے، مہ جبیں پر وہ کہاں ہے رشکِ چمن جس سے جی لگے

چوتھی یہ بات ہے کہ اگر تیرے باعث کسی کو کسی طور سے کچھ عیب لگے یا کسی کا تیرے ہاتھ سے کچھ نقصان ہوئے تو اس کی مکافات سے ساتھ امینی کے نہ رہنا بلکہ خاطر جمعی سے نہ بیٹھنا، نہیں تو

تیرا احوال بھی اسی جوان چالاک کا سا ہوگا۔ جہاندار سلطان نے پوچھا اس کا قصہ کیوں کر ہے۔ بیان کر۔

مینا کہنے لگی قصوں کے بیان کرنے والوں، اخباروں کے لکھنے ہاروں نے اس حکایتِ نادر کو صفحۂ بیان پر قلم دُرریز سے یوں لکھا ہے کہ کسی شہر میں ایک بادشاہ نہایت ساتھ عز و شان کے رہتا اور جواہرِ بے نظیر اپنے پاس رکھتا تھا۔ لعل بدخشاں و یاقوتِ زمانی کا نظارہ اس کے دل کو شراب ریحانی کے نشے کی طرح رات دن مسرور و مخمور رکھتا۔ غرض وہ لعل و یاقوت کو دلہنوں یاقوت رخساروں کے لب و دنداں سے بھی زیادہ عزیز رکھتا۔ چنانچہ جس قدر جواہر اس کے جواہر خانے میں جمع تھے۔ سب کو ہمیشہ اپنے سامنے منگواتا۔ ہر ایک کی ماہیت کے تماشے سے ایک کیفیت اٹھاتا۔ اپنے دل جواہر شناس کو خوش رکھتا۔

لیکن ان جواہر کے رکھنے والوں، نگہبانی کرنے ہاروں کے اس کے ہر روز کے لانے لیجانے پہننے سنبھالنے سے نہایت تکلیف ہوا کرتی بلکہ اسی سبب سے اکثر اوقات کہ انسان کو سہو اور نسیان لگی ہوئی ہے، بروقت نہ پہنچا سکتے تھے۔ خفگی ہی میں رہا کرتے تھے۔ اس لئے بادشاہ کی طبیعت پر بھی اس کے جلد نہ پہنچنے کے باعث رنج گزرتا۔

آخر کار واسطے حاصل ہونے اس مطلب عظمیٰ کے کہ یہ کام روزمرہ و بے محنت و مشقت کے ہوا کرے، فرمایا کہ سناروں، سبک دستوں کاری گروں، چالاک طبیعتوں کو حضورِ اعلیٰ میں حاضر کریں۔ وہاں زبان ہی ہلانے کی دیر تھی۔ ایسے ایسے سنار سامری فن اور ایسے ایسے کاریگر دانشمند جو سناری کے اور جڑاؤ اسباب کے بنانے کی صنعت میں اپنی سبک دستی سے ید بیضا دکھلاتے تھے، بارگاہ بادشاہی میں دست بستہ حاضر ہوئے۔ بموجب حکم کے ایک مچھلی انھوں نے نہایت اچھی، قد و قامت سے درست، لطافت و نزاکت میں تنگ و چست، سونے کی بنا کر وہ جواہر بے نظیر اور گوہر دل پذیر جو خاص بادشاہی جواہر خانے سے چنا، بحر و کان سے انتخاب کیا ہوا تھا اس کے سر سے لے کر دُم تک جڑ دیا کہ جس نے دریاؤں کو آبرو، کانوں کو جلوہ گری بخشی۔

یقین جان کہ وہ مچھلی نہ تھی بلکہ خدائے کریم کا ایک جواہر خانہ تھا کہ ہر ایک اس کے جھکنے میں لعل و یاقوت ہی جڑے تھے اور ہر ایک فلس میں اس کے گوہر بے بہا ہی لگے تھے۔ حاصل کلام اتنی دلفریب و حسین بنی کہ اس کی صورت لاثانی پر ماہ و ماہی کی بھی جان نکلتی تھی۔ دریا اس کے حسنِ ذاتی و ملاحت صفائی دیکھ کر ریگستان کے نیچے جا چھپے۔ کان کے جواہر خاک کے تلے ہو گئے۔

اس کی صنعتوں کے کمالاتوں سے حوتِ گردوں خجالت کے دلوں میں پوشیدہ ہوا۔ حوض کوثر و بہشت کی نہروں کی مچھلیاں اپنے تئیں اس کی لونڈیوں سے بھی کمتر جانتیاں اور وہ اپنے دریائے حسن میں شناوری کیا کرتی۔ چشمۂ خضر سے مستغنی رہتی۔ اپنے جوہرِ ذاتی سے سکندر دلوں کو فریب دیتی۔ آب کوثر کی پروا نہ رکھتی۔ القصہ اس مچھلی کا آوازہ بادشاہوں کی بخشش و سخاوت کے شہرہ کی مانند ہر ایک طرف بخوبی تمام پھیل گیا۔ اور شہنشاہوں کے جلال کی طرح اس کی خبر کا شہرہ سارے جہاں میں آفتاب کی مانند روشن و جلوہ گر ہوا۔

غرض ایک چور جو اپنی چوری کے فن میں اُستادِ کامل اور دست بردی کے ہنر میں ایسا مشاق بے بدل تھا، کہ خورشید گرم کے طلا کو چوتھے آسمان کی گھریا[۵۷] سے نکال لے۔ لعل کو اس سے آگے کہ وہ جب تک معدن کے بطن میں اپنا وجود پیدا کرے، رصلب آفتاب سے اُنٹی کر جائے۔ موتی کو اس سے پہلے کہ وہ سیپ کے رحم میں قرار پاوے، پشتِ نیساں سے اڑالائے۔ آنکھوں میں کاجل نہ رہنے دے، رنگِ حنا کو طلا جان کر ہاتھوں ہاتھ لے جائے۔ آسمان کی مچھلی ہفت بحر خضر سے شست لگا کر کھینچ لے۔ اس مچھلی کی ماہیت سے بالکل باخبر ہوا۔ اپنی چوری کے کسب کو کمال کے پہنچانے اور دست بردی کے شیوے کو بخوبی ظاہر کرنے کے واسطے اس مچھلی کے چرانے کا ارادہ اپنے دل پر مصمم ٹھانا اور اس قصد کے زین کو امید کے چالاک گھوڑے پر باندھ کر توجہ کے اچھے خلصے چوڑے چکلے رستے میں جولاں کیا اور بادشاہی قلعہ کو چاروں طرف سے باریک بینی کی رسن استوار سے بخوبی ناپا۔ اپنے چھپے رہنے کے مکان، در آنے کا محل، بھاگ جانے کی راہ کو بوجہ احسن دریافت کیا۔

جب آسمان کی ماہی زریں مغرب کے حوض میں ڈوبی۔ اور رات کی لیلیٰ نے اپنی چادر سیاہ تمام جہاں کے سر پر ڈالی، وہ چور اپنی طراری و چالاکی کا اسباب لے کر چلا۔ اس قلعہ کے کچھ دور دور ادھر اُدھر پھرنے لگا۔ غرض جب نزدیک گیا۔ سنا اس نے کہ چوکیدار دربان، پیادے اور نگہبان با آواز بلند کہتے ہیں "سونے والو جاگتے کھنکارتے رہو، اپنی اپنی ہوشیاری سے ہاتھ نہ اٹھاؤ"۔ اس سبب سے ناچار ہو کر ایک کونے میں منتظرِ وقت ہوا۔ امیدوار فرصت کا ہو کر بیٹھ رہا۔

غرض یہاں تک انتظار کھینچا کہ آدھی رات کا عمل ہوا۔ وقت کی مشاطہ نے رات کی دلہن کے سر میں شبنم کے موتیوں سے مانگ نکالی یعنی دو پہر رات گزری۔ چوکیداروں نگہبانوں نے اوس کے پڑنے

---

[۵۷] کٹھالی۔

ٹھنڈی ہوا کے چلنے، سے اپنے اپنے کمان سروں پر کھینچے، پاؤں پھیلائے سو رہے۔ کبھی چونک اٹھتے۔ کبھی مستوں متوالوں کی طرح نیند کے نشے سے جب بیدار ہوتے کہتے کون ہے؟ کہاں جاتا ہے؟

اس وقت وہ چور چالاک دست، سانپ کی طرح پیٹ کے بل لیٹے لیٹے چل، قلعۂ مبارک کے نیچے جا پہنچا اور وہ لمبی اور مضبوط کمند جو معشوقوں کی زلفوں کی طور سے لپٹی لپٹائی اس کی کمر میں بندھی تھی کھول کر قلعے کے کنگروں پر پھینکی۔ آخر اس کمند کے آسرے سے نٹوں، بازی گروں کی مانند نہایت چستی و چالاکی سے قلعے کے اوپر چڑھ گیا اور اسی طرح اس کمند کی رسن استوار کے باعث اپنے تئیں قلعہ کے اوپر سے خاص بادشاہ کی خواب میں اتارا۔

دیکھا اس نے کہ بادشاہ مسندِ اقبال پر نہایت چین و آرام سے بطور خوابیدہ بختوں کے غافل سو رہا ہے۔ مگر ایک شمع نگہبانوں، بیدار طینتوں کی طرح از راہ دل سوزی سے ایک پاؤں سے کھڑی جل رہی ہے اور وہ جڑاؤ مچھلی جس کے واسطے وہ چوٹا فلک کے کوٹھے پر سیڑھی لگا کر زمین سے آسمان پر چڑھ گیا تھا، بادشاہ کے سرہانے دھری چمک رہی ہے اور ایک خواص نہایت حسین، مہ جبیں، پری پیکر، رشکِ شمس و قمر بادشاہ کے تلوے اپنی ہتھیلی سے کہ وہ گل اور پھول کی پنکھڑی اور پتی سے بھی زیادہ رنگین و نازک تھی، بیٹھی سہلاتی ہے۔

دو نہی وہ چور کمال چستی و چالاکی کے ساتھ اندر چلا گیا اور ایک پردے سے لگ کر بیٹھ رہا بغرض یہاں تک انتظار کھینچا کہ وہ خواص اونگھنے لگی۔ آخر نیند کے غلبے سے اسی مسند شاہی کے قریب سرہانے ہاتھ دھر کر سو گئی، خراٹے لینے لگی کہ وہ چور از بس کہ آہستگی سے اس کے سر کی رومالی اپنے سر پر ڈال کر اس کی خدمت اپنے ہاتھوں سے کرنے لگا۔ حجرے سے نکلا اور اس مچھلی کو الگ حضرت کے سرہانے سے اٹھا کر اسی اپنے طور سے کہ جس طرح آیا تھا قلعے سے باہر ہوا اور ان بے خبر چوکیداروں، دربانوں کے درمیان سے نہایت ساتھ ہوشیاری و خبرداری سے نکل کر اپنا رستہ پکڑا۔

جب کہ اس مچھلی کو اس کی طولانی و کلانی کے باعث بغل میں چھپانے کی کوئی صورت نہ بندھی اور شہر پناہ کے دروازے بھی رات ہونے کے باعث بند ہو گئے تھے۔ تب اس چور عقل مند و دانا نے اپنے دل میں اندیشہ کیا کہ اس وقت جو اس شبِ تار نے سیاہ چادر اپنے سر پر اوڑھ کر روشن دلوں، شب بیداروں کے واسطے ایک خلوت خانہ آراستہ کیا ہے، اس وقت اپنا کام بخوبی نہ کرنا،

اور اس مچھلی کو شہر میں رکھنا اپنی ہی زندگانی کا ہاتھ قضا کے پانی سے دھونا پڑتا ہے۔ شاید اس احوال سے بادشاہ جلد آگاہ ہووے اور اس کی جستجو کے مراتب بھی بخوبی ادا کرے۔ اس واردات کے باعث اور تحقیقات کرنے کے سبب شہر پناہ کے دروازے نہ کھلیں تو آخر کار یہ مچھلی ہی میرے لئے ایک دام بلا ہو جائے گی۔ سوائے اس کے جب کہ دروازے شہر کے کھلیں تو روز روشن میں اس قسم کی مچھلی کو (کہ) سچ مچ یہ اس جہان میں مہر و ماہ سے بھی زیادہ جلوہ گر ہے، باہر لے جانا مصلحت کے دائرے اور عقل رسا کے احاطے سے باہر ہے۔

یہ بات اپنے جی میں ٹھہرا کر اپنی دانائی و طراری مکر و فریب کی چالاکی سے اس مچھلی کو ایک شیر خوار لڑکے موئے ہوئے کی طرح اس خواص بادشاہی کی رومالی سے جس کو اپنی خدمت کے حق میں اس کے سر سے اتار لیا تھا اس میں کفنایا۔ تھوڑے بہت ہار و پھول مالی کے گھر سے لا کر اس کے سینے پر ڈالے۔ نذان اپنے ہاتھوں پر دھر لیا اور لبطور مصیبت زدوں کے نہایت جوش و خروش سے آہ و فغاں کرتا ہوا شہر پناہ کے پھاٹکوں میں سے ایک دروازے کے قریب جا پہنچا کہ دربانوں، چوکیداروں نے اس کی آہ و زاری کی آواز سن کر کہا: "تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اس صورت سے شور و فغاں کا دماغ کیوں ہوا ہے؟

اس نے عرض کی کہ میں ایک شخص نہایت غریب و محتاج ہوں، نہ جیب میں روپے ہیں نہ ہاتھ میں انگوٹھی چھلا رکھتا ہوں۔ سوائے اس کے اور چرخ ستم گار کے خنجر کا مارا اور اس زمانے کے ہاتھ سے ستایا ہوا آوارۂ روزگار ہوں آہ کیا کہوں، یعنی ایک لڑکا دو سوا دو برس کا توتے کی طرح بولتا، رنگ و نزاکت میں گل و پھول سے زیادہ ہنستا کھیلتا، ایسا رکھتا تھا کہ جس کی شیریں سخنی سے آنکھوں پہر شاد و خرم رہتا تھا۔ اور اس کے پیچھے بلبل کے سے، میرے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے کو چمنستان کی طرح ہرا بھرا رکھتے تھے بلکہ میرے دل کو گل و پھول کی مانند کھلا۔

قضائے الٰہی سے آج کی رات مارے فاقوں کے مر گیا اور مجھ سے بے نصیب کو اپنے درد و الم کے دام میں گرفتار و مبتلا کر گیا۔ لالہ کی مانند حسرت کے داغ میرے سینہ و دل پر رکھے میں نے یہ گل و پھول اس جہان کے گلشن سے اپنی آنکھوں دیکھے۔ جب کہ میں اس کے دفنانے کفنانے کے آئین اپنے خویش و اقربا کی رسموں کے قاعدوں کے موافق ادا کرنے سے ناچار ہوا۔ دشمنوں کے کلام طعن انگیز، دوستوں

کے سخنِ تشنیع آمیز سے ڈرا. چاہا میں نے کہ اسی وقت اس بھولے بھالے کو اس لحد کے جھولے میں لٹا دوں. اور اس گور کے گہوارے میں سلاؤں اس لئے کہ میرے خویش و اقربا میری تہی دستی و بے نوائی سے آگاہ نہ ہوں اور میرے دل کو جو اس بچے کے مرجانے سے پارہ پارہ ہو رہا ہے. بچھو کی مانند اپنے زہر بھرے سخن کے ڈنک نہ ماریں. بلکہ غیر لوگ بھی اپنی زبانِ طعن نہ کھولیں اس واسطے کہ یہ غم والم میرے رنج واندوہ پر دشمنوں کے کہنے سے زیادہ نہ ہو۔

اس بات کو سن کر ان چوکیداروں میں سے ایک دربان جو اپنی طبیعت اصلی کتے کی سی رکھتا تھا، بے اختیار کان پھٹ پھٹا کر بھوں بھوں کرنے لگا اور زبان نکال کر کہنے (لگا) کہ اس آدھی رات کے عمل میں تجھ سے مفلس و محتاج کے واسطے شہر پناہ کا پھاٹک کوتوال کی بے مرضی کے کھولیں، یہ بات ہماری عقل خیر اندیش قبول نہیں کرتی. پس صبح صادق تک چپکا اس جا کہ بیٹھ رہ بے فائدہ شور وفغاں سے اپنا منہ موند عبث عبث ہمارے خوابِ شیریں کو اپنی آہ وزاری سے تلخ نہ کر. نہیں تو تیرا پاؤں کاٹھ میں ڈال دیں گے. کہاں اور دیوانوں، سودائیوں کی طرح رونے پیٹنے سے ہاتھ اٹھا۔

یہ بات سن کر اس چور نے ایک آہ سرد اپنے دل پُردرد سے کھینچی اور دیدۂ اشک بار سے آگ (کی) جھڑی لگائی. ناچار وہیں بیٹھ کر گریہ وزاری شروع کی. دربانوں چوکیداروں نے اس کے حق میں زبان سرزنش کھول کر دروازے ڈانٹنے جھڑکنے کے وا کئے۔

تب اس چوٹے عیارے، مکرہائے نے اپنے مکر و فریب کی رو سے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اپنا سر زمین پر دھر کے عرض کی "اے کنارۂ بےغمی کے چلنے والو مجھ سے غم والم کے بھنور کے ڈوبے ہوئے پر رحم کرو اور ان دردمندوں کی آہ آتش بار سے جو رنج و مصیبت کا زہر اپنے حلق او دل وجان میں رکھتے ہیں، ڈرو۔

دربانوں نے معلوم کیا کہ جب تک ہم پھاٹک نہ کھولیں گے اور اس بپت مارے کو باہر نہ کریں گے تب تک اس کی آہ وزاری کے شور وفغاں امن نہ پاویں گے اور نہ نیند بھر نہ سوویں گے. چار وناچار پھاٹک کھول دیا اور مکرہائے کو باہر کیا۔

اتفاقاً ایک جوان طرارِ کامل چوری کی رمزوں کے پہچاننے میں استاد بے بدل، اس وقت کسی عورت فاحشہ سے عقدِ محبت مضبوط و رشتۂ موانست مربوط رکھتا تھا، واسطے حاصل کرنے حظِ شہوت نفسانی و دریافت

کرنے لذتِ جسمانی کے اس کنجنی کے پاس مستعد بیٹھا جاگ رہا تھا کہ یہ آواز جھوٹ موٹ کے رہنے کی اس کے کان میں پڑی۔ اپنی عقل رسا کے باعث پہچان گیا۔ دل میں کہنے لگا کہ یہ کیا بھید ہے، اس کو معلوم کیا چاہیے۔

وونہی بلا تحاشا اس کے پیچھے دوڑا۔ جب تک دروازے بند کریں، وہاں جا پہنچا۔ دربانوں، چوکیداروں نے اس سے بھی پوچھا تو کون ہے؟ کیا پیشہ کرتا ہے؟ اس وقت باہر جانے کا ارادہ کیوں کیا ہے؟ اُس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی: "صاحب ابھی جو شخص روتا پیٹتا اس راہ سے گیا ہے وہ میرا سگا بھائی ہے۔ ہے ہے وہ ایک لڑکا ایسا رکھتا تھا کہ جس کی میٹھی گفتار سے طوطیانِ شکر شکن حظ اٹھاتی تھیں اور اور اس کے دلچسپ چہچہے سن کر بلبلیں مست ہو جاتی تھیں۔ آج ہی کی رات وہ اس عالمِ خردسالی میں اس جہانِ فانی کی تنگ گلی سے نکل کر وسعتِ آبادِ عالمِ جاودانی کی طرف سفر کر گیا۔ اپنے غم و الم کا داغ ماں، باپ اور چچا کے سینۂ سوزاں پر دھر گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مصیبت و رنج کے وقت اس لڑکے کی تجہیز و تکفین میں اپنے بھائی کے ساتھ ہو کر طریقۂ برادری و شیوۂ اپنایت ادا کروں کہ ایسی مشکل سخت میں اس کے ساتھ رہوں۔

غرض اِس بہانے سے وہ بھی نکل گیا۔ اس چور کے پیچھے لگ لیا اور وہ چور شہر سے نکل کر پہلے اس میدان میں گیا کہ جہاں گنہگار سولی دیئے جاتے تھے۔ دیکھا اس نے کہ تین آدمی سولی چڑھے ہیں اور ایک سولی ان کے برابر خالی کھڑی ہے۔ کئی قدم گننے کے وہاں سے آگے بڑھ کر ایک طرف کو چلا گیا وہاں زمین کھود کر اس مچھلی کو گاڑ دیا اور ایک پتھر ان سولیوں کے پاس سے جو لہو سے بھرا ہوا اٹھا کر بطور طلسم کے اس گنجِ عظمیٰ پر رکھ دیا اس واسطے کہ بے رنج محنت کے وہ جاگہ پہچان لے ڈھونڈنا نہ پڑے۔

وہ جوان طرار جو اس کے پیچھے پیچھے چلا جاتا تھا جس وقت کہ وہ اس مچھلی کے گاڑنے دابنے میں مشغول ہوا یہ وونہی دبے پاؤں ہٹ کر اس خالی سولی کے ساتھ کسی حکمت سے لپٹ رہا۔ دم چرا گیا۔ جب کہ پہلے چور نے اس مچھلی کے گاڑنے دابنے سے فرصت پائی اور اس اندیشے سے خاطر جمعی ہوئی۔ حفاظت کے مراتب کے ظاہر کرنے احتیاط و تاکیدات کے قواعد بخوبی بجالانے کے واسطے، پتھر ان تین سولی دیئے ہوؤں کے نزدیک اپنے تئیں پہنچایا۔

اب کی بار چوتھی دار پر ایک آدمی منصور وار دیکھا اس احوال کے دریافت کرتے ہی نہایت حیران و پریشان خاطر ہوا، یہاں تک کہ اپنے جی میں کہنے لگا۔ الٰہی میں نے ابھی اس سولی کو خالی

دیکھا تھا پھر اتنے ہی عرصے میں ایک آدمی اس پر چڑھ گیا۔ شاید میں نے ہی پہلی دفعہ کچھ دیکھنے میں خطا کی ہے یا میرے حافظے میں نسیانی آگئی ہے۔

غرض بہرصورت اس کے دل پر حیرت و ہراس نے غلبہ کیا۔ ہر ایک طرح تحقیقات کے مراتب حاصل کرنے اور اس رازِ مشکل کی گرہوں کے کھولنے کے واسطے ہمت و دلیری کر کے ان چاروں کے پاس گیا۔ ہر ایک کی ناک اور چھاتی پر ہاتھ رکھا اس لئے کہ ان کی سانس سے لینے پنڈے کی گرمی سے مردے زندے میں شمارِ دم کے ساتھ امتیاز کرے۔

آخر کار ان چاروں کو ایک ہی طور پہ پایا۔ مطلق امتیاز نہ کر سکا۔ کیونکہ ان میں سے کسی طور کا فرق نہ تھا۔ اس بات کو دریافت کر کے اور بھی حیران ہوا۔ ناچار ان چاروں کے درمیان کھڑا ہو رہا۔ بعد ایک دم کے پھر اس سولی والے کی ناک کو، کہ جس سولی کو اپنے گمان میں خالی جانتا تھا اپنی چٹکی سے خوب دابا۔ منہ کو ہتھیلی سے بند کیا۔ نہ نتھنوں سے ہوا نکلنے دی نہ منہ سے دم کے اوپر آنے کی راہ رکھی۔ پس اس جوان کامل ہنر نے یہاں تک دم سادھا تھا اور اس قدر ہاتھ پاؤں ٹھنڈے کر کے ڈھیلے کر دیئے تھے کہ افلاطون کی انگلیاں بھی اس کی رگوں کی حرکت کے دریافت کرنے میں اندازے کے دائرے سے باہر جا پڑتیں۔

جب کہ اس پہلے چور نے اپنی خبرداری و ہوشیاری کے تمام مراتب بخوبی ادا کئے۔ احتیاط و نگہبانی کے قواعد کچھ باقی نہ رکھے۔ ناچار بموجب اس کے "آخر الدّوا الکیّ" یعنی جب کسی دوا سے فائدہ نہ ہو داغ دیجئے۔ یہ سوچ کر میان سے نیمچا کھینچا اور ہاتھ بڑھا کر ایک ہاتھ اس کے گلے پر مارا۔ واہ واہ جوان مکار کامل فن، عیاری کے شیوے میں ایک ہیر کہن، تلوار کے زخم سے بھی ایک سرمو نہ ہلا۔ جس صورت سے تھا اسی طرح بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

تب اس چور نے ناچار ہو کر جو کچھ کہ اندیشہ اس کے جی میں سمایا تھا، اپنی خاطر دوراندیش سے نکال ڈالا اور جس قدر کہ گمان کیا تھا اس سے فارغ ہو کر اپنے دل پریشان کو جمع کیا۔ اپنی دانست میں فتنہ و فساد کی آگ بجھا کر گھر کا رستہ پکڑا۔ جونہی یہ گیا، وونہی اس جوان طرار و مکار نے اپنے تئیں سولی (سے) جدا کر کے اس جگہ پہنچایا جس جگہ وہ مچھلی گڑی تھی۔ زمین کھودی اور وہ مچھلی کہ جس کی بیش قیمت کا شہرہ اس جہان میں ماہ سے لے کر ماہی تک پہنچا تھا ریتی کے دریائے خشک سے نکال لی۔

اپنے قبضے میں لاکر نہایت محظوظ ہوا بلکہ اپنے فہم رسا و عقل کامل فکر عالی و فن بے بدل پر آفریں و مرحبا کرنے لگا۔ غرض اس مچھلی کو وہاں سے اکھاڑ کر دوسری جاگہ گاڑ دیا۔ آپ اس کونے میں بیٹھ کر اپنے گلے کے زخم کو ایک پٹی سے خوب کس کر باندھا۔

جب ماہی خورشید نے زمین کے دریا سے نکل کر اپنی چمکتی ہوئی کرنوں کی جوت سے تمام جہان کو روشن کیا، اس وقت وہاں سے اُٹھ کر اپنی اسی آشنا کے گھر گیا۔ جونہی اس چھنال نے اس کے چہرے پر ایک زخم تازہ دیکھا، گھبرا کر اس احوال کا سبب پوچھا۔

جوان طرار نے اپنے بھید کے چھپانے کے واسطے حفاظت کا رشتہ ہاتھ سے نہ دے کر اس بات کے گھوڑے کو بیان کے تنگ کوچے میں نہ دوڑایا۔ اور اس راز پوشیدہ کو مطلق اپنے لب تک نہ پہنچایا بلکہ یہ کہا کہ تم کو اس احوال کے دریافت کرنے سے کیا کام ہے اگر کچھ کر سکتی ہو تو ایک جراح بلوا بھیجو کہ وہ اس زخم کے بھر آنے کی خاطر مرہم لگا دے بہ دل کوشش کرے۔

یہ بات سنتے ہی اس عورت فاحشہ نے اپنی تمام نوچیوں باندیوں کو، جو اسی کا پیشہ اور طریقہ رکھتی تھیں بلوا کر کہا: بیبیو! تم سب کی سب اپنی ابتدائے جوانی سے آج تک ہر ایک چاہنے والے کے پہلو میں بیٹھتی اور اب تک ہر ایک کے ساتھ معشوقوں کے جرگے میں بیٹھ کر صحبت گرم رکھتی ہو۔ بس تم میں سے کوئی یہ کام کر سکتی ہے کہ ایک جراح بہم پہنچا دے۔

اس بات (کے) سنتے ہی ایک نوچی جو نہایت خوبصورت اور موہنی مورت تھی ناز و ادا میں یکتا، حسن و کرشمے میں نہ رکھتی تھی کوئی آپ سا، از بس کہ نخرہ و ناز سے اس کے سامنے کھڑی ہو کر کہنے لگی۔ اماں جان ایک جراح کامل ہنر، تمام جہان کے جراحوں سے جراحی میں بہتر، افلاطون وقت، از بس کہ سبک دست، میرا آشنا ہے۔ بالفعل وہ ہر روز امید کا مرہم میری آرزو کے زخم پر لگاتا ہے۔ بلا ناغہ میرے چھپے ہوئے گھاؤ کے بھر آنے کے واسطے کوشش کیا کرتا ہے۔ فرماؤ تو لے آؤں۔

اس بات کے سنتے ہی وہ مال زادی نہایت خوش ہوئی اس کو گلے لگا لیا۔ ماتھا چوم کر سرفراز کیا۔ کہنے لگی۔ اماں واری دیر مت کر، جلد بلوا، وونہی اس علامہ نے پکار لیا۔ جراح نے زخم کے دیکھتے ہی اس جوان طرار کی جواں مردی و دلیری اور اس کی استقلالی و سابوتی پر آفرین و آفرین کر کے اپنے تئیں اس کے معالجے میں مشغول کیا۔

اور وہ چور جو اس مچھلی کو بارگاہ بادشاہی سے نکال کرلے گیا تھا۔ اپنے دل کی تسلی کے لئے احتیاط و ہوشیاری کے مراتب ادا کرنے کے واسطے، پھر اس میدان میں گیا جہاں اس مچھلی کو گاڑ آیا تھا۔ دیکھا اس نے کہ اس ماہی بے آب کو دریائے خشک بہالے گیا۔ جس قدر کہ محنت و مشقت اس مچھلی کے واسطے اپنے اوپر گوارا کی تھی بالکل خاک میں مل گئی اور اس جوان کے نام و نشان کو بھی کہ جس کے گلے پر ایک ہاتھ مارا تھا بطور عنقا کے نیست و نابود دیکھا۔ سر سے پاؤں تک آگ بھڑک اٹھی۔ بھچک رہ گیا۔ اپنے دل غمگین سے یہ بات کہنے لگا کہ آئیں! یہ کیا غضب پڑا! اس مچھلی کو کون لے گیا۔

ناچار مچھلی ہی کی طرح غم والم کے جال میں گرفتار و مبتلا ہوا اور مصیبت زدوں کی مانند ملول و غمگین ہو کر اپنے شہر کی طرف پھرا اور اس کرۂ آسمان کے جور و ستم سے از بس کہ حیران و پریشان ہو کر ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ اپنے سر کا گیند گھٹنوں کی چوگان پر دھر کے دیوانوں، سودائیوں کی طرح بہت سے خیال باطل، بیحد گمان لاحاصل از بس کہ فکریں بے فائدہ، اور اس کام کے برباد ہو جانے کے ظن بے اندازہ اپنے دل وحشی میں لا کر رونے لگا۔ اور اس مچھلی کے گم ہونے کا چرچا تمام جہان میں پھیل گیا۔ بلکہ ڈھنڈھورا اس بات کا پٹا کہ آج کی رات وہ جڑاؤ مچھلی بادشاہ کے محل خاص سے چور چرالے گیا ہے۔ جو کوئی اس کو پیدا کرے گا، بادشاہ کی مہربانی و بخشش سے سرفراز ہو کر مالا مال ہو جائے گا بلکہ دولت کے ہما کو اپنی مراد کے دام میں دیکھے گا۔

یہ بات سنتے ہی وہ چور اپنے بخت کی آزمائش کو گوشۂ غم سے سیدھا دربار بادشاہی میں چلا گیا۔ کوتوال کی دست گیری سے محفل شہنشاہی میں باریاب ہوا۔ پہلے ہاتھ جوڑ کر التماس کرنے لگا۔ جی کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔ بادشاہ نے فرمایا تیری جان تجھے بخشی کیا کہتا ہے۔ وونہی اس نے تمام ماجرا اول سے آخر تک حضور پر نور کی خلافت کے حاشیہ نشینوں کی خدمت بخوبی گزارش کر کے عرض کی۔ جہاں پناہ وہ مچھلی میں نے چرائی تھی پر مجھے فریب دے کر ایک اور عیار اڑا لے گیا ہے لیکن میں نے اس طرار کامل اور اس عیار بے بدل کے گلے پر ایک زخم تلوار سے کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ وہی گھاؤ اس کی گرفتاری کا وسیلہ ہو۔ لیکن میں حضور فیض گنجور کے فضل و کرم سے امیدوار اس بات کا ہوں کہ شہنشاہ عالم و عالمیان اپنی زبان مبارک سے حکم فرمائیں کہ میں جس جگہ اس برگشتہ بخت کے ڈھونڈنے کو جاؤں کوئی سد راہ نہ ہو بلکہ کوئی بشر اس بات کو منع نہ کرے۔

یہ بات سن کر بادشاہ نہایت خوش ہوا اور کوتوال کو اس کی مدد و اعانت کے واسطے مقرر کر کے کہنے لگا اب جلد جا۔ ہم نے اس کام کے لئے تجھے مختار کیا، وونہی وہ چور آداب بجالا کر اس شہر کی ہر ایک گلی کوچے میں اپنی خاطر خواہ دوڑ دھوپ کرنے لگا۔ یہاں تک جس جگہ جس جراح کو زخمیوں کی دوا دارو میں متوجہ دیکھتا اس کے پیچھے پیچھے چلا جاتا اور اس گھائل کے احوال سے بوجہ احسن آگاہ ہوتا۔

غرض اس قدر شہر کو چھانا کہ ایک دن کسی جراح کے ساتھ ہو کر اسی فاحشہ کے گھر جا پہنچا دیکھا اس نے کہ وہ جوان طرار ایک مسندِ شاہی پر نہایت تمکنت سے پالتی مارے بیٹھا ہے اور شراب کے پیالے، کہ وہ فعل تمام جہان کے اعمالوں سے بدتر ہے، بھر بھر کر پی رہا ہے۔ گلے کا زخم بھرنے پر آیا ہے اور آپ بھی قریب صحت کے پہنچا جونہی اس سے دوچار ہوا بے اختیار اس کی ثنا و صفت کر کے کہنے لگا اے جوان طرار آفریں تجھ پر اور تیرے ماتا پتا پر۔ سچ ہے کہ تجھ سا جوان طرار و سحر کار آج تک مادر گیتی نے کوئی لڑکا قابل و ہنرمند نہیں جنا بے شک و شبہ تجھ سا شخص چوری کے فن میں استاد اور طراری کے شیوے میں صاحب پر استعداد، و مکر و فریب میں سراسر عیار، دست برد و چالاکی میں آفتِ روزگار چشمِ فلک نے بھی نہیں دیکھا۔

یقین جان کہ اس دنیا کے پردے پر چوری کے فن نے تجھ سے نام پیدا کیا۔ شیوے طراری و عیاری نے تیرے ہونے سے مرتبہ پایا۔ یقین جان کہ ہنر، ہنرمند کی ذات عالی کے کمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ جواہر کا اعتبار جوہری کے دیکھنے سے بڑھتا ہے۔ بیش قیمت ٹھہرتا ہے۔ خیر اب اپنی مسند عزت سے اٹھ کھڑا ہو، اور اس شہنشاہ کی مجلس جنت نشان میں چل کہ وہ بادشاہ جم جاہ تیرے آنے کا انتظار کھینچ رہا ہے۔

یہ بات سنتے ہی اس عیار چالاک چست نے معلوم کیا کہ اب سوائے سچ کہنے کے کچھ چارا نہیں۔ ناچار اس کی مداحی میں زبان کھولی۔ عرض کی۔ بحمداللہ والمنتہ یعنی احسان اللہ تعالیٰ کا کہ تجھ سا استاد سبک دست کامل عیاری کے فن میں مشاق بے بدل، عیاروں، پرکاروں کا تعلیم کرنے والا، سبک دستی و چالاکی کا طریقہ طراروں دست برودں کا سکھلانے ہارا جو اپنی پھرتی و چالاکی سے آسمان کے بالاخانے پر سیڑھی لگا دے، سورج کا سنہری کانسہ چرا لادے، مجھ سے ناچیز کی تعریف اپنی زبان نادر بیان سے کرے، اور میرے ہنر کے زر کو اپنے انصاف کی چچی ہوئی کسوٹی پر چڑھا دے۔ مصرع

ذہے دولت، زہے طالع، زہے بخت

لیکن مردوں کی مروت وہمت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک میرا زخم بھرے، انگور لا دے، تب تک اپنی عالی ہمتی وجوانمردی کو کام فرما کر بزرگوں کی طرح کرم گرانمایہ کرے۔ مجھ سے گھائل کو چھوڑ جائے کہ میں اچھا ہو کر آپ ہی اپنے بخت کی ہدایت وطالع کی مدد، قسمت کی رہبری، نصیب کی دستگیری، سے اس بادشاہ گیتی پناہ کی خدمت میں جاؤں اور اس کی خدمت فیض درجت سے ذخیرہ سعادت اپنے حوصلے سے بھی زیادہ حاصل کروں بلکہ تیری ہی دست گیری وصلاح نیک کے باعث اس مچھلی کو ایسے بادشاہ دریادل کے سامنے لے جاؤں۔

غرض کہ جس قدر گزارش کرنا واجب تھا التماس کیا۔ اب جو تو مناسب جانے کر۔ اور جو تیرے جی میں آوے کر گزر۔ جو ظلم وستم کہ تیرے ہاتھ سے مجھ پر ہوگا میں بسر وچشم قبول کروں گا کیوں کہ بالفعل تیرے خنجر آبدار کے آگے میری گردن بال سے بھی زیادہ پتلی ہے بلکہ یہ میرا جوہر ذاتی ہے۔ اگر یہ چرخ ناہنجار سفاک عالم میرا قاتل ہوا ہے تو میں بھی اپنے خون کے بہانے کے طریقے، طراری میں منصور وقت ہوں۔ یقین جان کہ اپنے لہو سے سولی لال کروں گا۔ سر کٹنے سے منہ نہ موڑوں گا۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اجل کے گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کی بارگاہ میں جا پہنچا اور اس مچھلی کو اپنے ہی لہو کے دریا میں تیرا گیا۔

اے شہزادے جو لوگ کہ دانش وبینش کی راہ کے چلنے والے ہیں، اور اس زمانے کے معاملے کی راہ کو امتحان کے قدم سے ناپ کر تحقیقات کی منزل پر بدقت پہنچے ہیں یہ بات ان صاحب ضمیروں پر روشن ومبرہن ہے۔ اگر وہ دوسرا نوجوان طرار اپنے کار بد کے انتقام اور اس پہلے چور کی آفتوں سے بے کھٹکے اور بے اندیشے ہو کر نہ رہتا، اور اپنی بود وباش کے واسطے ایک مکان جائے محافظت میں بناتا یا کسی ایسے محل محفوظ میں رہنا اختیار کرتا، کہ جہاں اس کے دشمن کا ہاتھ اس کی زندگانی کے دامن تک نہ پہنچتا۔ تو ہر ایک صورت سے اس کی ہستی کا کھلیان نیستی کے آگ سے نہ جلتا۔ بیت

نہ رہ آفت سے ایمن کی جو بد ذات
کہ لازم ہے طبیعت کو مکافات

داستان اُس توتے خضر لباس وحق شناس کے پھر آنے اور جہاندار سلطان کو اپنی رہبری سے منزلِ مقصود کو پہنچانے کی

جب کہ کارسازِ حقیقی، اپنے بندوں کے کارِ مشکل کو، اپنے فضل وکرم سے ساتھ آسانی کے حل کیا چاہتا ہے، تو بے مراتب جہد و بے لوازم سعی کے ان کی مراد کے برآنے کا اسباب موجود مہیا ہو جاتا ہے۔ اس بات کی دلیل یہ ہے جب کہ اس توتے نے اس بادشاہ پریشانی کی مسند کے زیب دینے والے اور اس تختِ مسافرت کے رونق زیادہ کرنے ہارے، یعنی جہاندار سلطان کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنی ہمت کے ڈینے پھیلائے اور جستجو کی خواہش میں توجہ کے بال و پر کھولے، مراد کی راہ کو نہایت کوشش وسعی کے ساتھ ڈھونڈھنا اختیار کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ایک ایسے مرغزار میں جا پہنچا کہ جس کی زمینِ سبز کو دیکھ کر باغِ ارم واہ کرتا تھا، جنت کا گلشن رشک رکھتا تھا۔

قضا کار اس مکان جنت نشان میں دو بھائی ماں جائے اپنا قضیہ فیصل کرانے، دشمنی کی آگ بجھانے کے واسطے ایک منصف وحاکم کی راہ امید پر کہ مصرع

غیب سے آجائے کوئی اور یہ کر جائے کام

بیٹھے تک رہے تھے۔ بلکہ ہر ایک طرف دم بدم نظریں دوڑاتے تھے۔ غرض تفصیل اس اجمال کی اس طور سے ہے کہ وہ دونوں بھائی اپنے باپ کے ترکے سے چار چیزیں رکھتے تھے۔ قضیے کا باعث، دشمنی کا سبب اُنھیں چیزوں کی تقسیم پر تھا۔ اس لئے کہ وہ چیزیں کسی صورت سے برابر برابر ان دونوں کو[1] خاطر خواہ نہ پہنچتی تھیں۔ چنانچہ ان میں ایک پرانی سی گدڑی روئی بھری ہوئی تھی اور ایک سُوت کی سیلی، فقیروں کی سی، ایک کشتی، ایک جوڑی کھڑاؤں۔

اگرچہ یہ چیزیں دیکھنے میں کم قیمت وناچیز نظر آتی تھیں اور ظاہرا اسباب فقیروں کا سا معلوم ہوتا تھا، پر باطن میں باعتبار معنی کے چالیس گنج قارون اس سے کچھ نسبت نہ رکھتے تھے بلکہ اس دولت عظمیٰ کے سامنے کنکر پتھر نظر آتے تھے۔ چشم منصف کے روبرو بھی گنج قارون کی کچھ قدر نہ تھی۔ سچ ہے اہلِ نظر اس مالِ شائیگاں کو ان چیزوں کے سامنے رائیگاں جانتا تھا۔ اس واسطے کہ

---

[1] در متن "کی"

اس گدڑی میں قسم قسم کا اسباب طرح طرح کا مال و اموال اس جہان کی تحف و تحائف سے چنداں موجود تھا۔ بلکہ ربع مسکون کی تمام نادراتیں انواع و اقسام کی، قسم قسم کے عطر، طرح طرح کی خوشبوئیوں سمیت مہیّا تھیں جس وقت جس بشر کا جی جس قدر جس چیز کو چاہے بے محنت و رنج کے نکال لے۔

اسی طرح اس سیلی سے، جواہر آبدار و گوہر شاہوار سارے جہان کی کان و بحر سے، جو اس زمین فیروز رنگ کی سطح پر موجود و جلوہ گر ہیں جب جس کو جتنا درکار ہو بے کھٹکے اپنے دامن میں ڈال لے یونہی اس کشتی سے کہ وہ بزرگی و عظمت کی شراب سے بھری ہوئی تھی بلکہ خود عنایاتِ الٰہی کا ایک دریائے مواج بنی تھی۔ جتنی نعمتیں کیا کھائی ہیں اور کیا اَن کھائی قدرت کے بکاول نے جو اس دنیا کے دستر خوانِ صندلی رنگ پر چنی ہیں، جس گھڑی جس نعمت پر جس کا جی چلے، ووہیں اس کے سامنے دھری دکھلائی دے۔

اسی صورت سے وہ کھڑاؤں کی جوڑی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کا نمونہ تھی۔ ہوا سے آگے قدم دھرتی تھی۔ کیوں کہ جو کوئی اس پر سوار ہو کر مشرق سے مغرب کا ارادہ کرے، پل مارتے، اس قدر راہ دور و دراز طے کر کے اپنی منزل مقصود کو جا پہنچے۔

جب کہ توتا ان چاروں چیزوں کی خصلتوں سے آگاہ ہوا از بس کہ خوشی و خرمی کے ساتھ شادمانی کے فرش پر لوٹنے لگا۔ نہایت ہشاش بشاش ہو کر اپنے پر و بال کھولے۔ غرض وہاں سے ایک ہی پرواز میں اپنے شہزادے کی خدمت میں آ پہنچا۔ آداب بجا لا کر ان چیزوں کی ماہیت اور ان جوانوں کی کیفیت ابتدا سے انتہا تک بخوبی ظاہر کر کے کہنے لگا اے جہاندار سلطان اس وقت میں جو تو ایک مہم در پیش رکھتا ہے، سفر کی صعوبتوں مسافرت کی اذیتوں سے ملول خاطر ہو رہا ہے۔ منزل مقصود کی راہ سے آگاہ نہیں۔ اس لئے صلاح نیک و بہتر یہی ہے کہ اس اسبابِ نادر کو جس میں سے ایک چیز کا میسر آنا اس تمام جہان میں دائرۂ امکان سے باہر ہے، جس طرح بنے ان جوانوں سے لے لیا چاہیئے۔ ان کے وسیلے سے بے محنت و مشقت کے اپنی معشوقہ کے ملک چلا چلے۔

اگرچہ حاکم و منصف کو نہ چاہیے کہ منصفی کا آئین بن کر اپنے تئیں خیانت کی آلائش سے بھرے یا بے ایمانی پر کمر باندھے۔ کیوں کہ یہ بات آئین و دیانت سے بعید ہے لیکن مصلحتِ وقت و صلاحِ نیک یہی ہے کہ اس نعمت غیر مترقبہ کو، کہ یہ متاع نیک و مبارک، اس خدائے کریم کارساز نے عالم غیب

سے خاص اپنے لطف و کرم کے ساتھ عنایت کی ہے، اس کو ہاتھ سے دینا اب عقل رسا سے دور ہے۔

جہاندار سلطان جو بے قراری کی آگ سے شراب کی طرح بھٹی میں جوش کھا رہا تھا، یہ بات اس توتے نیک مصلحت کی زبان سے سن کر بلا تحاشہ اس طرف دوڑا۔ غرض تین رات دن کے عرصے میں مسافت راہ طے کر کے اس سرزمین پر جا پہنچا۔ وہ دونوں بھائی جو کئی دن سے ایک حاکم و منصف کی راہ اپنی چشم امید سے بیٹھے تک رہے تھے، شہزادے کا پہنچنا، نعمت عظمیٰ جان کر وہ اسباب اس کے سامنے رکھ دیا اور اپنا احوال ظاہر کیا۔

جہاندار سلطان نے گھڑی آدھ گھڑی تامل کر کے کہا اے عزیزو! میں جس قدر فکر کا قرعہ عقل کے تختے پر اس مقدمے کے فیصل کرنے کے واسطے پھینکتا ہوں، سوائے اس بات کے کوئی صورت بہتر نیک نہیں دیکھتا۔ یعنی میں دو تیر اپنی کمان کے چلے سے ملا کر ایک مغرب کی طرف دوسرا مشرق کی سمت چھوڑوں، اور یہ اسباب جو فساد کا موجب، دشمنی کا باعث ہوا ہے، تحقیقات کی رو سے بیچ میں دھر دوں تم دونوں یہاں سے آپس میں ہاتھ مار کر دوڑو، جو کوئی تم میں سے تیر جلد لے آوے گا، وہ جس چیز کو پسند کرے گا بے رنج و محنت کے اٹھا لیوے گا اور جو کوئی دیر میں پہنچے، جو چیز اس سے بچے گی وہ پاوے گا۔

اس بات کو وہ دونوں نہایت نیک و خوب جان کر راضی ہوئے۔ اور جو شرط کہ اس نے کی تھی اس عمل کر کے وہیں سے بے اختیار جیسے تیر خانۂ کمان سے نکل جاتا ہے سیدھے اڑ لاگے۔

جہاندار سلطان اس فرصت کے وقت کو غنیمت جان کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ووہیں وہ گدڑی پہن، سیلی میں گلے میں ڈال کشتی کرسے لگا، کھڑاؤں پر سوار ہو کر چاہا اس نے اپنے تئیں اس شہر مینو سواد میں کہ جس میں مہر و بانو یعنی اس کی معشوقہ رہتی تھی پہنچاوے۔ خدائے کریم کے فضل و کرم سے کہ اس کی قدرت کاملہ کے سامنے بندوں کی مشکلیں ساتھ آسانی کے حل ہو جاتی ہیں، پل مارتے جا پہنچا۔ اپنے تئیں اس مینو سواد کے دروازے پر دیکھا۔

غرض ہزاروں کوس کی راہ جو برسوں میں بھی طے نہ ہو بات کی بات میں بے رنج و مشقت کے قطع کر کے اڑ گیا اور وہ توتا ہمایوں بال، نیک فال بھی شہزادے کے فرق اقبال پر بیٹھا ہوا اس کے ساتھ ہی جا پہنچا۔

قصہ جہاندار سلطان کے حاضر ہونے کا مہرور بانو کے باپ کی بارگاہ میں بطور خاکساروں برشتہ دلوں کے اور ریچ ریچ اپنے احوال کو بیان کے محل میں لاکر اس کو آگاہ کرنے کا

جب کہ جہاندار سلطان فقیروں رندوں کے طور سے اس شہر جنت نہر کے دروازے پر جا پہنچا اور چاہا اس نے کہ اندر چلا جاوے۔ اتنے میں کتنے چوکیدار اُس پھاٹک کے شہزادے کو گرفتار کر کے دربار بادشاہی میں لے گئے۔ کیوں کہ اس دیار رنیک آثار میں ہمیشہ سے یہ رسم چلی آتی ہے، یہی آئین وقاعدے سالہا سال سے جاری تھے کہ جب کوئی مسافر یا کوئی اجنبی اس میں آوے، اگرچہ وہ شوکتِ بادشاہی کیوں نہ رکھتا ہووے، تو بھی اس کو وہاں کے نگہبان پہلے اپنے بادشاہ کی بارگاہ میں لے جاتے تھے اور اس کے احوال کی کیفیت سلطانِ عالی شان کی مجلسِ فردوس آثار کے بیٹھنے والوں کی خدمت میں عرض کرتے تھے اسی اپنے معمول قدیم سے اس کو بھی لے گئے

اس بادشاہ گیتی پناہ، کیاست دست دستگاہ، نے باریک بینی کی راہ، دقیقہ سنجی کی نظر سے اس میدانِ عشق کے سیدھے چلنے والے، اور اس دست مطلب کے بینڈے پر قدم دھرنے ہارے کے چہرے کو بخوبی دیکھا، باوجود اس کے کہ اس کو لباس قلندری وکسوتِ دریوزگری کے مشاہدہ کیا تو بھی اس کے اوضاع واطوار کو برخلاف فقیروں مسکینوں کے دریافت کیا۔ شکوہ کا ستارہ نجابت کا آثار اس کے ماتھے پر چمکتا دیکھا۔ اس واسطے متعجب ہو کر مصاحبوں سے کہنے لگا کہ یہ فقیر جو ہمارے شہر جنت نہر میں آیا ہے دریافت کیا چاہیے کہ یہ کس دیار کا رہنے والا ہے۔ یہاں کس کام کو آیا ہے۔

یہ بات سنتے ہی جہاندار سلطان نے خموشی کا پردہ اپنی گویائی کی دلہن کے مکھڑے سے اٹھا کر بیان کی مجلس میں جلوہ گر کیا۔ ادب وآداب کے پہچاننے والوں کے آئین وقاعدے سے اپنا احوال کہہ سنایا اور کہا کہ میں ہندوستان فیض نشان کے تاج ونگیں کا مالک ووارث ہوں۔ بلکہ نازپروردہ اقبالِ دولت کے پالنے کا۔ مگر اس واسطے کہ ہر ایک (بات) قضا وقدر کے اختیار ہے روزِ ازل سے جو یہ دولت عظمیٰ میری قسمت میں لکھی گئی تھی، اس لئے اس آستان فیض نشان کی (جبہ) سائی کا شوق از بسکہ میرے دل میں پیدا ہوا اور اس جناب خلافت مآب کے خدمت کی خواہش نے دل وجان میں نہایت غلبہ کیا۔ ناچار اپنی شہزادگی اور

تخت بادشاہی خاک میں ملا کر آوارۂ روزگار ہوا۔ بموجب اس کے مصرع

ہے مجھے یہاں کی گدائی بادشاہی سے سوا

گدائی و بے نوائی کو بادشاہی و شاہنشاہی پر مقدم جان کر دولت و فرمانروائی سے دستبردار ہو رنج راہ و صعوبت سفر اپنے دل پر سہل و آسان سمجھ کر اس ملازمت کے حاصل کرنے کو اپنی آنکھوں کے پاؤں سے چل نکلا۔ ہزار ہزار شکر و احسان اللہ تعالیٰ کے، جو شرف اندوز اس خدمت والا درجت سے ہوا اور اس درگاہ جہاں ستانی کی ملازمت کے باعث مرتبۂ سعادت زیادہ پیدا کیا۔ سینکڑوں سفر کی صعوبتوں کے بعد اس بادشاہ گیتی پناہ کی قدم بوسی میسر آئی۔ یہ دولت بے زوال عنایات الٰہی سے ہاتھ لگی۔ شاید اب جہاں پناہ کی بے حد مہربانیاں، ازبس کہ نوازشیں، حیرانی و پریشانی کی تلاش کرنے ہاریاں۔ بیت:

رنج کو راحت سے بدلیں غم کے عوض خوشی دکھائیں

طوفِ کعبہ دے مگر زوار کے دل کو سرور کیوں کہ دل اُس کا اُسی کے ہے پیتاں سے جلا

جب کہ اس بادشاہ باریک بیں و دانشمند نے شہزادے کی زبان درفشاں نے ایسے سخن پسندیدہ اور ایسے کلام شائستہ سنے، قانون قاعدہ شناسی، آئین ادب و آداب کے ساتھ دانش (کے) ملاحظہ فرمائے نہایت محظوظ ہوا اور اس ایلچی کے آنے، خط کے پہنچنے سے کہ جس میں اخلاص و پیار کی حکائتیں دوستی واتحادی کی باتیں لکھی ہوئی تھیں بلکہ مہرور بانو کے بیاہ کا بھی اس میں معنی معنی اشارہ تھا۔ یک بیک آگاہ ہوگیا۔ پھر اس کو شگفتہ خاطر، گرفتہ دل، پریشاں حال، دیوانہ مزاج، غریب طبع، افلاس زدہ، دیکھ کر اپنے جی میں سوچا کہ ہاں یہ شاہ قلندر لباس، اسی گل کی بوسے اپنا دماغ دل معطر رکھتا ہے لیکن اس کی عقل مصلحت شناس نے نہ چاہا کہ وہ اپنا راز دل ظاہر کرے یا اپنے سخن کے معشوق کو میدانِ بیان میں جلوہ گری بخشے۔

اس واسطے دریائے بیگانگی کا شناور ہوا، دیدہ و دانستہ تجاہل کر کے بطور انجانوں کے کہنے لگا کہ اس جھوٹے قلندر اور اس بے ادب و گستاخ نقیر کو بارگاہ خسروانی و جناب جہاں بانی سے جلد نکالو، بلکہ شہر کے باہر کردو، کیوں کہ یہ اپنی گرم بازاری کرتا ہے۔ عزت و شوکت کے بڑھانے، اعتبار بزرگی کے پیدا کرنے کے واسطے اپنا احوال، برخلاف حال زبان پر لاتا ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کی آنکھوں

ہیں بزرگ نظر پڑے، امیرزادہ دکھلائی دیوے. غرض جھوٹ موٹ کی دست آویز اپنی بڑائی کے واسطے ہاتھ میں لئے پھرتا ہے. اپنی چرب زبانی سے لاحاصل باتیں بناتا ہے. سر سے پاؤں تک کذب بہتان ہی سے بھرا ہے پر یہ نہیں سمجھتا کہ میرا جھوٹ شبستانِ دانش وبینش کی شمع کے روشن کرنے والوں کے سامنے نور نہ پکڑے گا. میرا جھوٹا چراغ راست گفتاروں، روشن دلوں کے آگے نہ جلے گا.

اگر (چہ) بادشاہ نے بظاہر رسوائی کا غبار اس شہزادۂ عالم عالم وعالمیان کے دامن حال پر ڈالا اس کو اپنی مجلس خلد طراز سے نکال دیا. لیکن باطن میں کئی شخص دانشمند وہوشیار، دقیقہ سنج وصاحب رفتار ایسے جو اپنی عقل رسا کے باعث معنی کی ماہیت دریافت کر جائیں، پردۂ غیب کی بھی کچھ کچھ حقیقت کہہ دیں، تعینات کئے. اس واسطے کہ وہ ہمیشہ اس کے احوال کی جستجو میں رہیں اس کی نشست و برخاست کا طریقہ بخوبی دریافت کریں. دن رات اس کا شغل واشغال، کیا کم وکیا زیادہ، بلاناغہ جہاں پناہ کے جاہ وجلال کی رموزوں کے واقف کاروں، سریرِ جہاں بانی کے بھیدوں کے آگاہوں کی خدمت میں ہر روز پہنچا دیں. لازم ہے کوئی دقیقہ ان دقیقوں، اور کوئی بات ان باتوں سے حتی المقدور باقی نہ رکھیں.

قصہ جہاندار سلطان کے دوچار ہونے کا ہرمز سے کہ وہ اس کے باپ کے وزیر کا بیٹا تھا اور اس کی بات چیت کے گل و پھول سے مراد کی بو پانے کا

جب کہ جہاندار سلطان بادشاہ کی بارگاہ سے نکلا، ہرمز لباسِ خاکستر سے آئین خاکساری اختیار کئے ہوئے دروازے پر بیٹھا دکھلائی دیا۔ غم و الم کے آثار اس کے چہرے پر نظر آئے۔ نہایت حیران ہوا۔ پھر اس کو مسافرت کے میدان میں بحال تباہ مشاہدہ کرکے پہچان گیا۔ کہنے لگا۔ "اے ہرمز تو نے اس پرائے ملک میں رہنا اور ان اجنبی لوگوں سے دوستی کرنا، کس کام کے واسطے اختیار کیا ہے؟ اپنا گھر بار چھوڑ کر مسکینی اور غریبی کیوں قبول کی؟ کس لئے اس قدر محنت و مشقت اپنے اوپر اٹھائی؟

یہ بات سن کر ہرمز، بموجب اس کے مصرع

رند عالم سوز کو ہے مصلحت سے کام کیا

بے حفظِ مراتب، و بے پاس ہوشیاری و خبرداری کے، بلا تحاشہ اپنے دل کا بھید زبان پر لایا۔ کہنے لگا "اے شہزادے اس ملک کا بادشاہ ایک لڑکی "مہر دربانو" نام ایسی حسین و مہ جبین رکھتا ہے کہ بس یقین کر کہ وہ شہزادی حسن کے آسمان کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ دریائے جمال کا گوہر یکتا۔ سچ ہے اسی کے رخسار آتش رنگ سے آفتاب عالم تاب نے نور پیدا کیا۔ اسی کی غلامی کے مرتبے سے مہتاب جہان کی آنکھوں میں بھلا لگتا ہے۔ میں بے دیکھے بھالے اس کی زلف عنبریں کے دام میں مچھلی کی طرح گرفتار و مبتلا ہوا۔ عقل کی مجلس سے اُٹھ کر دشت جنوں کا راہ نورد بنا۔

آخر اپنے دیوانے دل کے پیچھے پیچھے اس شہر جنت نہر میں آ پہنچا۔ اب اسی دیوانہ پن نے وبال جان ہو کر میرے دل و جگر کو غم و الم کی آگ سے جلا دیا۔ خاک سیاہ کر ڈالا کیوں کہ میرے کام کا سرانجام مطلق نظر نہیں آتا۔ بلکہ امید کی بو کا پہنچنا میرے دماغ دل تک کسی طرح نہیں سوجھتا۔ قسمت کی دشمنی، طالع کی عداوت سے میری آرزو کا پیالہ مراد کی شراب سے ہرگز پر ہوتا نہیں دکھلائی۔ کیوں کہ وہ ترک ستمگار اور وہ معشوقہ مہر دیدار مجھ سے صید ناتواں و ضعیف کو اپنے شکار بند سے باندھنا عار جانتا ہے۔ مجھ سے

دیوانہ پن کی گلی کے مسکین و خاک نشین کو اپنی معشوقیت کا ننگ سمجھتا ہے۔ قطعہ

بر نہ آئی آرزو وہ جس لئے دل جل گیا ۔۔۔ جل گیا میں پر نہ وہ مطلب مرا حاصل ہوا

اِس تمنا پر کہ مستی میں لب اس کے چومئے ۔۔۔ دل کو کس کس طرح میں نے مثلِ مے خوں کر دیا

سو نہ یہ حاصل ہوئی افسوس میری آرزو ۔۔۔ اور میں خستہ جگر اس غم میں کب کا مر مٹا

خیر اب یہ بات تجھ کو مبارک و ساز گار ہو کیوں کہ وہ ہمائے اوجِ سعادت اور وہ آہوئے دشتِ عصمت، بے سعی و کوشش کے تیرے دام میں گرفتار ہوگا اس لئے کہ وہ ایک مدت مدید سے تیرے عشق کی چوسر اپنے دل کے ساتھ کھیلتی ہے۔ بلکہ اس دنیا کے میدان وسیع میں اپنی آرزو کا گھوڑا تیری جستجو میں دوڑاتی ہے۔ پر میں یہ نہیں جانتا کہ تیرا اسم مبارک اس نے بادِ صبا سے سنا ہے، یا چاند سا مکھڑا تیرا خواب میں دیکھا۔ خیر اب جہاں پناہ اپنا احوال بیان کریں کہ حضرت نے اقبال کے جھولے سے اتر کر اپنے تئیں ادبار کی مسندِ خاک پر کیوں کر پہنچایا؟ تختِ بادشاہی چھوڑ کر گدائی کا بوریا کس لئے اختیار کیا؟ تاجِ خسروی سے کلاہِ فقیری کیوں پہنی؟ شہزادگی اپنی خاک میں کس واسطے ملا دی؟

اگر چہ جہاندار سلطان نے پہلے اِس واردات کے سننے اور "مہرور بانو" کے عشق میں ہرمز کے گرفتار ہونے، اور اس حور فریب کی زلف کی چوگان میں اس کے دل دھرنے، اس کی زبانی اس کے عشق (میں) لاف زنی کرنے سے طیش کھایا۔ آپ میں نہ رہا۔ بلکہ اس پری کے واسطے بطور دیوانوں کے رسوائی کی گلی میں بیٹھ رہنے سے غیرت کی آگ اس کے سر سے پاؤں تک بھڑک اٹھی۔ لیکن اپنی مراد کی خوش خبری اور اپنی امید کے مژدے سن کر ہنسا۔ دل میں کہنے لگا کہ بارے میری محبت کا تخم مہرور بانو کے مزرعۂ دل میں سر سبز ہوا۔ قسمت کی یاوری سے میری چاہ کا پودا اس کے دل کی کیاری میں لگا۔

یہ بات دریافت کر کے اپنے دل بے قرار کو تسلی دی، ڈھارس بندھائی، پر اپنے راز کے خلوت خانے میں ہرمز کو بار نہ دیا، بلکہ اپنے احوال سے مطلق آگاہ نہ کیا۔ اور آپ وہاں سے شہر کے باہر چلا گیا اور مہرور بانو کے خاص باغ میں اس امید پر کہ بادِ نسیم اس رشکِ چمن کی بو میرے دماغِ دل تک پہنچا دے، جا بیٹھا۔ بطور مسکینوں، خاکساروں، فقیروں، خاک نشینوں، کے اپنے شعلۂ دل سے آگ بھڑکا کر دھونی لگائی۔ اس کی تمنا میں اپنے منہ پر راکھ ملی۔ بازارِ عشق گرم کیا۔ آہ و زاری کرنے لگا۔

یہاں تک کہ اپنے دل کے ٹکڑے، جگر کے پرزے آنکھوں سے بہا کر اپنا دامنِ حال رشکِ گلشن کر دیا اور اپنے اشکِ گلگوں رخسار سے لعلِ بدخشاں کی طرح ہر ایک سرِ مژگاں کو عقدِ پروین و پنجۂ مرجاں سے بھی زیادہ کر دکھلایا مہر و ماہ کے غمِ وصال میں اپنے روزگار کے سر پر حسرت کی خاک ڈالی۔ اس فقیری میں بھی شانِ بادشاہی پیدا کی۔

غرض رات دن عالمِ تنہائی میں مونس و یار اور وقتِ مفارقت میں ہمدم و غمگسار، اسی راحتِ جاں کا خیال تھا اور مدعا اس کا اسی روح افزا کا وصال۔ سوائے اس کے اگر وہ اپنا کوئی یارِ غمگسار، یا کوئی ہمدم و محرمِ کار، ایسا کہ جس کے سامنے رازِ دل کہے یا غم و الم کی شکایت کرے، تو وہی تو تا عقلمند و دانا مصاحب و مہربان رکھتا تھا۔ اس واسطے کبھی کبھی اپنے سینے کی انگیٹھی سے ہزاروں درد و دکھ کے شعلۂ جاں سوز اپنے دامنِ فکر پر برساتا، دل کے رنج و تعب، باطن کے غم و الم بیان کرتا، اپنی مراد کے برآنے کے واسطے اور اس غم کے دفع ہونے کے لئے مدد و مداوا چاہتا۔

داستان

اس توتے کے اپنے دل و جگر کے بال و پر، پروانے کی طرح جہاندار سلطان کی شمع بے قراری پر جلانے اس کی دلداری و دل جوئی کے چمنستان میں پرواز کرنے اور اس کے دل لگنے کے واسطے حکائتیں درد اندوز اور کہانیں عشق آموز کے بیان کرنے کی

توتا اس مقام میں کہ ایک مرغ دانا اور ایک طائر سیانا تھا، جب کہ اس نے جہاندار سلطان کو ازبس کہ غم و الم میں مبتلا دیکھا۔ درد و دکھ کے پنجے میں گرفتار پایا۔ اپنی مصاحبت و موانست کی راہ سے اچھے اچھے سخن تسلی آمیز، خاصی خاصی باتیں تسکین انگیز، اپنی زبان نادر بیان پر لاکر عرض کرنے لگا اے عاشقوں سودائیوں کے بادشاہ، اے دیوں دیوانوں کے پشت پناہ! اب جو مقصد کی بُو امید کے گلشن سے تیرے دماغ دل تک نہیں پہنچی، آرزو کی کلی دل کے چمنستان میں مراد کی ہوا سے نہیں کھلتی۔ لازم ہے کہ اس غم سے تو اپنے تئیں رنج و مصیبت کے غار میں نہ ڈالے محنت و مشقت کے کوچے میں نہ پھراوے۔ اپنی تمنا کے ہاتھ سے اس دونوں جہان کی مشکل آسان کرنے والے کی عنایات کا دامن یک بیک نہ چھوڑے کیا تو نے نہیں سنا کہ یہ آیہ قرآن شریف میں آیا ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ یعنی ناامید نہ ہو خدا کی رحمت سے۔ بیت

نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو
کہ آیا ہے قرآں میں لاتقنطوا

اس بات سے تمام جہان واقف و آگاہ ہے آخر تیری آرزو کا غنچہ، مراد کی نسیم سے کھلے گا۔ تمنا کا درخت امید کے پھل سے لدے گا۔ یہ رسم اس جہان میں قدیم سے چلی آئی ہے اور یہ آئین ہمیشہ سے یونہی اس زمانے میں جاری ہے کہ یہ چرخ ستمگر پہلے میدانِ تمنا کے پیاسوں کو سراب گاہ میں سراسیمہ کرتا ہے جب کہ وہ اس دھوکے کے بیابان میں خوب ساحیران و پریشان ہو چکتے، تب ذلت و خواری کی تاریکی، محنت و مشقت کی اندھیاری سے نکال کر امید کے چشمے پر پہنچا دیتا ہے۔

یہ وضع عاشقی و شیدائی کی تو نے ہی نہیں ایجاد کی اور یہ طرز دیوانگی و آشفتگی کی کچھ تو نے ہی

نئے سرے نہیں نکالی۔ انھیں باتوں کا جھنڈا تجھ سے آگے کتنے ہی بادشاہوں، عالی خاندانوں، کتنے ہی سلاطینوں، والا دودمانوں نے عاشق ہو ہو کر جنوں کے میدانِ وسیع میں گاڑا ہے۔ شیدائی کا نقارا اس۔ ان کے بیابانوں میں بخوبی بجایا ہے۔

یقین کر کہ ان کے احوالِ حقیقت ایک دلفریب حکایت ہے اور روح افزا کہاوت پرسچ ہے جو کچھ انھوں نے اعشق کی راہ ناہموار میں صعوبتیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ ان کے سنتے رستم دل رؤین تنوں کے پتّے پاز ہو کر بہہ جاتے ہیں، پہاڑوں کے سینے شق ہونے لگتے ہیں۔ ابھی تو ان اذیتوں میں سے تجھ کو ایک عشر عشیر کبھی نوبت نہیں پہنچی۔ آخران سبھوں نے غم والم کے دریائے تعرسے گوہرِ مقصود نکالا۔ بہت سی مشکلیں اٹھائیں کہ اذیتیں اُٹھا کر اپنی مراد کے گل و پھول کو شگفتہ دیکھا۔ تو کیوں ہمت ہار دیتا ہے۔

یہ بات سُن کر جہاندار سلطان نے کہا اے رفیق دلنواز و اے مونس محرم راز! میں چاہتا ہوں کہ تو ان محبت کے شیشے کی شراب پینے والوں اور ان عشق کے دسترخوان کے جھوٹا کھانے ہاروں کی کیفیت، اور ان دریائے امواجِ غم کے شناوروں کی حقیقت سے، کہ انھوں نے اس راہ ناہموار میں کیسی کیسی اذیتیں اور کیسی کیسی تکلیفیں اُٹھائی ہیں، آگہی بخشے۔ اور کیوں کر ناامیدی کے بھنور سے نکل کر اپنے تئیں مراد کے کنارے پر پہنچایا ہے، کہہ دے۔

توتے نے کتنی حکایتیں رنگین اور کتنی کہاوتیں دل نشین بیاں کیں۔ بے شمار ایسے ایسے قصے کہ جن کے سننے سے اس کا جی لگے، اس کا دماغ دل ان کی چاشنی سے حلاوت اٹھاوے اس کے دلِ غمگین کے بہلانے کا وسیلہ کر کے، مقرر کیا، کہ جب تک اس کی مراد کا معشوق جلوہ گر ہو وے، اور اس کی امید کی کلی کھلے، تب تک ہر ایک رات داستانِ دل پذیر اور حکایاتِ بے نظیر ایسی ایسی جو دلِ دیوانہ پُرافسوں اور جگرِ مجروح پر مرہم ہوں، نئی نئی روش، طرح طرح کے آئین دلکش سے بیان میں لایا کرے۔ اس لئے کہ اس کے دل کو لبھائیں۔ اور اس کی خاطرِ نازک کو تسکین بخشیں جس کے باعث قدرے قلیل اس کے دلِ بے قرار کو قرار آوے، آہ و زاری سے باز رہے۔

داستان

ختن کے بادشاہزادے کے تخت جنون پر جلوس فرمانے اور مہرور بانو کے عشق میں کوس شیدائی بجانے کی

سنا ہے کہ ختن کے ملک میں ایک ایسا بادشاہ فلک بارگاہ تھا کہ جس کے سریر سلطنت کے پائے کو سپہر بریں بوسہ دیتا۔ اور اس کے حکم کا زین پوش مہر منور، غلاموں کی طرح اپنے کندھے پر ہر حال رکھتا۔ وہ ایک لڑکا مہر لقا ایسا رکھتا تھا کہ جس کے گلشن حسن کے گرد جوانی کا سبزہ سرسبز ہو رہا تھا اور اس کے رخ آتشیں کے گرد خط مشکیں، جس صورت سے چاند کے گرد ہالہ معلوم ہوتا ہے، نہایت مزین نظر آتا تھا سراپا اس کا رشک شمشاد و آزادگی کا اس کی غلام تھا۔ سرو آزاد، دونوں اس کے قد سے بھی زیادہ میٹھے۔ ان کی تعریف کو ایک منہ چاہیے۔ شیریں سخنی کی اس کی کیا بات، جس کے سامنے مات تھی نبات۔ دانتوں کی چمک ثریا کو نور بخشے، ہنسنا اس کا پستوں پر نمک چھڑکے۔ مثنوی۔

وہ گورا بدن صاف ترکیب دار	بھرے ڈنڈ پر نور تن کی بہار
عیاں چستی وہ چابکی گھات سے	نمود جوانی ہر ایک بات سے
قیافے سے ظاہر سراپا شعور	جبیں پر برستا شجاعت کا نور

وہ بہ سبب شہریاری و فرمانروائی کے کاؤس و کیقباد کی طرح اکثر اوقات سیر و شکار ہی میں مشغول رہتا جب کسی شکار کو گیا چاہتا، دورکابے اسپ اشقر پر سوار ہوتا۔ بہرام چرخ اس کے تیر کی دہشت سے گور کی طرح زمین میں سما جاتا۔ اور اگر کسی کو اپنی شست پر چڑھاتا شیر گردوں اس کے دام میں خود بخود آپڑتا۔ اتفاقاً ایک دن کسی دریا کے کنارے بیٹھا ہوا مچھلی کا شکار کھیل رہا تھا۔ ناگاہ کتنی دور سے ایک کشتی نمودار ہوئی۔ بڑی دھوم دھام سے دکھلائی دی لیکن اس کے اوپر ملاح و مانجھی کا نام و نشان نہ تھا۔ شہزادہ اس کو بے ڈانڈی مانجھی کے چلتا مشاہدہ کرکے نہایت متعجب ہوا۔ بلکہ گھڑی آدھ گھڑی اسی کا تماشہ دیکھتا رہا۔ جب وہ نزدیک تر آئی بادشاہوں سلاطینوں کے نواڑوں کی مانند از بس کہ زیب و زینت سے آراستہ دکھلائی دی۔ جواہر بے بہا اس کی گاسے سے کر پتوار تک جڑا تھا۔ ایک غلاف نہایت عمدہ کارچوبی پڑا تھا۔ فرش فروش نے کمال زینت دے رکھی تھی۔ نہ کسی نے ایسی دیکھی تھی نہ سنی تھی۔ بیچ جان اگر

کوئی بینا اس کو دیکھے تو بے شک و شبہ کہہ بیٹھے کہ یہ ہلالِ عید نور سے بھرا ہوا، مے خواروں کے لئے دامن چرخ سے نکلا ہے۔

غرض وہ کشتی کمال سرعت سے تری کی راہ طے کرتی تھی ہوئی چلی جاتی تھی۔ مگر اس کے اندر ایک نازنین چودہ پندرہ برس کی نہایت حسین و مہ جبیں جس کا مکھڑا چودھویں رات کے چاند کی مانند تاباں تھا، ہزاروں طرح کی شوکت و شان کے آفتاب کی مانند تن تنہا مسندِ ناز پر بیٹھی تھی جس کی زلف مشک تر کی طرح اس پورن ماسی کے چاند سے مکھڑے پر لپٹی ہوئی تھی، اور اس کے ابروے خمدار عنبریں نے اس کی نرگسی انکھڑیوں کے آگے حسن کی دو وطنائیں کھینچ رکھی تھیں۔ وہ اپنی نگاہ کرشمہ سنج کی نشست سے دریا کی مچھلیاں پکڑتی تھی۔ اور اپنی زلفِ تابدار کی کمند سے خورشیدِ جہاں تاب کو چرخ کے قلعے سے کھینچ لاتی تھی۔

مثنوی:

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام	قیامت کرے جس کو جھک کر سلام
نگہ آفت و چشم عین بلا	مژہ دیں صفوں کو اُلٹ برملا
وہ رخسار نازک کہ ہو جائیں لال	اگر ان پہ بوسے کا گزرے خیال
زبس مثلِ آئینہ تھا اس کا تن	کھے تو کر تھی نات عکسِ ذقن

شہزادہ دیکھتے ہی اس کی نگاہ کے تیر سے گھائل ہوکر اس کی طرۂ تابدار کے دام مشک فام میں مچھلی کی طرح جا پڑا۔ آپ میں نہ رہا اور وہ کشتی وہاں سے ہوا کی مانند سطحِ آب سے اُڑ لاگی۔ آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ شہزادے کا دل آتشِ عشق سے جل کر خاک ہو گیا بگولے کی مانند اس غارت گرِ دین و ایمان کی جستجو کرنے لگا۔ نوکر چاکر اس کے جو مچھلی کے شکار میں مشغول تھے، اس بات سے مطلق آگاہ نہ ہوئے کہ ہمارا شہزادہ آپ ہی مچھلی کی مانند مچھلی کے دام میں گرفتار ہوا۔ بلکہ اس کی بے ہوشی کو آفتاب کی گرمی کا باعث جان کر اس کے منہ پر گلاب چھڑکنے لگے۔ پر کچھ فائدہ نہ دیکھا ناچار دیو یا جن کا سایہ اپنے دل میں ٹھہرا کر سیانوں، تعویذ طومار کرنے والوں کی طرف رجوع کیا[1]۔ پر یہ بات کسی کے ذہن میں نہ آئی کہ اس کا دل کوئی پری، بات کی بات میں اُڑا لے گئی۔ جس قدر انھوں نے دوڑ دھوپ کی، کسی طرح صورت یہ نہ سوجھی، ناچار کو چۂ بے چارگی میں سر جھکا کر فکر کرنے لگے۔ پر اس کے دلِ بے قرار کو کسی سے قرار نہ دے سکے اور اس کا دم بدم حال تباہ ہوا جاتا تھا، چہرے کا رنگ اڑا جاتا تھا۔

---

[1] در متن کی

آخر ہر ایک کی رائے نے اس پر رجوع[1] کیا کہ حکیموں، نجومیوں کو دکھلا دیں۔ کسی طرح بھلا کریں۔ بادشاہ بھی اس کا احوال دیکھ کر سراسیمہ ہوا۔ بہت سے غم و الم اٹھا کر ملاؤں، حکیموں کو بلوایا۔ بلکہ شہزادے کی تیمارداری میں آپ بیمار پڑا اور وہ گروہ حکمت کیش اور وہ طائفہ خیر اندیش ہر چند اشراقیوں کے آئین، مشاءیوں کے قوانین کے ساتھ اپنی اپنی عقل کارشناس کی رہبری سے اس کے چنگا کرنے کے واسطے دوڑ دھوپ کرتا رہا۔ لیکن مطلق تدبیر کا ہاتھ امید کے دامن تک نہ پہنچ سکا۔ ان کی دوادارو نے کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ شہزادے کا مرض ہرگز نہ گیا بلکہ اس جماعت کی تشخیص کی انگلیاں۔ اس کی رگِ جاں کی حرکت کو کچھ نہ دریافت کرسکیاں سچ ہے۔ مصرع

درد الفت کب حکیموں کی دوا سے ہو بھلا

جب کوئی بات شہزادے کے اچھا کرنے کی نہ سوجھی تمام حکیم اور سارے سیانے ہاتھ ملنے لگے پشت دست عاجزی کی زمین پر ٹپکنے۔ بادشاہ کا دل فرزند کے غم سے ناامیدی کی آگ پر سپند[2] کی طرح جل اٹھا اس کے معالجے کے واسطے نہایت بے قرار و بدحواس ہو کر اس ڈھب کا ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی اس آتش بلا کو کہ میرے لختِ جگر کے دل و جگر کی جلانے والی ہے، اپنی حکمت کے پانی[3] سے بجھا دے، یا جو کوئی اپنی تدبیر سے اچھا کرے، میں اس کو اپنی چوتھائی بادشاہت کا مالک کروں گا۔ دل و جان سے بھی زیادہ عزیز رکھوں گا۔

آخر یہ شہرہ ہر ایک سمت میں پھیل گیا اور یہ آوازہ ہر ایک شہر و اطراف میں مہر و ماہ کی مانند جلوہ گر ہوا ہر ایک شخص اپنے اپنے بقدر استعداد کو دستِ سعی پر دھر دھر کر اس لڑکے کی چارہ جوئی کے واسطے خلق کی طرف دوڑا لیکن وزیر بچہ جو لڑکپن سے شہزادے کا ہم مکتب و ہم بازی تھا۔ بلکہ ہر ایک صورت سے محرم راز دل نواز اس بات سے آگاہ ہوتے ہی بلا تحاشا اٹھ کھڑا ہوا۔ شہزادے کے پاس چلا گیا۔ دیکھا اس نے کہ مسندِ راحت سے اس کا گلشنِ رخ زرد ہو رہا ہے۔ خموشی کی مہر نے منہ بند کر رکھا ہے۔ خویش و اقربا سے بیگانگی اختیار کئے ہوئے، جنوں کے بستر پر مرغِ بسمل کی مانند تڑپ رہا ہے اپنی دانش کی انگلیوں سے اس کی نبضِ جنوں پہچان گیا۔

دونہی اس کو خلوت خانے میں لے جا کر احوال پوچھنے لگا اور کہنے لگا اے شہزادے تو اپنے راز کے خوان سے حجاب کا خوان پوش اٹھا کر اپنے دل کی بات ظاہر کر کہ کس ابرو کمان کا تیرِ غم تیرے دل نازک کے دوسار ہوا؟ اور کس ترک ستمگار نے تیرے ہوش و حواس کے مال بے زوال کو لوٹ لیا۔ سچ جان اگر

---

[1] در متن: کی [2] در متن: پسپند [3] در متن: پانی

چرخ کی زہرہ ہوگی تو اس کو آسمان سے الگ زمین پر اتار لاؤں گا، اور اگر پری اپنے پر و بال کی قوت سے ہوا پر داز کرتی ہوگی تو اس کو بھی تدبیر کے جادو ٹونے سے تیری فرماں برداری و اطاعت کے شیشے [میں] اتار کر دکھلا دوں گا۔ قطعہ

ہو اگر پتھر میں وہ مثلِ شرر — میں اسے چقمق سے لوں جھٹ پٹ نکال

گو ہوا پر ہو وہ طائر کی طرح — لوں پکڑ پیچھے سے اس کے پر و بال

شہزادے نے اس اپنے رفیق و شفیق سے اس طور کی باتیں سن کر فی آنکھیں کھول دیں۔ کئی حکایتیں اپنے ماتھے کی تختی سے، جو سرنوشت میں رکھتا تھا، پڑھ سنائیں۔ اپنی مراد بر آنے کے لئے مدد چاہی۔ بہت سی منت کی وزیر بچے نے اس کے کام کے لئے ہمت کی کمر نہایت تنگ و چست باندھی اور یہ بات کہی اے شہزادے میں لڑکپن ہی سے اپنے دل کے کھیت میں تیری بندگی کا پودا لگا چکا ہوں۔ اور اپنے جی کو تیری راہ وفا میں کب کا نثار کئے بیٹھا ہوں۔ خدا کی قسم جب تک میرے دم میں دم ہے اور اس قالب میں جان، تیری اطاعت و خدمت سے جی نہ چراؤں گا۔ بلکہ جو کچھ حضور پرنور سے حکم ہوگا بسر و چشم بجا لاؤں گا۔

شہزادے نے اس کی دوستی، وفاداری پر نظر کر کے اپنے دل مجروح پر مقصدِ دشوار کے بر آنے کے لئے امید کا مرہم رکھا۔ بہت سا دلاسا دیا اور مسندِ ناتوانی سے اُٹھ کر کہنے لگا۔ اے یار وفادار! وا ے مونس غمخوار! صلاح نیک و بہتر یہی ہے کہ جس راہ سے بنے اس طرح میں اپنے تئیں اپنی راحت جاں کے شہر پہنچاؤں قسمت نے یاوری کی، اور اس جانِ جہاں سے ملاقات ہوئی، تو سب سے بہتر ہے نہیں تو اسی کے کوچے میں مر مٹوں۔ کیوں کہ وہاں کی خاکساری تمام جہان کی بادشاہت سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ گدائی اسی کوچے کی بھاتی ہے۔

جب یہ بات ٹھہرائی، تھوڑا بہت زر و جواہر [بطور] خرچِ راہ لے لیا اور توکل کی رسّی[1] استوار کو امید کے ہاتھ سے پکڑ کر اس اندیشے سے کہ کوئی اور اس رازِ پوشیدہ کی ماہیت نہ دریافت کر سکے۔ اپنا شہر چھوڑ اسی سمت کو ہوا کی مانند اڑ چلا کہ جس طرف کہ وہ ہلال دل پذیر ابر دہ جادہ[2] کے آسمانِ بلند کا بدرِ منیر اس کو اپنی جھلک دکھلا کر چلا گیا تھا۔ بموجب اس کے مصرع

درمتن: [1] رس — [2] جادو

مرد کب کرتے ہیں دہشت راہ ناہموار سے

وہ نہی بے دیکھے بھالے مکان کا قصد کرکے وزیر بچے کو ساتھ لیا. پہاڑوں، جنگلوں کی راہ سے چل نکلا راہ کی صعوبتیں، سفر کی مصیبتیں اپنے اوپر گوارا کیں. اس جنگل میں بھوک کے وقت کھانے کے بدلے غمِ جاناں کھاتا پیاس کے وقت پانی کے عوض خونِ جگر پیتا. چار و ناچار سر و پا برہنہ با دیدۂ گریاں اپنے دلِ بریاں کے پیچھے پیچھے چلا جاتا تھا۔

شاید کوس آدھ کوس تک [قدموں] کے نشان سے راہ طے کی ہوگی، مڑ کر دیکھا کہ ایک شخص نہایت قدم بڑھائے پیچھے چلا آتا ہے اور یہی قصد رکھتا تھا کہ اپنے تئیں ان دونوں دشتِ مسافرت کے سرگردانوں کا شریک حال کرے دکھ بٹاوے. جب کہ وہ از بس کہ محنت و مشقت کھینچ کر ان کے پاس گیا، وزیر بچے نے پوچھا" اے عزیز تو کون ہے کیا کام کرتا ہے اور اس اضطرابی و بے قراری سے کہاں جاتا ہے؟"

اس نے عرض کی کہ میں ایک شخص ملاح ہوں اکثر اوقات دریا سے مچھلیاں نکال کر بادشاہ کے باورچی خانے میں پہنچایا کرتا تھا اور دولت خانۂ بادشاہی سے جس قدر بطور انعام و اکرام کے پاتا تھا اُس سے اپنے بال بچے پالتا تھا اب جو میرے شہزادے نے غربت و مسافرت اپنے اوپر گوارا کرکے دریائے تردد کے کنارے کنارے راہ چلنا اختیار کیا ہے اس کی پچھلی نعمتوں کے حقوق میری گردن پر یہی تھے کہ میں بھی اپنے بال بچے خویش و اقربا سے رخصت ہو کر اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا. سوائے اس کے میں ایسا صاحبِ ہنر کاملِ فن ہوں کہ جس کا بیان اپنے منہ سے نہیں کر سکتا. سچ ہے آج سے لے کر پچھلے چھ مہینے تک کا احوال کہ کون شخص خشکی کی راہ سے پیادہ گیا ہے اور کون دریائے متلاطم سے کشتی پر سوار ہو کے گزرا ہے. میں بے رنج و فکر کے سراغ لگا کر دریافت کر سکتا ہوں اور یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کون تھا کہاں گیا۔

شہزدہ اس بات کے سنتے ہی نہایت خوش و مسرور ہوا. اس جوان کا آنا از بس کہ غنیمت جان کر پوچھنے لگا تو جانتا ہے کہ کوئی شخص اس تری کی راہ سے کشتی پر سوار ہوا کسی طرف گیا ہے. ملاح نے دریا کی سمت نظر تامل سے دیکھ کر عرض کی. جہاں پناہ سچ ہے مجھے اپنے ہنر کامل اور عقل رسا سے یوں معلوم ہوتا ہے ایک کشتی بے ڈانڈی مانجھی کی نہایت جلد چلی گئی ہے۔

اس بات کو سن کر شہزادے نے اس ملاح کامل خرد کو اپنے مطلب کے برآنے کا شگون نیک جانا

اور اپنی تمنا کا پیالہ امید کی شراب سے چھلکتا دیکھا بے اختیار تردد کی راہ طے کرنے میں بجلی اور ہوا کی مانند چل نکلا۔ تھوڑی دور گیا ہوگا دیکھا اس نے کہ ایک ادھیڑ سا مرد کھچڑی داڑھی پیچھے سے اس طرح دوڑا آتا ہے کہ ہوا کا ہاتھ بھی اس کے دامن تک نہیں پہنچتا۔ جب نزدیک آیا آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ آخر انھیں میں آکر مل گیا اس سے بھی پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہاں سے آتا ہے؟ اور ارادہ تیرے جی میں کہاں کے جانے کا ہے۔

اس نے عرض کی کہ میں شہر ختن سے آتا ہوں تمہارے ہی ساتھ کے چلنے کا قصد رکھتا ہوں۔ قوم کا بڑھئی ہوں۔ اپنی کاری گری کے فن میں استاد کامل اور اس پیشے میں صاحب استعداد بے بدل ایسا ہوں کہ کہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ یقین ہے کہ میرا بسولا مانی و بہزاد کے قلم کا کام کرے اور میرے ہاتھ کا پتلا بنا ہوا آزر کے بتوں پر طعن مارے کیوں کہ میں کاٹھ کی پتلی ایسی حسین و مہ جبین گھڑتا ہوں کہ جس کے چہرے کی نمکینی کے سامنے شیریں کا حسن پھیکا ہو جاوے۔ بلخ کا معشوق فرہاد کی طرح اپنی جانِ شیریں اس پر نثار کرے۔ محل بھی ایسا ہی دلچسپ و کشادہ بناؤں کہ اگر اس کی تیاری کی خبر بہشت بریں کے بالا خانے کی حوریں سنیں تو اس کے دیکھنے کو بسر و چشم قصر جنت سے نکلیں۔ یقین ہے کہ اس میں ہرگز قصور نہ کریں۔ کاٹھ کے کندے کو اپنے وہے کے رندے سے ایسا صاف و مصفا کر کے آئینہ نشاں کروں کہ جس کو دیکھ کر عقلمندوں، ہوشیاروں کی زبانیں کہ وے طوطیاں شکر خوار ہیں تحسین و آفریں میں کھلیں۔

سوائے ان کاموں کے ایک کام میرا ایسا نادر و عجیب ہے کہ جس کے کمال کے دامن تک کسی مہندس و نجومی کی فکر کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ بے شک وہ صنعت عجیب و غریب یہ ہے کہ ایک کا اڑن کھٹولا ایسا بناؤں جو بے پر و بال کے پرندوں طرح ہوا پر پرواز کرے جو اس پر بیٹھ کر جہاں کا قصد کیا چاہے اگر وہ منزل مقصود اس کی ساتو آسمان کیوں نہ ہو تو بھی کیوان کی طرح بلند ہو کر پل مارتے وہاں جا پہنچے۔

جس وقت یہ شہزادہ آفتابِ جہاں تاب کی مانند مطلع مولد سے ساتھ جاہ و جلال کے طلوع ہوا۔ اس کے جمال نورانی نے سارا جہان روشن کر دیا پھر یہ ایک دائی نیک بخت فرشتہ خصلت بلند اقبال کی گود میں جس صورت سے کہ خورشید صبح کے پہلو میں نمود ہوتا ہے پلنے لگا۔ اس وقت میں نے ایک جھولا دولتِ سعادت سے بھرا ہوا اس کے واسطے بنایا غرض اس پالنے کی مزدوری میں بطور انعام کے خزانۂ پادشاہی سے اس قدر زر و جواہر میرے ہاتھ لگا کہ جس کے باعث میں ایسا صاحبِ اقبال و دولت مند ہوا جو کسی چیز کا ارمان میرے دل میں باقی نہ رہا اس لئے چاہا میں نے کہ پچھلی نعمتوں کے حقوق جہاں پناہ

کی ہمراہی کے وسیلے کے باعث اپنی گردن سے اتاروں۔ سفرو مسافرت میں شریک ہوکر جو خدمت کہ میرے لائق ہو اس کو بخوبی بجالاؤں۔

شہزادہ یہ بات سن کر اس بڑھئی صاحبِ کمال فن کا ہونا تمام جہان کی نادراتوں سے دولتِ عظمیٰ بھا نہایت خوش ہوا۔ اپنی معشوقہ کے ملنے یارِ غمگسار کی ملاقات کرنے پر دلیل قوی بوجھا امید کے بوتے سے راہ پاس کے نشیب و فراز درست کرکے قدم تیز سے چل نکلا۔ مسافرت کی صعوبتیں، راہ کی اذیتیں اس قدر سخت و دشوار تھیں کہ جو قدم آگے دھرتا تھا سو نہنگ بلا ہی کے منہ میں پڑتا تھا بلکہ ہر ہر قدم پہ دریائے مصیبت ہی میں غوطے کھاتا تھا۔ دم بدم مشکلوں، مصیبتوں ہی سے دوچار ہوتا۔ پر وہ ملاح حضرت نوح علیہ السلام کی مانند رہبر و ناخدا ہو کر اس درد والم کے لجۂ متلاطم کے ڈوبے ہوئے کو اسی طرف جس سمت کو کہ وہ کشتی اس کے سامنے سے چلی گئی تھی لئے جاتا تھا اور وہ دونوں رفیق بھی اس کے پیچھے پیچھے راہ طے کرتے ہوئے ہم قدم تھے۔

غرض رات دن بے سر و سامان بگولے کی مانند حیران و سرگرداں اس دشت آتش بار میں قدم بڑھائے چلے جاتے تھے تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ اثنائے راہ میں ایک شخص نہایت منحنی وضعیف ریش سفید، خمیدہ قامت کسی درخت تلے تھوڑی بہت ہڈیاں جمع کرکے ایک گائے کی صورت درستگی (کے لئے) پانی چھڑک رہا ہے۔ بوندوں کے پڑتے ہی رگ وریشے ان سڑی ہوئی ہڈیوں سے مل گئے۔ گوشت پوست نئے سرے سے پیدا ہوا بموجب اس کے وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُھَا ثُمَّ نَکْسُوْھَا لَحْمًا یعنی نظر کر تو ہڈیوں کی طرف کہ استخواں۔ بوسیدہ کو کیوں کر پراگندہ کرتا ہوں اور پھر کس صورت سے ان کو گوشت بخشتا ہوں۔

آخر وہ گائے صاحبِ دانش و بینش اور اہل نظر و بینا کو زندہ نظر پڑی کیونکہ بحکم خدائے کریم کے کہ یحیی و یمیت یعنی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے یہ اس کی صفتوں میں سے ایک صفتِ خاص ہے۔ جوں ہی اس بے جان گائے نے جان پڑی وونہی اُٹھ کھڑی ہوئی اور سانڈ کی طرح ڈکارنے لگی۔ یقین ہے اگر تو دیکھتا تو کہتا کہ وَمِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ یعنی ہر ایک شے پانی سے زندہ ہے۔

وہ بے چارے اس عجیب و غریب احوال کے دریافت کرتے ہی نہایت متحیر ہوئے اور اس اچرج اچنبھے کو دیکھ کر بطور تصویر کے جہاں کے تہاں بے حس و حرکت کھڑے (کے) کھڑے رہ گئے۔

بعد گھڑی آدھ گھڑی کے وزیر بچے نے شہزادے کی خدمت میں عرض کی جہاں پناہ بے شک و شبہ یہ پیر بزرگ نورانی صورت حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس کے ہاتھ میں آبِ حیات نظر آتا ہے۔ یقین فرمایئے کہ تمہارے بخت کھلے، طالع سکندر رہبر ہوئے، جو ایسے وحشت ہولناک مردم آزار اور ایسے بیابان جاں ستاں و پُر وقار میں اس کریم الطبع سے ملاقات ہوئی۔

اب دیر نہ کیجئے اپنی تمنائے دل اس سخی کی ہمت سے برلایئے۔ لازم ہے کہ اپنا سر اس کے قدم پر دھرو، شائد یہ تمہاری دستگیری کرے، جو تم اپنی مراد کو پہنچو۔ اس کی خاکِ پا اپنی آنکھوں میں بطور سرمے کے لگاؤ کہ جس کے باعث جہاں پناہ کے بخت کی آنکھیں روشن ہو جاویں۔ چاہیئے کہ اپنے عاجزی کے ہاتھ سے ان کا دامن نہ چھوڑو جو غم و الم کے غار سے نکالے۔ شہزادے نے وزیر بچے کا کہنا قبول کیا۔ وہی کیا جو اس نے کہا۔ آخر کار نہایت گریہ و زاری سے اپنے دلِ زار کا راز کہہ سنایا۔

یہ بات سن کر اس پیر مرد نے کہا اے جوان مجھ ایسے ناتواں و منحنی سے جو مارے ضعف و نقاہت کے بے لاٹھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایک قدم آگے نہیں دھر سکتا کیا ہو سکے گا۔ شہزادے نے التماس کیا اے پیرِ صورت جوان سیرت میری مشکل کشائی تیرے ہی کشفِ باطنی پر موقوف ہے نہ کہ اس تیری صورتِ ظاہری پر یقین کر کہ میرے حق میں جو مسیحائے وقت ہے اور میں گوئے تمنا کا بے جان، تو خضرِ زمانہ ہے اور میں گم کردہ راہ منزل جاناں، خدا کے واسطے مجھ کو اپنے آستانِ فیض نشاں سے محروم نہ پھیر مجھ ایسے بے کس و بے بس سے کہ سوائے ایک مٹھی مٹی کے نہیں، اپنی نظر کیمیا اثر نہ چھپا۔

اس نے کہا اے جوان ہیں نہ خضر ہوں نہ عیسیٰ، میں ایک ایسا فقیر و محتاج ہوں کہ تمام خلق اللہ سے کنارہ کش ہو کر اس جنگل میں آپڑا ہوں، تمام دنیا داروں کی مصاحبت و موانست سے بطور وحش و طیور کے سو سو کوس بھاگتا ہوں سارے جہاں کے امیر امرا سے پیار و اخلاص ترک کر کے اب یہ گوشہ اختیار کئے بیٹھا ہوں، بیچ جان مجھ سے کچھ نہ ہو سکے گا، مگر یہاں سے تھوڑی دور ایک عورت مرد خصلت اس دنیائے ناپائیدار کے تعلقات سے ہاتھ اٹھائے، آستین ہمت اہل جہاں کی طرف سے چڑھائے، دست تمنا کھینچے، آبادی سے منہ پھیرے، آخرت کی نعمت حاصل کرنے کے لئے از بس کہ کشادہ پیشانی سے پاؤں پھیلائے بیٹھی ہے اور ایک لڑکی نہایت حسین و مہ جبیں رابعہ سیرت، نیک خصلت اپنے آگے چودہ پندرہ برس کی رکھتی ہے۔ بلا تصنع وہ دونوں عورتیں مردوں کی طرح رات دن اپنے خدائے کریم

کی عبادت میں اوقات بسر کرتی ہیں۔ قوت ان کا اسی گائے کا دودھ تھا۔

قضا کار ایک دن اس جنگل میں ایک شیر آنکلا۔ اور اس گائے کو کھا گیا۔ اس کے نہ ہونے باعث وہ بے چاریاں ایک مدت تک کھانے پینے کے لئے حیران رہیاں۔ ناچار ان بے چاریوں نے اپنے تئیں تندرست رکھنے۔ خدائے کریم کی عبادت و بندگی کرنے کے واسطے بناسپتی کھانا اختیار کیا۔ حق تعالیٰ نے مجھ کو یہ پانی عطا فرمایا کہ اس سے مردے جیتے ہیں۔

جب اس دشتِ خونخوار میں عاجزی و بے چارگی۔ ان دونوں بیکسوں بیبیوں کی حد سے زیادہ گزری۔ اور ان صحرائے وحدانیت کی تیز چلنے والیوں کی شکیبائی اور ان توکل کے زین پوش پر پالتی مار کر بیٹھنے ہاریوں کی عاجزی نے درگاہ الٰہی میں قربت پیدا کی مجھ کو عالم غیب سے یہ ندا ہوئی جو میں نے اس بڑھیا کی گائے کے استخواں بوسیدہ و منتشر جمع کرکے پانی چھڑکا۔ جو یہ گائے اپنی اصلی صورت پر بدستور سابق کے آگئی۔ پردۂ عدم سے نکل کر میدانِ ظاہر میں پھرنے لگی۔ اس جہان میں پھرنئے سرسے ان دونوں بیکسوں کی روزی کا وسیلہ بنی۔ یقین کر کہ میرے پاس سوائے اس قطرۂ آب کے اور کچھ نہیں۔ اگر اس پانی کی تجھے احتیاج ہو تو میں اسے ہرگز گئی نہ کروں گا۔

یہ بات سن کر شہزادے نے التماس کیا۔ اے پیر مرد نیک خصال، بلند اقبال، میری اس عاجزی غریبی پر متوجہ ہو اور حضرت خواجہ خضر کی طرح میری مراد بر آنے کے لئے میرے روئے حال پر آبِ حیات چھڑک، رہبری کرنے سے اس سفر شدید اور مسافت بعید میں تو میرا ساتھ نہ چھوڑ، ہر حال میرے رنج و راحت میں شریک رہ کیونکہ تیرے باعث میرے دل زار کو ازبس کہ قوت و تسکین ہوتی ہے۔

اس بات کے سنتے ہی اس پیر مرد نے اس جوان پر رحم کھایا آخر اس کے ساتھ ہو کر درد و دکھ کے میدان میں قدم رکھا، چل نکلا۔

داستان

ختن کے بادشاہزادے کے اس دشت ہولناک میں پہنچنے جس میں ہلہل دیو رہتا تھا اور وزیر بچے کے ہاتھ سے اس دیو کے مارے جانے اور ایک پری نژاد کے ہاتھ لگنے کی

جب شہزادہ اس مقام سے نکلا اور اس پیر مرد نیک خصلت کثیر المنفعت کے ساتھ ہو کر آگے بڑھا۔ دو چار ہی قدم گیا ہوگا، قدرے قلیل ہی راستہ طے کیا ہوگا کہ ایک ایسے سنسان بیابان میں جا پہنچا جس کی ہوا دوزخ کی ہوائے گرم سے زیادہ عذاب آلودہ تھی ازبس کہ سناٹے سے چل رہی تھی۔ بہار وہاں کی جہنم کی فضائے عفونت خیز دکھلائی دیتی تھی پانی وہاں کے نالوں کھولوں کا..... کے برابر کھول رہا تھا پر وہ قدم بڑھائے چلا ہی جاتا تھا، پر اس صحرا کی بدبو اس کی ناک میں ایسی آتی تھی جو کاسۂ سر میں بھیجا گلائے دیتی تھی۔ درخت اس جنگل کے کیا چھوٹے کیا بڑے سب کے سب زہر ہلاہل سے بھرے ہوئے افعی تھے۔ اسی طرح وہاں کی گھانس زہر قاتل سے آلودہ ہو رہی تھی جہنم اب یک اس غار سے کہ شاید کوئی اس کو اس جنگل سے تشبیہ دے[1]، غیرت کی آگ میں جلتا ہے زمہریر اسی ننگ سے کہ کوئی اس کو ویسا کہے، مارے غصے کے شرم کے کنج[2] میں پاؤں ڈالے، تھرتھرا[3] رہا ہے۔ مثنوی:

تنگ دلی سے وہاں کے ساکن کی ہمانے جابجا ۔۔۔ بچھوں کی ہڈیوں سے ایک ذخیرہ تھا کیا

راہ میں وہاں کی سوائے خار و خس کے کچھ نہ تھا ۔۔۔ ہر قدم پر ذرہ ساں وہاں لخت دل ہی تھا پڑا

غار وہاں کے اژدہوں اور بچھوؤں سے تھے بھرے ۔۔۔ دشت میں وہاں کے جو حیواں تھے تو شیر و گرگ تھے

دیو کی دہشت سے وہاں کے چھوٹتے تھے جی بدن ۔۔۔ اور ہوائے گرم سے وہاں کی، بھنے جاتے تھے تن

شہزادہ اس جنگل ہولناک وحشت ستاں کو دیکھ کر ایسا گھبرایا کہ طائر عقل اس کا دماغ کے آشیانے سے پرواز کر گیا۔ اضطراری و اضطرابی نے ازبس کہ غلبہ کیا۔ ہمراہی بھی اس کی دہشت سے

---

[1] در متن دیئے [2] یخ [3] تھتھر

جس طرح ہوا کے باعث بید ہلتا ہے، کانپنے لگے بلکہ سر سے پاؤں تک عرق عرق ہو گئے۔ آخر اس پیر مرد نورانی صورت نیک سیرت سے پوچھا "صاحب یہ مکان خطرناک وپُر دہشت کیا نام رکھتا ہے، اس قدر آفت انگیز کیوں ہو رہا ہے۔ جس کی ہوائے بد کے باعث دوزخ کی آگ پانی ہوئی جاتی ہے۔ اس کی دہشت سے جہنم کی چھاتی پھٹی جاتی ہے۔

یہ بات سن کر اُس پیر مرد حقیقت آگاہ، جہاں دیدہ نے کہا اے جوان یہ سرزمین ہلہل نامی ایک ایسے دیو خونخوار بد ہیئت وقوی ہیکل ڈراؤنی شکل کے رہنے کی جگہ ہے جو ایک عالم کو کھا چکا ہے۔ سچ جان اس نواح میں جتنے شہر و گاؤں تھے سب کے سب اس ظالم کے ستم سے ویران ہو گئے۔ رہنے والے ان کے اس موذی کے طعمہ ہوئے۔ اب اگر کوئی سو سو کوس نظر دوڑاوے تو اس مکان منحوس کے گرد آدم زاد کا نام ونشاں بھی نہ پاوے بلکہ چرند و پرند کے نقش پا کو بھی نہ دیکھ سکے کیوں کہ ہاتھی گینڈے یہ خونخوار صبح کو بطور ناشتے کے کھا جاتا ہے۔ شیروں بھیڑیوں سے اپنی ڈاڑھ گرم کرتا ہے۔ یقین کر کہ اِس مکان جانکاہ کی کسی طرف آبادی نہ دیکھے گا اس لئے کہ جہاں آدمیوں کے گھر تھے وہاں چغد و بوم رہنے لگے۔ جن چمنوں گلستانوں میں گل و پھول لہلہاتے تھے وہاں چیلوں، کوّوں نے گھونسلے بنائے۔ پس ایسے صحرائے خطرناک (سے) اس انسان ضعیف البنیان کا گزرنا خیلے دشوار ہے، مگر اس وقت یہاں سے کوئی بچ سکتا ہے کہ جس وقت یہ ناپاک اس جہاں کے سر سے ٹلے کوئے عدم کی خاک راہ ہوئے۔

اس بات کو سن کر شہزادے نے عرض کی اے پیر خردمند سچ جان کہ ہم میں تجھ سا مرد دانا و ہوشیار کوئی نہیں۔ لازم ہے کچھ فکر کر، قدرے عقل لڑا، جس سے بھاری پتھر ہم مسافروں کی راہ سے دفع ہووے اور یہ کوہ عذاب کسی طرح چھاتی سے سرکے۔ اس سخن کے سنتے ہی وہ پیر مرد کہ کار طریقت سے آگاہ تھا کہنے لگا اے جوان اس دیو نے ہمیشہ سے یہ وضع اختیار کی ہے کہ پہلی تاریخ سے چودھویں تک شب ماہ میں یہ بدبخت سیر و شکار میں رہتا ہے اور جس قدر کہ چرند و پرند چاہتا ہے کھا جاتا ہے پندرھویں سے سلخ تک یعنی اندھیاری میں رات دن ایسا سوتا ہے کہ ایک لمحہ آنکھ نہیں کھولتا اس وقت کچھ تدبیر اس کے مارنے کی کریں تو ہو سکتا ہے یہ بھی بآسانی جہنم میں جا سکتا ہے اور جب یہ بیدار ہوا تو پھر ایک جہان جمع ہو یا ایک عالم اس کو گھیرے پر اس کے ہاتھ سے جانبر ہونا ممکن نہیں۔

یہ بات سن کر شہزادے نے جو تاریخ کا شمار کیا اتفاقاً اس دن مہرِ ماہ کو مارِ سپہر[1] کے پھن میں چھپا دیکھا اور اہلِ جہان کو اس کے دیکھنے کا منتظر پایا۔ نہایت خوش ہو کر سلخ ماہ کو اپنے اقبال کا (نیک شگون) خیال کیا، دیو کا سونا اپنے بخت بیدار کی دلیل قوی تصور فرمایا۔ فرصتِ وقت کو دولتِ عظمیٰ دریافت کیا۔ غرض اپنے رفیقوں سے اس خوابیدہ بخت کے دفع کرنے کے واسطے مشورت کی، مدد چاہی ان میں کسی بشر کا قدم جرأت و دلیری و جوانمردی کے میدانِ وسیع میں نہ بڑھ سکا۔ بلکہ ہر ایک اپنا اپنا کسب کمال ظاہر کر کے التماس کرنے لگا۔ جہاں پناہ ہم جس پیشے اور جس فن میں کمال و استعداد رکھتے ہیں۔ کام بڑے پر اس کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں، مگر غنیم کا مارنا، ملک کا بندوبست کرنا وزیر بچے کی رائے خیراندیش سے تعلق رکھتا ہے۔

وہ بھی وزیر بچہ ان کی گویائی سے دریافت کر گیا۔ جب ان کو اس کارِ دشوار سے پہلوتہی کرتے اور اپنے تئیں اِس آفت جاں ستاں سے بچانے میں متردّد خاطر دیکھا، چار و ناچار موت سے دوچار ہونا اپنے اوپر گوارا کیا۔ نہایت دلیری و جوانمردی کر کے اس موذی کے دفع کرنے کے واسطے شہزادے کی خدمت سے رخصت ہوا۔ عنایت الٰہی کو کہ وہ غریبوں بے چاروں کو چارہ بخشنے والی، ور ماندوں محتاجوں کی مدد کرنے ہاری ہے، اپنا مددگار و حافظ کیا، توکل کی رسن استوار کو کہ وہ میدان عجز و انکسار کے سرگردانوں کے واسطے ایک دولتِ عظمیٰ ہے، امید کے ہاتھ سے پکڑ کر اس دیو خونخوار کی طرف چلا۔

تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ دور سے ایک عمارت ایسی بلند و سفید چمکتی ہوئی نظر پڑی کہ جس کی چار دیواری آسمان سے لگ رہی تھی۔ ہر ایک برجی اس کی فلک ہفتمی کے کوٹھے کی بلندی اس سے بھی پرے۔ وزیر بچہ اس کو دیکھ کر متعجب ہوا اور اس دیو کی دہشت سے درختوں کی اوٹ ہو کر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ آخر کار چھپ چھپا اس محل کے دروازے پر جا پہنچا اور ایسا دبے پاؤں اندر داخل ہوا کہ قدم کی دھمک اس کے کان تک بھی نہ پہنچی۔ لیکن مارے ڈر کے بید کی طرح تھرتھراتا تھا اور اس کی دہشت سے جگر اس کا جس طرح پانی پڑنے سے نمک گھل جاتا ہے، پگھلنے لگا، پتا مارے ہراس کے پانی کی بہ چلا اور دل قلم دو زبان کی مانند پھٹ گیا، سر سے پاؤں تک تھرتھری نے دبا لیا قریب تھا کہ گر پڑے۔ اتنے میں ایک نازنین، پری پیکر، رشکِ شمس و قمر، گل اندام و خوش خرام ایسی جس کے جمال

---

[1] ورقِ سپہر مار

جہاں آرا کو دیکھ کر پری دیوانی ہو جائے، خود اُس کے حسن کی کسوٹی پر اپنی نقد جاں نثار کرے۔ خلق کا دل اس کے آتشیں رخسار پر سپند کی طرح جلے، خالِ ہندو اس کے رخِ نازک کا خانۂ دل سے صبر و قرار کی جنس چرائے جاوے، اس کی ترک نگاہ اسبابِ جاں لوٹ لیوے، ایک حجرے سے یوں نکل آئی، جس طرح بدلی سے چاند نکل آتا ہے۔ یہ اس کے چمنِ حسن کی سیر کرتے ہی بلبلِ شیدا کی مانند عاشق ہو گیا۔ مرغِ ہوش نے آشیانۂ دل سے پرواز کیا۔ نقش دیوار کی طرح بے حس و حرکت جہاں کا تہاں کھڑا ہو رہا، آگے نہ چل سکا۔

آخر اس جو بُبارِ رعنائی کے سروِ خوش خرام نے اپنے تئیں اس کے پاس پہنچایا۔ اپنے دہن کے ڈبیۂ یاقوتی سے گویائی کا گوہر آبدار اس کے دامنِ حال پر بکھیر کر کہا۔ اے جوانِ اجل گرفتہ کیا تو نہیں جانتا کہ یہ مکان ملہل دیو جیسے خونخوار کا ہے۔ یہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا، چرندادِ ھر منہ کر کے نہیں سوتا، مکھی کی کیا طاقت کہ بھنبھنائے، مچھر کی کیا مجال جو اُدھر پر پھیلائے۔ بس تو اپنے پاؤں گھڑیال کے منہ میں پڑنے کس واسطے آیا؟ دیدہ دانستہ موت کے دام میں کیوں پڑا؟ شاید زندگانی سے سیر ہو چکا، جینے سے ہاتھ دھویا۔

یہ سخن وزیر بچہ اس کی زبانِ نادر بیان سے سن کر کہنے لگا۔ اے پری تمثال سچ ہے میں ایک ایسی ہی مہم مشکل سخت میں پڑا ہوں اور ایک ایسی مہم مشکل اپنے آگے رکھتا ہوں جس کے باعث اپنا مرنا، جینا کچھ نہیں سوجھتا۔ پر خدا کے واسطے تو جلد اپنا احوال بیان کر۔ ایسی مشکل شدید میں اس نزاکت کے ساتھ کہ تیرے چہرۂ بہاریں کے سامنے گل خار معلوم ہوتا ہے اور تیرے رخِ تاباں کے آگے، ماہ ماہی کی بھی قدر نہیں رکھتا کیوں پڑی ہے؟ اور اس سیاہ دیو کی ہم جلیس اس چاند سے مکھڑے پر کس واسطے ہوئی ہے؟ اس غیر جنس کی مصاحبت و موانست کیوں اختیار کی۔ فرد

حیف ہے تجھ سی پری اس دیو کی ہو ہم جلیس

اس میں شاید تو نے اپنی بہتری دیکھی ہے کچھ

اس سخن کے سنتے ہی اُس حور طلعت، پری خصلت نے اپنی نرگسی انکھڑیوں سے چمن چمن گوہر آبدار گل رخسار پہ بہائے اور اپنی زبانِ دُر فشاں اس کے جواب میں کھول کر فرمایا۔ اے جواں مرد، رنگ گلستاں کیا پوچھتا ہے میں چمنِ خسروی میں ایک سروِ خوش خرام تھی اور دریائے شہریاری میں گوہرِ غلطاں، ایک زمانہ

ہے۔ خوک کے سے دانت اس اس کے نکلے ہوئے۔ ریچھ کی مانند بال بڑے بڑے اس کے تمام بدن پر تھے کہ جس کے دیکھنے سے آدمیوں کی آنکھیں جھپکی جاتی تھیں، اور عقلیں عقلمندوں کی اس کے زشت سراپا سے سرگردانی میں پڑ جاتی تھیں۔ مثنوی

دیو کہنا اسے یہ ہے بے جا ۔۔۔ سر سے تھا پاؤں تک وہ قہر خدا

ریچھ سے بال اس کے تن پر تھے ۔۔۔ خوک کی طرح دانت نکلے ہوئے

کیا کہوں حال اس کی قامت کا ۔۔۔ اژدہا کہئے ایسا ہے دیکھا

خرس سی پیٹھ چہرہ جوں سرطان ۔۔۔ ناک تھی جوں تنورِ خشت پزاں

کتنے کوسوں سے اس کی بو تھی عیاں ۔۔۔ تھا دہن جوں طغار رنگرزاں

وزیر بچے نے جو اس سیاہ دیو کوہ پیکر کو اس طرح سے دیکھا مارے ڈر کے تمام بدن اس کا بید کی طرح تھرتھرانے لگا۔ آخر امید کے ہاتھ سے عنایتِ الٰہی کی رسنِ استوار پکڑ کر ہمت کی کمر نہایت جوانمردی و چالاکی سے خوب کس کر باندھی اور اس نازنین گل اندام خوش خرام کی رہبری کے باعث، ایک سیاہ بھونرا اس گھانس سے جو وہاں لگی ہوئی تھی پکڑ کر اس دیو کے سرہانے جا کھڑا ہوا۔ بخوبی آنکھ گڑا گڑا کر دیکھنے لگا۔ یہاں تک [کہ] اس بدبخت کے ناک کے سانس لینے اور دم چھوڑنے کو دریافت کیا۔ یعنی جب وہ سانس چھوڑتا ہے تو اس کے صدمے سے وہاں کی خاک بگولے کی طرح ہوا کے ساتھ آسمان تک اڑ جاتی ہے بلکہ یہاں تک اس کی ناک کے پاس کی خاک اڑ گئی ہے کہ وہاں ایک غار ہو گیا ہے اور یہ بھی دیکھا کہ جب دم کھینچتا ہے تو دو دو تین تین بگھوں کے خار و خاشاک کنکر پتھر اس کے مغز تک چڑھ جاتے ہیں۔

آخر اس جوان نے بھونرے کو شہد میں ڈبایا۔ جوں اس دیو نے دم کھینچا، ناک میں چھوڑ دیا اور آپ وہاں سے کچھ دور ایک سرینے میں چھپ کر بیٹھ رہا، دیو وونہی اُٹھ کھڑا ہوا، اور اس زور سے چھینکا کہ جس کے صدمے سے پہاڑ دہل اُٹھے، درخت گر پڑے۔ قضا کار وہ بھونرا اس کے مغز پر چڑھ گیا اس کے چھینکنے سے کچھ فائدہ نہ ہوا زمین پر سر دے پٹکا اور ایسا چیخا کہ بے طاقت ہو گیا اور اس قدر غل مچایا کہ زمین کے ساتوں طبقوں پر بھونچال سا پڑ گیا۔ بلکہ سر سے گائے تن بدن تھرتھرانے لگا۔ بعد تھوڑی دیر کے بے ہوشی نے غلبہ کیا۔ مارے غصے کے اِدھر اُدھر بطور دیوانوں کے دوڑنے لگا، نداں درختوں کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینکنے، پھولوں گلوں کو نوچ نوچ کر برباد کرنے۔ پتھروں، کنکروں کو ریزہ ریزہ کر کے اِدھر اُدھر پھینکنے

جہاں آرا کو دیکھ کر پری دیوانی ہو جائے، خود اُس کے حسن کی کسوٹی پر اپنی نقد جاں نثار کرے خلق کا دل اس کے آتشیں رخسار پر سپند کی طرح جلے، خال ہندو اس کے رخِ نازک کا خانۂ دل سے صبرو قرار کی جنس چرالے جاوے، اس کی ترک نگاہ اسبابِ جاں لوٹ لیوے، ایک حجرے سے یوں نکل آئی، جس طرح بدلی سے چاند نکل آتا ہے۔ یہ اس کے چمنِ حسن کی سیر کرتے ہی بلبل شیدا کی مانند عاشق ہو گیا۔ مرغِ ہوش نے آشیانۂ دل سے پرواز کیا۔ نقش دیوار کی طرح بے حس و حرکت جہاں کا تہاں کھڑا ہو رہا، آگے نہ چل سکا۔

آخر اس جوئبارِ رعنائی کے سروِ خوش خرام نے اپنے تئیں اس کے پاس پہنچایا۔ اپنے دہن کے ڈبیۂ یاقوتی سے گویائی کا گوہرِ آبدار اس کے دامنِ حال پر بکھیر کر کہا۔ اے جوانِ اجل گرفتہ کیا تو نہیں جانتا کہ یہ مکان ہلہل دیو جیسے خونخوار کا ہے۔ یہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا، چرندادھر منہ کر کے نہیں سوتا، مکھی کی کیا طاقت کہ بھنبھنائے، مچھر کی کیا مجال جو اُدھر پر پھیلائے، بس تو اپنے پاؤں گھڑیال کے منہ میں پڑنے کس واسطے آیا؟ دیدہ دانستہ موت کے دام میں کیوں پڑا؟ شاید زندگانی سے سیر ہو چکا، جینے سے ہاتھ دھویا۔

یہ سخن و ذیر بچہ اس کی زبانِ نادر بیان سے سن کر کہنے لگا۔ اے پری تمثال سچ ہے میں ایک ایسی ہی مہم مشکل سخت میں پڑا ہوں اور ایک ایسی مہم مشکل اپنے آگے رکھتا ہوں جس کے باعث اپنا مرنا، جینا کچھ نہیں سوجھتا۔ پر خدا کے واسطے تو جلد اپنا احوال بیان کر ایسی مشکل شدید میں اس نزاکت کے ساتھ کہ تیرے چہرۂ بہاریں کے سامنے گل خار خار معلوم ہوتا ہے اور تیرے رخِ تاباں کے آگے، ماہ ماہی کی بھی قدر نہیں رکھتا کیوں پڑی ہے؟ اور اس سیاہ دیو کی ہم جلیس اس چاند سے مکھڑے پر کس واسطے ہوئی ہے؟ اس غیر جنس کی مصاحبت و موانست کیوں اختیار کی۔ فرد

حیف ہے تجھ سی پری اس دیو کی ہو ہم جلیس
اس میں شاید تو نے اپنی بہتری دیکھی ہے کچھ

اس سخن کے سنتے ہی اُس حور طلعت، پری خصلت نے اپنی نرگسی انکھڑیوں سے چمن چمن گوہرآبدار، گل رخسار پر بہائے اور اپنی زبانِ دُرفشاں اس کے جواب میں کھول کر فرمایا۔ اے جواں مرد، رنگ گلستاں کیا پوچھتا ہے میں چمنِ خسروی میں ایک سروِ خوش خرام تھی اور دریائے شہریاری میں گوہرِ غلطاں، ایک زمانہ

ہے۔ خوک کے سے دانت اس اس کے نکلے ہوئے۔ ریچھ کی مانند بال بڑے بڑے اس کے تمام بدن پر تھے کہ جس کے دیکھنے سے آدمیوں کی آنکھیں چھپکی جاتی تھیں، اور عقلیں عقلمندوں کی اس کے زشت سراپا سے سرگردانی میں پڑ جاتی تھیں۔ مثنوی

دیو کہنا اسے یہ ہے بے جا	سر سے تھا پاؤں تک وہ قہر خدا
ریچھ سے بال اس کے تن پر تھے	خوک کی طرح دانت نکلے ہوئے
کیا کہوں حال اس کی قامت کا	اژدہا کہئے ایسا ہے دیکھا
خرس سی پیٹھ چہرہ جوں سرطان	ناک تھی جوں تنورِ خشت پزاں
کتنے کوسوں سے اس کی بو تھی عیاں	تھا دہن جوں طغار رنگرزاں

وزیر بچے نے جو اس سیاہ دیو کوہ پیکر کو اس طرح سے دیکھا مارے ڈر کے تمام بدن اس کا بید کی طرح تھر تھرانے لگا۔ آخر امید کے ہاتھ سے عنایتِ الٰہی کی رسنِ استوار پکڑ کر ہمت کی کمر نہایت جوانمردی و چالاکی سے خوب کس کر باندھی اور اس نازنین گل اندام خوش خرام کی رہبری کے باعث، ایک سیاہ بھونرا اس گھانس سے جو وہاں لگی ہوئی تھی پکڑ کر اس دیو کے سرہانے جا کھڑا ہوا۔ بخوبی آنکھ گڑا گڑا کر دیکھنے لگا۔ یہاں تک [کہ] اس بدبخت و ناک کے سانس لینے اور دم چھوڑنے کو دریافت کیا۔ یعنی جب وہ سانس چھوڑتا ہے تو اس کے صدمے سے وہاں کی خاک بگولے کی طرح ہوا کے ساتھ آسمان تک اڑ جاتی ہے بلکہ یہاں تک اس کی ناک کے پاس کی خاک اڑ گئی ہے کہ وہاں ایک غار ہو گیا ہے اور یہ بھی دیکھا کہ جب دم کھینچتا ہے تو دو دو تین تین بیگھوں کے خار و خاشاک کنکر پتھر اس کے مغز تک چڑھ جاتے ہیں۔

آخر اس جوان نے بھونرے کو شہد میں ڈبایا۔ جوں اس دیو نے دم کھینچا، ناک میں چھوڑ دیا اور آپ وہاں سے کچھ دور ایک سرپنے میں چھپ کر بیٹھ رہا، دیو دو نہی اٹھ کھڑا ہوا، اور اس زور سے چھینکا کہ جس کے صدمے سے پہاڑ دہل اٹھے، درخت گر پڑے۔ قضا کار وہ بھونرا اس کے مغز پر چڑھ گیا اس کے چھینکنے سے کچھ فائدہ نہ ہوا زمین پر سر دے پٹکا اور ایسا چیخا کہ بے طاقت ہو گیا اور اس قدر غل مچایا کہ زمین کے ساتوں طبقوں پر بھونچال سا پڑ گیا۔ بلکہ سر سے گائے تن بدن تھر تھرانے لگا۔ بعد تھوڑی دیر کے بے ہوشی نے غلبہ کیا۔ مارے غصے کے اِدھر اُدھر بطور دیوانوں کے دوڑنے لگا، ندان درختوں کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینکنے، پھولوں گلوں کو نوچ نوچ کر برباد کرنے۔ پتھروں، کنکروں کو ریزہ ریزہ کر کے اِدھر اُدھر پھینکنے

میں مشغول ہوا۔ یہاں تک ٹکرایا کہ پیالہ اس کی زندگانی کا بھر گیا درخت اس کی حیات کا، ہستی کے جنگل کے اکھڑ کر خاک عدم پر گر پڑا۔ اور وزیر بچہ اس عجیب و غریب کام کے انجام ہونے اور اس دریائے شور کے بہہ کر خشک ہو جانے سے نہایت خوش ہوا۔

آخر اپنی جبینِ نیاز خاک منت پر دھر کے اپنے خالق کے شکر بجالایا از بس کے سبک روئی کے ساتھ قدم بڑھا کر شہزادے کی خدمت میں جا پہنچا۔ اِس مہم نادر کے سر کرنے سے آگاہی بخشی۔ اس کے مقصد بر آنے کی خوش خبری سنائی اور اس پری پیکر کا احوال جو معنی میں خوبی کے قصیدے کے مطلع کا مصرعۂ اولیٰ تھی، اس حکایت پر مستزاد کیا۔ دیو کے مارے جانے کی کیفیت، بھونرے اور شہد کی ماہیت، ایک عبارت رنگین و دلکشا سے بیان کی۔

شہزادہ اس بات کے سنتے ہی نہایت ہشاش بشاش ہوا۔ بلکہ مارے خوشی کے جس طرح سبزہ ہوا سے لہلہانے لگتا ہے، گل کی مانند اپنے پیراہن میں پھولا نہ سماتا تھا۔ وزیر بچے کو از بس کہ بھینچ بھینچ کر گلے لگانے لگا۔ پیٹھ ٹھونکی، ہاتھ چومے۔ آخر اس محل کی طرف متوجہ ہوا۔ پہلے اس پری رشک سروسہی کے جمال جہاں آرا کی سیر کی۔ پھر اس دیو کوہ پیکر (کے) سرہانے جا کھڑا۔ اس کو موا دیکھ کر وزیر بچے کی عقل رسا پر تحسین و آفریں کرنے لگا۔ عبودیت کا ماتھا عجز و نیاز کی زمین پر رکھا اور اس کریم کارساز کا شکر جو ایک دبلی پتلی چیونٹی سے بڑے لمبے موٹے سانپ کا بھیجا نکلوا ڈالتا ہے، ایک منحنی مچھر سے ہاتھی سے قوی ہیکل کا دماغ جھڑوا دیتا ہے، بجا لایا۔ اور اس نازنین گل اندام کو، جو فتوحاتِ غیبی اور فیوضاتِ لاریبی سے ہاتھ لگی تھی۔ اپنے ساتھ لے منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا۔

چھت کے نقش و نگار دیکھنے کی بھی کمال ہوس ہوئی۔ ہر ایک مکان و محل میں جاتا۔ ہر ایک دروازے سے سیر کرکے نکل آتا اور چمن چمن کی سیر کرنے میں مشغول ہوتا۔

یہاں تک کہ خاص[1] خواب گاہ سلطانی میں جا پہنچا کہ وہ پری نژاد اپنے رنگ محل کو اجڑا ویران دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائی، بلکہ سر جھکا کر بے اختیار دھاڑیں مار مار رونے لگی اور اپنی نرگسی انکھڑیوں سے اشک آتشیں رخسار نازنین پر بہانے، شہزادے نے جو اسے اس بے قراری و اضطرابی سے روتے دیکھا، نہایت تعجب[2] کیا۔ شاید یہ بے چاری بہت ماری بھی انھیں جگر جلوں، مصیبت زدوں کے زمرے سے ہے، جو اس مکان جنت نشان میں رہتے تھے اور اس دیو کے روزمرہ کی بدعت سے جاں بحق تسلیم ہوئے۔ اور اگر نہیں ہے تو اس طرح کی آہ و زاری کا سبب کیا ہے۔ اگرچہ وہ نازنین مہجبین گریہ و زاری کی کثرت، غم و الم کی شدت سے بات کرنے کی طاقت نہ رکھتی تھی، تو بھی ادب و آداب کے مراتب پر نظر رکھ کر عرض کرنے لگی۔

اے شہزادے سچ جان کہ تیرا فرق دولت تخت و تاج کے فخر کا سرمایہ ہے اور تیرے پائے مبارک کا نقش ہفت اقلیم کے سر یر سلطنت کا زیب دینے والا۔ ظاہر میرے رونے کا باعث اور میرے باطن کے جلنے کا موجب یہ ہے کہ میرا وجود نونہال اسی[3] چمن کی آب و ہوا کا سینچا ہوا۔ اب جو یہاں بلبلوں کی خوش الحانی کے بدلے، اور عندلیبوں کے چہچہے کے عوض، کوّوں کی آوازِ بد اور چغد و بوم کا شور بے حد سنتی ہوں، چھاتی پھٹی جاتی ہے۔ یقین کر کہ میں اسی مکانِ فردوس مثال میں ہزاروں ناز و نعم کے ساتھ، اقبال و سعادت میں پلی ہوں۔ اس وقت جو اس کے ہر ایک در و دیوار کے ادبار و پریشانی نظر آتی ہے، کلیجہ منہ کو چلا آتا ہے، سینہ شق ہوا جاتا ہے، اس عیش و عشرت کا یاد آنا، ان لونڈیوں خواصوں کی کثرت کا نظر میں پھرنا، پریشان کئے ڈالتا ہے۔ خصوصاً ایسے بادشاہ گیتی پناہ کی مہربانی و نوازش سے آٹھوں پہر خوش و خرم رہنا، جو ہمائے سعادت کی مانند اپنے اقبال کے سائے میں تمام جہاں کو رکھتا تھا، دم نکالے ڈالتا ہے کہ جس کے لطف و کرم کے باعث میں اپنے سہاگ کی اوڑھنی خورشید خاوری اور ماہ آسمانی سے بھی زیادہ نورافشاں رکھتی تھی۔ مرنا اس کا مجھ یتیم جان کو مارے ڈالتا ہے۔ کیوں کہ جو جو اس مکان فیض بخش میں رہتے تھے ان میں سے ایک کی شکل بھی نظر نہیں آتی۔ اس لئے میرے دل پر غم پر زخم تازہ ہوتا ہے اور میری خاطر اندوہ گیں پر غم بے اندازہ، درد و الم کا دریا میرے سینے آبگینے سے بہہ چلا۔ سچ جان کہ مجھ میں کچھ نہ رہا۔

---

[1] درمتن: خواص　[2] درمتن: متعجب　[3] درمتن: اسی

میں مشغول ہوا۔ یہاں تک نکلا یا کہ پیالہ اس کی زندگانی کا بھر گیا درخت اس کی حیات کا، ہستی کے جنگل کے اکھڑ کر خاک عدم پر گر پڑا۔ اور وزیر بچہ اس عجیب و غریب کام کے انجام ہونے اور اس دریائے شور کے بہہ کر خشک ہو جانے سے نہایت خوش ہوا۔

آخر اپنی جبینِ نیاز خاکِ منت پر دھر کے اپنے خالق کے شکر بجالایا از بس کے سبک روئی کے ساتھ قدم بڑھا کر شہزادے کی خدمت میں جا پہنچا۔ اِس مہم نادر کے سر کرنے سے آگاہی بخشی۔ اس کے مقصد بر آنے کی خوش خبری سنائی اور اس پری پیکر کا احوال جو معنی میں خوبی کے قصیدے کے مطلع کا مصرعۂ اولیٰ تھی، اس حکایت پر مستزاد کیا۔ دیو کے مارے جانے کی کیفیت، بھونرے اور شہد کی ماہیت، ایک عبارت رنگین و دلکشا سے بیان کی۔

شہزادہ اس بات کے سنتے ہی نہایت ہشاش بشاش ہوا۔ بلکہ مارے خوشی کے جس طرح سبزہ ہوا سے لہلہانے لگتا ہے، گل کی مانند اپنے پیراہن میں پھولا نہ سماتا تھا۔ وزیر بچے کو از بس کہ بھینچ بھینچ کر گلے لگانے لگا۔ پیٹھ ٹھونکی، ہاتھ چومے۔ آخر اس محل کی طرف متوجہ ہوا۔ پہلے اس پری رشک سروِ سہی کے جمال جہاں آرا کی سیر کی۔ پھر اس دیو کوہ پیکر (کے) سرہانے جا کھڑا۔ اس کو موا دیکھ کر وزیر بچے کی عقل رسا پر تحسین و آفریں کرنے لگا۔ عبودیت کا ماتھا عجز و نیاز کی زمین پر رکھا اور اس کریم کارساز کا شکر جو ایک دبلی پتلی چیونٹی سے بڑے لمبے موٹے سانپ کا بھیجا نکلوا ڈالتا ہے، ایک منحنی مچھّر سے ہاتھی سے قوی ہیکل کا دماغ جھڑوا دیتا ہے، بجالایا۔ اور اس نازنین گل اندام کو، جو فتوحاتِ غیبی اور فیوضاتِ لاریبی سے ہاتھ لگی تھی۔ اپنے ساتھ لے منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا۔

چھت کے نقش و نگار دیکھنے کی بھی کمال ہوس ہوئی۔ ہر ایک مکان و محل میں جانا۔ ہر ایک دروازے سے سیر کر کے نکل آتا اور چمن چمن کی سیر کرنے میں مشغول ہوتا۔

یہاں تک کہ خاص[1] خواب گاہ سلطانی میں جا پہنچا کہ وہ پری نژاد اپنے رنگ محل کو اجڑا ویران دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائی، بلکہ سر جھکا کر بے اختیار دھاڑیں مار مار رونے لگی اور اپنی نرگسی انکھڑیوں سے اشک آتشیں رخسار نازنین پر بہانے، شہزادے نے جو اسے اس بے قراری و اضطرابی سے روتے دیکھا، نہایت تعجب[2] کیا۔ شاید یہ بے چاری بپت ماری بھی انھیں جگر جلوں، مصیبت زدوں کے زمرے سے ہے، جو اس مکان جنت نشان میں رہتے تھے اور اس دیو کے روزمرہ کی بدعت سے جاں بحق تسلیم ہوئے۔ اور اگر نہیں ہے تو اس طرح کی آہ و زاری کا سبب کیا ہے۔ اگرچہ وہ نازنین مہ جبین گریہ و زاری کی کثرت، غم و الم کی شدت سے بات کرنے کی طاقت نہ رکھتی تھی، تو بھی ادب و آداب کے مراتب پر نظر رکھ کر عرض کرنے لگی۔

اے شہزادے سچ جان کہ تیرا فرق دولت تخت و تاج کے فخر کا سرمایہ ہے اور تیرے پائے مبارک کا نقش ہفت اقلیم کے سریرِ سلطنت کا زیب دینے والا۔ ظاہر میرے رونے کا باعث اور میرے باطن کے جلنے کا موجب یہ ہے کہ میرا وجود نونہال اسی[3] چمن کی آب و ہوا کا سینچا ہوا۔ اب جو یہاں بلبلوں کی خوش الحانی کے بدلے، اور عندلیبوں کے چہچہے کے عوض، کوّوں کی آوازِ بد اور چغد و بوم کا شور بے حد سنتی ہوں، چھاتی پھٹی جاتی ہے۔ یقین کر کہ میں اسی مکانِ فردوس مثال میں ہزاروں ناز و نعم کے ساتھ اقبال و سعادت میں پلی ہوں۔ اس وقت جو اس کے ہر ایک در و دیوار کے ادبار و پریشانی نظر آتی ہے، کلیجہ منہ کو چلا آتا ہے، سینہ شق ہوا جاتا ہے، اس عیش و عشرت کا یاد آنا، ان لونڈیوں خواصوں کی کثرت کا نظر میں پھرنا، پریشان کیے ڈالتا ہے۔ خصوصاً ایسے بادشاہ گیتی پناہ کی مہربانی و نوازش سے آٹھوں پہر خوش و خرم رہنا جو ہمائے سعادت کی مانند اپنے اقبال کے سائے میں تمام جہاں کو رکھتا تھا، دم نکالے ڈالتا ہے، کہ جس کے لطف و کرم کے باعث میں اپنے سہاگ کی اوڑھنی خورشید خاوری اور ماہ آسمانی سے بھی زیادہ نور افشاں رکھتی تھی۔ مرنا اس کا مجھ یتیم جان کو مارے ڈالتا ہے۔ کیوں کہ جو جو اس مکان فیض بخش میں رہتے تھے ان میں سے ایک کی شکل بھی نظر نہیں آتی۔ اس لئے میرے دلِ پرغم پر زخم تازہ ہوتا ہے اور میری خاطر اندوہ گیں پرغم بے اندازہ، درد و الم کا دریا میرے سینے آبگینے سے بہہ چلا۔ سچ جان کہ مجھ میں کچھ نہ رہا۔

---

[1] درمتن: خواص [2] درمتن: متعجب [3] درمتن: ایسی

شہزادہ اس احوال پر ملال کو سن کر نہایت غمگین و ملول ہوا۔ بلکہ اس پری نژاد کی دل سوزی و نالۂ جاں کاہی کے دریافت کرتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ دل نازک اس کا اس آگ سے بھڑک اٹھا۔ آخر اس کی بے کسی وبے بسی پر رحم کھا کر اپنے چشم کی[1] ڈبیہ[2] سے گوہر اشک بہانے[3] لگا۔ غرض مراسم مہربانی و مراتب دلنوازی، کریموں، والا گوہروں کی مانند ادا کرکے از بس کہ خاطرداری و دلجوئی کے ساتھ اشک آتشیں اس کے دیدۂ خونبار سے اپنے ہاتھوں پوچھے۔ نہایت شفقت و نوازش سے اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے ایک اور مکان جنت نشان میں لے گیا۔ اس لئے کہ وہاں کے چمنوں کے گل و پھول کی سیر کرنے، اور مکانوں کی چھت و دیوار کے عجیب وغریب نقش و نگار کے دیکھنے سے اس کا جی بہلے اور وہاں کے طاقوں کی جدولوں، عمارتوں کی گل کاریوں کے مشاہدہ کرنے سے دل مضمحل کھلے۔ محل و مکان کے دید کرنے سے خاطر غمگیں خوش ہووے۔

جونہی اس بارہ دری سے نکل کر دوسرے بنگلے میں گیا دیکھا ایک جوان حسین وخوب رو، پریشان گیسو ایسا کہ اس کے چہرۂ حال سے شانِ خسروی ظاہر ہے، اور اس کے ماتھے سے آثار بادشاہت جلوہ گر، لیکن بسترِ مرگ پر پاؤں پھیلائے، آنکھیں بند کئے، عدم کے بچھونے پر سو رہا ہے اور سرِ سروری اس کا فنا کے تکئے پر دھرا ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی تاج بادشاہی اس کے سر پر ہے۔ قبائے کیقبادی گلے میں۔ یقین کرا اگر تو دیکھتا تو کہتا یہ جوان ابھی مسندِ راحت پر سو گیا ہے۔ پری نژاد نے جو منوچہر یعنی اپنے بادشاہ کو اس حال سے دیکھا، غش کھایا۔ جب ہوش میں آئی فاختہ کی مانند دل سوختہ ہو کر اس گلشنِ عیش کے سرو کی عشرت یاد کرکے ایک آہ آتش بار اپنے دل برشتہ سے کھینچ کر کو کو کرنے لگی۔ موئے مشکیں سر کے سنبلستاں سے نوچ ڈالے۔ گل رخسار، غم والم کے ہاتھوں سے پیٹ پیٹ کر سوسن کر دیئے، ہلال ناخن سے اپنے رخ خورشید جہاں تاب (کو دو ہتڑ) مار کر لہولہان کر دیا۔ گھانس کی طرح غم والم کی زمین پر لوٹ لوٹ کر غل مچایا۔ غرض یہاں تک حالت تباہ کی اور ایسا پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ اس کے نالۂ دل سوز کو سن کر بلبل کا دل جلنے لگا۔ بلکہ اس کے دل پارہ پارہ کو مشاہد کرکے گل نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ مثنوی

الم میں کی اس نے یہ اس کے بکا　　　کہ چرخ اس کے رونے پہ رونے لگا

---

[1] در متن: کے　　[2] در متن: ڈبیے　　[3] در متن: بھانے

فغاں سے دلِ سنگ کو خوں کیا	غرض اس نے پتھر کو گلگوں کیا
کیا معجرِ فرق کو تار تار	ہوا اشک گلگوں سے رخ لالہ زار
کبھی غنچہ ساں شعلہ زن تھی وہ ماہ	کبھی خاک پر گرتی تھی مثل کاہ
جو تھی سینۂ چاک میں اس کے نار	شرر اس سے نکلے ہزاروں ہزار

اس احوال جانکاہ کے سنتے ہی شہزادے کا دل جلنے لگا. غرض اس کی غمناکی آشفتگی پر بے اختیار پھوٹ پھوٹ رویا آخر یہاں تک آہ وزاری کی کہ جس کے سننے سے اس کے ہمراہیوں بھی ہچکی لگ گئی. ندان اس کے رونے پیٹنے میں شریک حال ہوئے بے اختیار ونے لگے غرض اس وقت اس مجلس میں اس قدر ماتم برپا ہوا کہ جس کی سینہ زنی کی صدا سن کر آسمان بھی سیاہ پوش ہو کر رو دیا۔

غرض شہزادے نے اس کی آوارگی و پریشانی پر رحم کھا کے اس پیرِ خضر خصائل، الیماشمائل سے التماس کیا کہ خدا کے واسطے اس ناامیدی کے بھنور کی ڈوبی ہوئی کا ہاتھ پکڑ اور اس آبِ حیات کے دو چار قطروں کے باعث جو تیرے پاس موجود ہے اس کے مقصد کی نہر آبِ رفتہ سے بھر۔

اُس پیر نیک صورت، خضر سیرت نے اس شہزادہ سکندر شکوہ، دارا منش کا فرمانا بسر و چشم قبول کیا۔ وونہی اُس آب زندگانی کے شیشے کا منہ کھولا پہلے بسم اللہ کا شکار بند کہ وہ فیض کے گنج کا طلسم اور امید کے دروازوں کی کنجی ہے، عجز و انکسار کے ہاتھ سے پکڑ کر دو چار قطرے اس جوان خوابیدہ کے بدن چہرے پر٭ ....

دل و دیدہ تیرے قدموں پر ملوں یا اس پانی کو تیرے فرق مبارک پر نثار کروں۔ مثنوی

جوں شمع سر سے پاؤں تلک میں زبان ہوں
احسان کا بیان تیرے تو بھی نہ کر سکوں
تعریف تیرے شکر کے گوہر کی کب ہوئی
احسان کے بیاں نے زباں میری لال کی

٭ اس سے آگے کا ورق دستیاب نہ ہو سکا۔

داستان

منوچہر بادشاہ اور پری نژاد کے کہنے سے شہزادے کے رہنے اور مہرور بانو کی خبر لانے کے لئے ایک بوڑھی عورت کے بھیجنے کی

جب خدائے کریم کی مشیت اور جناب باری تعالیٰ کی ارادت کے باعث منوچہر کا گلِ وجود خیابانِ عدم سے نکل کر گلشنِ ہستی میں پھرنئے سرے سے برسبز ہوا وہیں پری نژاد کا ہاتھ پکڑ کر شہزادے کی خدمت فیض درجت میں چلا آیا اور اپنی جبین نیاز اس کی کفِ پا پر رگڑنے لگا بلکہ وفا کیشوں حقیقت کی جستجو کرنے والوں کے آئین سے التماس کرنے کہ اگر از راہِ ذرہ نوازی کے آفتاب جہان تاب کی مانند چند روز اس خاکسار و محتاج کے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں رہ کر اپنے قدم نورانی کی برکت سے اس خانۂ تاریک کو روشن کرے تو اس اپنے لطف بزرگ اور اس احسانِ سترگ سے اس غریب و بیکس کے سرِ افتخار کو عزت و اعتبار کے آسمانِ بلند تک پہنچاوے۔ یقین کر کہ اِس زندگانی پر یہ ایک اور زیستِ تازہ عنایت کرے دروازے فردوس فیض کے میرے دل و جان کے سامنے کھولے۔

شہزادے نے مصلحتاً منوچہر کا التماس قبولیت کے آستانے تک پہنچایا، چند روز کے لئے اس مقام میں رہنا اختیار کیا، توقف کی مسند پر دل جمعی سے جا بیٹھا، منوچہر اس بات کو دولتِ عظمیٰ وسعادتِ کبریٰ جان کر شکر و سپاس کے مراتب بخوبی بجا یا نئے سرے سے بادشاہی و جہانداری کا اسباب جمع کر کے سریر شہریاری پر جلوہ گر ہوا، تھوڑے ہی دنوں میں یہ شہرہ اس کے قلمرو سے لے کر اور بادشاہوں سلاطینوں کے ملک تک، جو اس کے عمل سے نزدیک و دور رہتے تھے پھیل گیا۔

اس جہان کے مزاج دانوں اور اس روزگار کی رمز کے واقف کاروں نے اس اچنبھے کے احوال نادر بیان سے آگاہ ہو کر تعجب کیا اور وہ لوگ جو اِس ملک کے رہنے والے، جن کی زندگانی کے دن اس جہان فانی میں کچھ باقی تھے اور اس دیو کے دست و دہن سے بچ بچ کر اور ملکوں بستیوں میں

بھاگ بھاگ کر چلے گئے تھے، اس احوال سے آگاہ ہوتے ہی ہر ایک شہر و قصبے سے نکل کر اس شہر فیض بخش میں چلے گئے اور اس منعم حقیقی کا شکر کہ یُخرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ یعنی وہ خارج کرنے والا ہے زندہ سے مردے کو اور مردے سے زندہ کو کیونکہ انسان کا نطفہ مُردہ ہے اور وہ اسی نطفۂ مُردہ سے زندہ، اُس کے کمالوں میں سے یہ بھی ایک کمال بزرگ ہے، بجالائے اپنے اپنے مکان و محل میں بطور سابق کے کشادہ پیشانی (سے) رہنے لگے آخر جو جو کسب و کمال جانتے تھے اس میں مشغول ہوئے۔

چند روز میں وہ شہر جیسا آباد تھا روز بروز کے آباد ہونے سے اپنی اصلی صورت پر آگیا یقین کر کہ ایسے احوال عقل سوز کا اس جہاں میں نمود ہونا اور ایسے حیرت اندوز مقدمے کا اِس زمانے میں پھیل جانا بے وقوفوں، کور باطنوں کے واسطے ایک خاصی تنبیہ ہے اور عقلمندوں، باریک بینوں، کامل عقیدتوں، کے لئے ترغیب دلکشا، کیا خوب ہے وہ شخص جو اپنی نظر حقیقت بین سے معشوق یقیں کا مکھڑا دیکھتا ہے اور زہے نصیب اس جواں مرد کے جو اس دنیائے ظاہری میں اپنے دیدۂ باطنی کو ان مہ جبینوں، ہلال ابرؤوں، کے جمال سے، جو راز کے خیمے میں حجاب کا پردہ ڈالے بیٹھے ہیں سیر کرتا ہے۔

القصہ منوچہر نے شہزادے کی خدمت گزاری کے آئین و مہمانداری کے قوانین سے ایک سر مو تجاوز نہ کیا بلکہ اُن رضاجویوں کے دقیقوں سے کوئی دقیقہ تا مقدور نہ چھوڑا غرض رات دن ادب و آداب کے مراتب ادا کرنے میں دل و جان سے حاضر رہا یہاں تک کہ جب وہ کسی شکار کو جنگل و بر میں شکار کھیلنے جاتا پری نژاد لونڈیوں، خدمت پرستوں، اور خواصوں، عقیدت سرشتوں کی طرح خدمت کر کے گوئے اطاعت لے جاتا لیکن شہزادہ اس مقام میں کہ وہ اپنی معشوقہ کی شراب وصل سے مخمور و سرشار ہو رہا تھا جہان کی کسی چیز پر نظر نہ کرتا شب و روز آنکھوں میں آنسو بھرے، لب خشک کئے، ریت کی مانند دریائے فنا کے کنارے پڑا رہتا، آٹھوں پہر اسی رشک ماہ و ہلال ابرو کی جستجو میں جو اُس کے دل کی کشتی کو بلا کے بھنور اور مصیبت کے دریا میں ڈبو گئی تھی، رہا کرتا۔

آخر ایک دن پری نژاد نے ادب و آداب کی راہ کے تیز چلنے والوں کے قاعدے سے اپنے تئیں شہزادے تک پہنچایا، اس کے پاؤں پر سر دھر کے التماس کیا اے جوان عالیشان

سچ جان اگر میں تیرے ہی قدم کی خاک اپنی آنکھوں میں بطور توتیا کے لگاؤں بھبھتا ہے، اور اگر اپنی جان تیرے سر مبارک پر صدقے کروں ہو سکتا ہے، کیونکہ مجھ کو تیری خدمت فیض درجہت میں ایک بہ سبب بندگی و پرستاری کا ایسا ہی ہے۔ اس واسطے بطور خیر خواہوں و فاسرشتوں کے عرض کرتی ہوں اگر اس بارگاہ جہجاہ میں قبول ہو تو گزارش کروں۔ شہزادے نے چار و ناچار اس کی عرض قبول کر کے فرمایا "کیا کہتی ہو ارشاد کرو"۔ پری نژاد نے جو اپنے تئیں اجابت کے حجرے میں باریاب پایا دونہی باموَدب دو زانوں بیٹھ کر التماس کیا"۔ اے جوان باوجود اس عیش و عشرت کے کہ چمن چمن لالہ و نسترن گلستاں گل و ریحاں لہلہا رہے ہیں، جہان کی جو جو چیزیں چاہئیں، موجود مہیا ہیں ــ پس اس عالم عیش و نشاط میں غنچے کی طرح ہمیشہ دل تنگ رہنا، لالہ کی مانند غم و الم کے داغوں سے حسرت کے خون میں ڈوبنا کس واسطے؟

خدانخواستہ اگر کسی مہم یا کسی مطلب نے تیری خاطر عاطر میں جگہ کی ہو تو برائے خدا اس رازِ پوشیدہ سے مجھ کو آگاہ کر کہ میں اُس کے بر لانے اور دفع کرنے میں بہ دل و جان کوشش کروں۔ سوائے اس کے منوچہر بھی تیرے ہی احسان سے دوبارہ زندہ ہوا ہے۔ وہ بھی تیری مراد کے حاصل ہونے کی راہ میں آنکھوں کے پاؤں پکڑ کے چلے گا۔

شہزادے نے جب پری نژاد کو دل سوز دل اور رضا جوؤں میں شہرۂ آفاق دیکھا، مہربانی و نوازش کے طریق میں کامل و طاق پایا۔ ناچار اس کے کہنے سے بے تکلیف و تکلف کے اپنا رازِ دل ظاہر کیا غرض اس کشتی کے نکل جانے کی کیفیت اور آبِ عشق کے سرِ دل سے گزر جانے کی ماہیت اُس دل نواز کے سامنے ظاہر کی۔ اپنے ننگ و ناموس کے برباد ہونے کا احوال، گھر بار سے نکل کر آوارگی اختیار کرنے کا حال کہہ سنایا جنگلوں، پہاڑوں میں چلنے کی مصیبت، اونچی نیچی راہ طے کرنے کی تفاصیل سے آگہی بخشی۔ غم و الم کی بھری ہوئی منزلوں کے قطع کرنے، رات دن کے درد و دُکھ سہنے کی حقیقت بھی کہہ سنائی۔

پری نژاد اِس کارِ مشکل سے واقف ہوتے ہی اور ایسے مقدمۂ محال کے سنتے ہی فکر کے دریا میں ڈوب کر عرض کرنے لگی اے سریرِ شیدائی کے شہنشاہ و اے عاشقوں کے پشت پناہ! یقین کر کہ جس کے کوئی نام و نشان سے بھی واقف و آگاہ نہ ہو اُسے کیونکر پیدا کرے اور جس کے

مکان و شہر کو بھی نہ پہچانتا ہو اُسے کس صورت سے ڈھونڈے۔ قطع نظر اس کے ایسے کارِ مشکل اور ایسے مقصدِ اَدَق و لاحل کے حاصل کرنے کو قدرے تحمّل و تامل چاہیئے اور ایسے مطلب کے کوچے میں استقلال کا قدم رکھے کیوں کہ ایسے کار دشوار میں جلدی کرنا فائدہ نہیں بخشتا۔ سچ جان کہ ایسے امر محال کے گھوڑے کی رکاب پر جلدی کا قدم نہیں پہنچتا۔ بشر کو لازم ہے کہ پہلے صبر و شکیبائی کی کنجیاں اپنے اختیار کرے کہ جس سے مراد کا دروازہ بآسانی کھلے مثل مشہور ہے الصبر مفتاح الفرج یعنی صبر کو کشادگی[1] کی کنجی کہتے ہیں۔ بہتر ہے کہ اپنے خدائے کریم کے فضل و کرم کا امیدوار رہے اس واسطے کہ اُس کے لطف و احسان کے باعث تیری مراد کا معشوق پردۂ غیب سے میدان ظاہری میں جلوہ گر ہووے۔

شہزادے نے اس نازنین مہ جبیں گل اندام و خوش خرام کے سخن نیک آئین چار و ناچار قبول کیے۔ صبر و شکیبائی کے ہودے میں جا بیٹھا۔ طوعاً و کرہاً تحمّل و تامل کے گھوڑے پر امید کا زین باندھا۔ پری نژاد نے جستجو کا کمر بند اپنے دل نازک [کی] کمر پر نہایت چست باندھ کر اس کام کی تدبیر کے میدان میں دوڑ دھوپ کرنا اختیار کیا۔

غرض بڑی محنت و مشقت سے ایک پیرزن ایسی۔ جو عاشقی کے فن میں استادِ کامل اور مہر و محبت کے شیوے میں عالمِ بے بدل تھی۔ بلکہ عاشق و معشوق کی نبض کے پہچاننے میں اپنی دانائی کا جھنڈا ر موز دانی کے دارالسلطنت میں گاڑتی تھی۔ کٹناپے کے کام میں اپنے مکر و فریب کا نقارہ تمام جہان میں بجاتی تھی، آشنائی کی رسم کے پہچان کے آئین، ناز و نیاز کے دریافت کرنے کے قوانین نوکِ زباں و از بر رکھتی تھی۔ عاشق و معشوق کے ملانے کو ایک کار سہل جانتی تھی۔

مثنوی:

طریقِ عاشقی میں طاق تھی وہ
کبھی جاناں کبھی مشتاق تھی وہ
ملا دیتی تھی وہ معشوق و عاشق
کرے تھی یار برگشتہ موافق

کو بہرصورت ڈھونڈ نکالا (اور) اس لئے کہ وہ سر رشتۂ مطلب کے ہاتھ لگنے اور امید کی

---

[1] در متن: فرحت

بیچک کے بخوبی کھل جانے کی جستجو کرے' [اس کام پر] مقرر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ جس شہر و بستی کی طرف جانے کو اس کا دل گواہی [دے] بے تامل چلی جاوے۔

بہرصورت اس ماہِ سپہرِ خوبی اور اس ہلالِ آسمانِ محبوبی کا کھوج لگاوے وہ بڑھیا تو اس راہ و رسم سے نہایت خبردار تھی' اس بات کے سنتے ہی دریا کے کنارے کنارے چل نکلی ندی کے تیر ہی تیر چلی جاتی تھی۔ جس شہر اور بستی کو دریا کے کنارے دیکھتی' اس کے اندر چلی جاتی۔ حاصل کلام نسیم سحرگاہی کی مانند حسن کے گلشن جمال کے چمن کی سیر کرتی بلکہ اُسی پری پیکر کی جستجو میں کہ جس کا پتہ ملک زادے نے دیا تھا' رات دن رہتی اور جس گل کو دیکھتی بلبل کی مانند اس کی سیر کر لیتی اپنے مقصد برآنے کے پیچھے کرنے میں مشغول ہوتی اور اپنی سی مراد حاصل ہونے کا سلسلہ آراستہ کرتی پھرتی۔

غرض یہاں تک دوڑ دھوپ کی کہ ایک دن اس شہر جنت نہر میں جا پہنچی جو حسن آباد کے نام سے مشہور تھا اور ہر ایک گلی کوچے میں اس کے حسن کا دریا ہی موج زن ہو رہا تھا ہر ایک طرف سینکڑوں پری پیکر' رشکِ شمس و قمر' ہزاروں ناز و کرشمے سے غول باندھے پھرتے تھے' جدھر تدھر ہزاروں آہوانِ عشوہ ساز حسن و ناز کی شراب سے مست و سرشار حسن و جمال کے سبزہ زار میں غٹ کے غٹ پھرتے تھے۔

یہ عورت مکارہ ان مہ جبینوں کے پاس بطور ہالے کے اس رشکِ ماہ و مشتری کا سراغ لگانے کو جا کھڑی ہوئی اور مطلب کا پاؤں دوڑ دھوپ کے میدان میں رکھ کر اپنی فکر کی کہ اس کی تلاش کے دقیقوں سے ایک دقیقہ بھی نہ رکھا آخرکار نہایت محنت و مشقت کے بعد جستجو کے کوچے میں پہنچی' جس طرح آفتابِ جہاں تاب روشن و منوّر ہوتا ہے یہ بات اُس کے اوپر مبرہن ہو گئی اس شہر میں جو کانِ شہریاری کا گوہرِ غلطاں اور آسمانِ جہانداری کا مہرِ درخشاں ہے "مہرور بانو" نام رکھتی ہے اور ناز و کرشمہ میں نہایت شوخ و شنگ پیدا ہوئی ہے۔ سچ ہے کہ وہی زہرہ جبیں ہلال سی کشتی پر اکیلی بیٹھ کر جس طرح آفتابِ جہاں تاب بے حرکت غیر کے مشرق سے لے کر مغرب تک پھر آتا ہے' سارے جہاں کی سیر کر آتی ہے کہ اُسی پری مہ جبین کے رخِ نازنین کے نور سے خورشیدِ خاوری نے نور پایا ہے اور اسی دل فریب کے عارضِ رشکِ چمن کے حسن کی بہار سے گل بلبل سوز نے رنگ و بو حاصل کیا ہے۔

آخر اس عورت ضعیف نے اپنی عقل کارشناس کی ہدایت اور اپنی خرد بالغ رس کی مصلحت د

رہبری سے بادشاہی تر پولیے کے پاس ایک دوکان گل فروش کی طرح آراستہ کی، تھوڑے ہی دنوں میں اس مالن حسین ومہ جبین سے، جو ہمیشہ نئی نئی طرح سے پھولوں کا گہنا گوندھ گوندھ کر اُس گلشن رعنائی کے نہال نورس یعنی "مہرور بانو" کی خدمت میں لے جاتی تھی، ایک مرتبہ دوستی کا پیدا کیا اور بطور عورتوں کے بہناپے کا نقشہ ڈالا۔ ہر روز کے تحف وتحایف کے بھجوانے سے اس عورت غافل کار کو نہایت احسان مند کیا۔ یہاں تک کہ سررشتہ یگانگت کا اپنی امید کے ہاتھ میں لائی۔ مہر ومحبت کی مجلس گرم کی۔

جب دیکھا اُس نے کہ اپنائیت ویگانگت کا رشتہ نہایت مضبوط ومستحکم ہوا، اتحاد وموافقت کا سلسلہ انتظام کو پہنچا۔ ایک دن بطور بے غرضوں کے "مہرور بانو" کی ملازمت کے واسطے اس آئین شائستہ وقوانین شستہ سے کہا کہ ونہی اس مالن نے یہ بات اُس کی بسروچشم قبول کی۔ اس لئے کہ اُس کی گردن اُس کے بارِ احسان سے جھک رہی تھی، عذر نہ کر سکی۔

دوچار ہی دن کے بعد مزدورنیوں کی طرح قسم قسم کے پھولوں کا خوان اُس کے سر پر دھروا کر اُس جوئبارِ حسن کے سروسہی کی خدمت میں لے گئی۔ اور اس عورت مکرہائی فتنہ گر و پختہ کار نے پہلی ہی ملازمت میں اُس پری شمائل کے ساتھ ایک مرتبۂ دوستی ودمسازی کا حاصل کر لیا اور وہ گجرا پھولوں کا جو اپنی اُکت سے بنا کر کے پوشیدہ رکھ چھوڑا تھا، اس کی نذر گزرانا۔ آخر اُس دوست یک رنگ کو اپنا مشتاق ودمساز کیا۔ یقین کر کہ پہلی صحبت میں اس کے سارے کمالوں سے واقف وآگاہ ہو گئی۔

چند روز کے بعد جب اُس نے امید کے گلشن سے مراد کا گجرا اپنے ہاتھ میں دیکھا، شہزادی کی خدمت سے رخصت ہو کر ہوا کی طرح سبک رو ہوئی، اپنے تئیں شہزادے کے پاس پہنچانے کا قصد کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کی خدمت فیض مآب میں جا پہنچی۔ اور اس خبر فرحت اثر کی بو اُس کے دماغ میں پہنچا کر معطر خوشبو کر دیا۔

شہزادہ اس بات کے سنتے ہی مارے خوشی کے آپ میں نہ رہا موجب اس مصرعہ کے ع

اس مژدۂ جاں بخش پہ دوں جاں تو بجا ہے

قریب تھا کہ اپنی جان کے گوہر آب دار [کو] اس مژدۂ جاں نواز کی لانے والی کے قدموں پر نثار کرے، کہ شادی مرگ ہو جاوے۔

قصّہ

مہرو ریا نو کے پائے زیب شہزادے کے ہاتھ لگنے کا جس طرح سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ سے انگوٹھی پائی تھی اور شہر حسن آباد میں اس کے جانے کا اور بخت کی بیداری و مدد کے باعث اپنی معشوقہ کے وصل کی خلوت میں در آنے اور اُس جگہ سے کامیاب و مظفر ہو کر اپنے شہر کی طرف متوجہ ہونے کا

شہزادہ اس مقام میں کہ دل کا پیالہ شراب کی مراد سے بھرا ہوا اپنے دستِ امید پر رکھتا تھا چاہا اس نے کہ اسی گھڑی سبک روی و تیز گامی بادِ صبا سے قرضِ دوام لے کر جس طرح عاشقوں کے آنسو خانۂ چشم سے پے در پے چلے آتے ہیں، فکر و تردد کے میدان میں پاؤں رکھ کر بلبل کی مانند حسن آباد کے چمن کی سیر کرنے کی خاطر اُڑ لاگے۔ لیکن اس روز پری نژاد نے نہایت محنت و مشقت سے اس کی طبع کی کشتی اضطراب کے گرداب سے نکال کر تحمل کے کنارے لگا رکھی تھی، یہ بات ٹھہرائی کہ صبح ہوتے ہی وہ اپنی منزل مقصود کی طرف از بسکہ تیز گامی سے روانہ ہوا۔

اس دریائے شوق کے تیرنے والے نے چار و ناچار پری نژاد کی تجویز بجبر قبول کر کے اس روز وہاں کا رہنا قبول کیا اور بہت سا جواہر آب دار اس خدمت شائستہ کے بجا لانے کی مزدوری میں اِس عورت ضعیف کو جو ہدہد کی مانند شہر سبا رحسن آباد بر دسے اس بلقیس دیدار کے وصال کا مژدہ لائی تھی، بطور انعام کے عطا فرمایا۔ اور آپ مہر یونس نے مغرب کی مچھلی کے پیٹ میں غروب ہونے کی راہ دیکھنے لگا۔

جی کے بہلانے کے واسطے دریا پر مچھلی کا شکار کھیلنے چلا گیا۔ قضا کار پہلے ہی شست میں ایک مچھلی بڑی لمبی چوڑی چکلی اس کی بنسی میں لگ گئی۔ شہزادے کا دل ایسی مچھلی کے شکار کرنے سے نہایت خوش ہوا۔ کہنے لگا کہ جلد اس کے کھنڈے کھنڈے کر کے ماہی کباب بناؤ اور ربطِ بادہ بھی

مہیا کرو کیونکہ کباب ماہی عالمِ آب ہی میں مزے دار معلوم ہوتا ہے۔ باورچی نے جونہی اس کا پیٹ پھاڑا ایک ایسی پازیب جواہر نگار جو خورشید خاوری کے ہالہ ہونے کے لائق تھی، سورج کے مانند چمکتی ہوئی حوت کے برج سے نکل پڑی۔

وہ شہزادہ فیروز بخت ایسے عجیب و غریب شکار کو مشاہدہ کرتے ہی اپنے دل کا پانوں تعجب کی پازیب میں ڈال کر اس کے جواہرِ آب دار کا تماشا دیکھنے لگا۔ بہ مجرد اس کے دیکھنے کے شہزادے کی نبض دل شوق کی گرمی سے جس طرح مچھلی پانی سے نکل کر جلتی ریتل میں تڑپنے لگتی ہے، پھڑکنے لگی۔ محبت کی بو اس کے دماغ جاں تک پہنچی۔ گھبرا کر بے اختیار بول اٹھا کہ میں غلط نہیں کہتا شاید یہ پائے زیب اُس رشکِ ماہ، ہلال ابرو، زہرہ جبیں کی ہے۔ جس کو خورشید مردم چشم کی طرح اپنی آنکھوں کا تارا کرنے کی تمنّا رکھتا ہے، اب خدا کے فضل و کرم سے مجھ بے نوا کے ہاتھ لگی۔ جب ہی حالت میری تباہ ہوئی جاتی ہے۔ نہیں تو کس واسطے اس طرح کی آتش شوق میرے سینے کی انگیٹھی میں شعلہ زن ہوتی۔

غرض وہاں سے از بسکہ حیران و پریشان ہو کر اس پیرزن کے پاس آیا اور پوچھنے لگا، بڑی بی کچھ تمہیں معلوم ہے یہ پازیب کہ جس کا ہر ایک لعل و گوہر میری خاطر غمگین کو مہر و ماہ کی مانند روشن و منور کئے دیتا ہے، کس حور سرشت، مہر طلعت کی ہے؟ اس دقیقہ سنج و دانش پناہ نے دیکھتے ہی دریافت کر لیا۔ اور اپنی مُراد کے چہرے کو روشن و شگفتہ کر کے التماس کیا۔ اے آسمانِ عشق کے شہسوارِ یکتا، و اے بحرِ شیدائی کے گوہرِ بے بہا! اپنی خوشی و خرمی کی کلاہ فلک سفتمی پر اچھال کیونکہ یہ پائے زیب تیری ہی معشوقہ یعنی "مہر دربانو" کی ہے۔ یقین کر کہ یہ دولتِ غیر مترصدہ اس بات کا شگون نیک ہے[۱] کہ تھوڑے ہی دنوں میں تو اس خوبی و جمال کے چمنستان کی نرگسِ شہلا کے وصال سعادت سے بہرہ ور[۲] ہووے اور اپنی چشم زار اس کی دید سے سیر کرے۔ پس اب اس مکان میں درنگ کرنا دائرۂ صواب سے باہر ہے۔

وونہی مُلک زادہ اس پیرزن کی رہبری سے منوچہر و پری نژاد کی خدمت میں جا کر رخصت ہوا۔ غرض بہر صورت بے خرچ راہ لئے سفر کا اسباب تردّد کی خورجی میں کسا، امید کے گھوڑے پر سوار ہو کر ہو کر اس شہر جنت تمثال کی طرف چل نکلا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد منزلیں طے کرتا، راہ کی مصیبتیں سہتا حسن آباد میں جا پہنچا۔ ایک باغ میں بطور فقیروں خاکساروں کے کوئے غربت میں بسترا

درمتن ۱۔ ہوی ۲۔ ہرور

لگا کر رہنے لگا۔

اس بڑھیا نے جو اس کی رہبری و پیشوائی میں پیر کامل تھی۔ اپنی اسی عادتِ قدیم سے ترپولیے کے پاس ایک دوکان مالیوں کی طرح آراستہ کی۔ مکر و فریب کے لالہ و نسترن، جادو ٹونے کے گلِ یاسمن فن و فریب کے خوان میں رکھ کر حیلہ سازی و بہانہ پردازی کی آب پاشی سے ان پھولوں کو تر و تازہ کیا بلکہ اس دوکان کو از بسکہ چمکا دیا اور چاہا کہ اپنی تدبیرِ کامل و فہم رسا کے باعث آسمان کے کوٹھے پر چالاکی کی سیڑھی لگا کر اس ماہ دو ہفتہ کو اپنے ہاتھوں الگ اتار لاوے۔

آخرِ کار ایک دن بہت سے گل و پھول ایک خوان میں رکھ کر اس عورت کے پاس جس کے ساتھ آگے بہناپے کا رشتہ جوڑ رکھا تھا، گئی، کہنے لگی "بھینا! میں چاہتی ہوں کہ تیرے وسیلے سے مہر دربانو کی خدمت میں جاؤں اور یہ گجرے پھولوں کے بطور تحف و تحائف کے اس گلبنِ گلشنِ زیبائی کی خواصوں، لونڈیوں کی خدمت میں نذر گزاروں۔" یہ بات سنتے ہی اُس مالن نے کہا، اے خواہر مہربان! تیرے اس کہنے پر میرا جی و جان قربان!! ان دنوں اس مقصدِ عظیم کا بر آنا نہایت مشکل ہے۔ بلکہ اب اس سے صحبت کا گرم رکھنا خیلے دشوار، کیونکہ وہ آپ ہی اپنی پازیب کے ڈوب جانے کے باعث غم و الم کی گردن میں چنپا کلی کی طرح پڑی رہتی ہے۔

حقیقت اس کے گم ہونے کی یوں ہے کہ ایک دن وہ دریا کی سیر کو گئی تھی۔ خرد سالی و نوجوانی کے باعث اس کے مزاج میں ایک چنچل پن سما رہا تھا۔ بے اختیار پانی میں کود پڑی۔ تیرنے میں مشغول ہوئی۔ اتنے میں جوڑا اس کے بالوں کا کہ جس کا ہر ہر بال سَو سَو نافہ ختن کی قیمت (کا) تھا، بلکہ ہر ایک طرح دریائے چین کی مَوج دکھلاتا تھا، اس کی گردن میں لپٹ گیا۔ وہ گھبرا کر اسے چھڑانے لگی۔ اتفاقاً اُس کے پاؤں سے ایک پازیب نکل کر پانی میں گرتے ہی ڈوب گئی۔ اس کے گم ہونے سے دل اُس نازک مزاج کا اس قدر کڑھتا ہے کہ جس کا بیان تحریر و تقریر میں نہیں آ سکتا۔ اسی غم و الم میں رات دن منہ لپیٹے پڑی رہتی ہے بلکہ کسی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ ہمیشہ اسی کا اندیشہ اس کو ملول و غمگین رکھتا ہے۔ یقین جان کہ اسی گناہِ کبیرہ[۱] کی شرمندگی کے باعث دریا اپنا سر خاک سے نہیں اٹھاتا۔ بلکہ اسی تر دامنی کے انفعال سے خشک لب رہتا ہے۔

---

[۱] درمتن: کبری

اس بڑھیا نے اس بات کو اپنے مقصد برآنے کا شگون نیک جانا۔ شاداں شاداں اپنے تئیں شہزادے کی خدمت میں پہنچا کر التماس کیا، اے عشق کی مسند کے زیب دینے والے، وا اے سریرِ سلطنت کے رونق بخشنے ہارے!! قریب ہے کہ وہ ماہِ دو ہفتہ ماہی کی طرح تیرے دام میں گرفتار ہووے۔ بلکہ یہی پائے زیب تیرے مقصد برآنے کا وسیلہ ٹھہرے کیونکہ اب میری عقل دقیقہ سنج کہ وہ دلِ بے قرار کو قرار بخشنے والی، خاطرِ مضطرب کو صبر بخشنے والی ہے، تدبیر نیک اس صورت سے دکھاتی ہے کہ تو ان سب ہمراہیوں سمیت اس باغ سے نکل کر ایک ایسے مکان میں جا بیٹھے، جہاں کسی اپنے بیگانے کا دخل نہ ہوسکے۔ سوائے اس کے آپ بھی نہایت احتیاط و حفاظت سے پوشیدہ رہے، کہ کوئی اس حال سے واقف و آگاہ نہ ہووے اور اس پیر مرد کو، جو تیرے ساتھ ہے، فقیروں، خدا پرستوں کے لباسِ قلندروں، وارستہ مزاجوں کے طور سے، کہ وہ حقیقت کی راہ کے پیشوا اور طریقت کی منزل کے رہنما ہیں، ایسے مخفی قد و قامت اور ایسی ڈاگرائی[1] ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہ ایسی وضع اُس کی ایک خلق کے دل میں سوزِ معرفت پیدا کرتی ہے، بادشاہ کی خدمت میں جاوے، اپنے تئیں حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کا قاصد ظاہر کرے۔ اور یہ پیام دے کہ مجھ کو حضرت خواجہ خضرؑ نے خدائے کریم نے فرمانے سے تیری خدمتِ فیض مآب میں بھیجا ہے۔ سلام شوق کہا ہے۔ اور بعد اس سلام کے یوں فرمایا ہے کہ مہرو بانو کے اوپر جناب باری تعالیٰ کی ازبسکہ مہربانی و نوازش ہے، اس لئے مرضی اللہ تعالیٰ کی یوں ہے کہ اس گوہرِ وجود کو اس جوانِ عالی خاندان کی زوجیت کے رشتے میں، جو جوہرِ منفرد و فردِ کامل ہے منسلک کرکے اس کے بیاہ کی دھوم عالمِ بالا تک کہ درجہ اس کا سب سے اعلیٰ ہے۔ پہنچاوے[2]۔ چنانچہ وہ جوان عالی شان لباس خاکساری وکسوت بے نوائی سے تمہاری محفل جنت نشان میں آوے گا اور اس بات کی دلیل صادق وہی پائے زیب مہرو بانو کی ہوگی جو پانی میں گر کر گم ہوگئی تھی اور اس کو ایک مچھلی نگل گئی تھی۔ اب حضرت خواجہ خضر نے الہامِ ربانی سے وہ پازیب مچھلی کے پیٹ سے نکال کر اُس جوان نیک ذات، والا صفات کے سپرد کی ہے، چاہیئے کہ وہ شبھ[3] گھڑی اور نیک ساعت و مبارک دن میں یہاں آوے۔ تم اس کی تعظیم و تواضع کی رسموں کے دقیقوں میں سے ایک دقیقہ بھی باقی نہ رکھنا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کے بخشش کے شکر طاقتِ بشری و

درمتن ۱؎: ڈگرائی ۔ ۲؎ پہنچا ۳؎ سفرد ۴؎ سُبھ

قوتِ انسانی کے موافق بجالانا اور بے تحمل تکاسل کے اُس دُرجِ شہریاری کے گوہرِ بے بہا اور اس تاج سعادت کے جواہر گراں مایہ کے شرفِ وصال سے مشرف کرنا کیونکہ اس پازیب کا پانی کی تہ میں جاکر گم ہونا اور مچھلی کا ایک بیک نگل لینا اس کریم کارساز کے فرمانے سے کہ فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْ عَنِ الْحِكْمَةِ یعنی حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اس رازِ پوشیدہ کو بھی تذکرہ بیان میں لاوے اور دو چار قطرے اس آبِ بقا سے بھی بطور تحف و تحائف کے نذر گزرانے جو اُس کے شاہدِ سخن کو صدق و صفا کے گہنے پاتے سے آبرو بخشے۔

سچ جان کہ بالفعل اس تدبیر نیک کے سوائے اور کوئی ایسا کارِ خیر بن پڑتا نظر نہیں آیا کہ جس کے باعث تمنا کا ہاتھ گلے میں ہار کی طرح ہو پڑے کیونکہ "مہر و رباؔنو" کا باپ مارے غیرت و حیا کے نہیں چاہتا کہ کسی شخص کو اپنی دامادی کے نام سے مشہور کرے۔ قطع نظر اس کے وہ بھی مارے شرم و حجاب کے اپنا بیاہ کسی کے ساتھ نہیں کرتی کیونکہ اس زمانے میں وہ نہایت باشعور و بالغ رس، نازک طبع و عالی دماغ دقیقہ سنج پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا دل دنیا کی ہر ایک چیز سے نفرت کرتا ہے۔ چنانچہ کتنے ہی اس جہان کے بادشاہوں، نیک خصلتوں، سلاطینوں، نامداروں نے اس کے وصل کی مجلس میں در آنے کی تمنا میں پرکاؔر[1] کی طرح سر کے پاؤں سے تردد کے دائرے کے گرد بگرد اپنے تئیں پھرایا۔ پر کسی کی امید کا پیالہ اجابت کی شراب سے نہ چھلکا بلکہ ہر ایک کا ساغرِ دل لالہ کی مانند تا زیست داغدار رہا۔

شہزادے نے اس عورتِ ضعیف کی تدبیر کے شاہد کو قبولیت کے حجرے میں نیک و مستحسن مشاہدہ کرکے اپنے کام کی بنیاد اس کی عقلِ خیر اندیش پر موقوف رکھی اور اُس پیرِ مردِ خجستہ دیدار نیک اطوار کو اس کی صلاح کے بموجب اس بادشاہِ جم جاہ کی خدمت میں بھیجا اور آپ ایک گوشہ عافیت میں جا بیٹھا۔ آخر اس پیر مرد نے مہر و رباؔنو کے باپ کی خدمت (میں) جاکر ساتھ آئینِ پسندیدہ و قوانینِ برگزیدہ کے وہ پیام حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کی زبانی جوں کا توں التماس کیا اور اُس آبِ حیات کی شیشی کو بھی جو سربہ مہر موجود تھی بطور نذر و ہدیہ کے آگے رکھ دیا۔

بادشاہ نے ایسے احوال نادر بیان اور ایسے تحائف بے کران سے پائے دل کو حیرت کے دامن میں لپیٹ کر تفکر کا سر تامل کے گریبان میں ڈالا۔ اس کے جھوٹ سچ کے اندیشے میں چپکا رہ گیا۔ جب کہ

---

[1] درمتن: برگار

اُس گم ہوئی پائے زیب کا قدم درمیان آیا، یک بیک اس بات کا اقرار و انکار کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اُس کے ندیم و مصاحب بھی جو سریر سلطنت کے قریب بیٹھنے والے، مسندِ ادب کے مراتب پہچانے[1] ہارے تھے۔ ایسے عجیب و غریب مقدمے کے سنتے ہی حیرت کے بھنور میں ڈوب کر گونگے بن گئے۔

آخر کار کتنی دیر بعد بادشاہ نے آب بقا کی شیشی کا منہ کھولا اور آزمائش کے واسطے دو چار قطرے پانی کے اُس مچھلی پر، جو دو تین دن کے بعد دریا سے نکل کر مر گئی تھی، چھڑکے۔ دونہی وہ بے جان زندہ ہو کر جس طرح کہ عاشق بے دل کی نبض اپنے معشوق کی یاد میں پھڑکتی ہے، تڑپنے لگی۔ اور جس جگہ تھی، وہاں سے تڑپ تڑپ کر یہ جا پڑی اور وہ جا پڑی آخر کار ایک بار ایسی تڑپی کہ اس حوض میں جس پر بادشاہ بیٹھا ہوا فوارے کا تماشا دیکھ رہا تھا، جا پڑی۔ تیرنے لگی۔

ایسے اچنبھے کا احوال کہ یہ مقدمہ اس جہان میں ایک عجیب و غریب نسخہ ہے دیکھ کر ہر ایک کے دل سے لفظ واہ واہ و سبحان اللہ بے اختیار نکل پڑا۔ غرض سب کے سب ایک زبان ہو کر اس کے سچے پن کی گواہی دینے لگے۔ کلمہ صَدَّقنا منہ پر لائے۔ حاصل کلام یہاں تک اس کے معتقد و فرماں بردار ہوئے کہ بے حکم بادشاہ کے اُس کو عزت و حرمت کی مسند پر بٹھلا کر تعظیم و تکریم کی کے مراتب بخوبی ادا کئے۔

جب اس پیر مرد نے دیکھا کہ میرے مطلب کی شراب نے امید کے خُم خانے میں جوش کھایا، مراد کا نقش تمنا کی لوح پر بوجہ احسن ظاہر ہوا، نہایت آہستگی کے ساتھ اس مجلس جنت نشان سے اُٹھ کھڑا ہوا کہنے لگا کہ اس فقیر کو بادشاہ کی خدمت میں بے فائدہ اس طرح بیٹھ رہنے کی پروانگی نہیں۔ اس لئے یہ خاکسار اس جناب سلطانی کی بساطِ عبودیت کے قریب بیٹھنے والوں کی تخفیف تکلیف کرتا ہے۔ غرض اس کے نہ اُٹھنے کے واسطے اتنا مبالغہ کیا کہ جس کا درجہ حد و حساب سے بھی گذر گیا۔ پر اس درویش خیر اندیش نے اُن سے موافقت و موانست قبول نہ کر کے اپنے تئیں مراجعت کی پگڈنڈی پر کھڑا کیا۔ چار و ناچار بادشاہ اور اُس کے مصاحبوں نے فقیر کی خوشی مقدم جان کر رخصت فرمایا۔

جب وہ درویش محل مبارک سے نکل کر باہر آیا، دونہی بموجب اُس کے کہ عَوامُ اولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ یعنی جس طرح سے کہ غریب غربا خیر و خیرات کے واسطے ہجوم کرتے ہیں، کیا چھوٹے کیا بڑے سب کے سب اس شہر کے بادشاہ کی پیروی کر کے اپنی بہبودی و بہتری کے لئے اس فقیر کے گرد

---

[1] در متن : پہچانے

اس طرح آگھرے ہوئے، جس طرح چاند کے گرد تاروں کی کثرت ہوتی ہے۔ بلکہ وہ فقیر اُن کے مصافحہ کرنے سے عاجز ہوگیا۔ جب کہ اس بلیات سے صحیح و سلامت نکلا، نہایت ناتوانی اور ضعفِ پیری کے ساتھ گردِ راہ کی طرح صبا کے دوش پر سوار ہو کے گرتا پڑتا شہزادے کی خدمت میں جا پہنچا اور اس احوال کی کیفیت سے آگاہ کیا۔

غرض کئی دن کے بعد شہزادہ وہاں سے اُٹھ کر اُس شہر میں داخل ہوا اور اسی باغ میں جا کر پھر نئے سرے سے رہنے لگا۔ آخر کار ایک دن وزیر بچے کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ گیا اور اس احوالِ نادر بیان کو اُسی کہنے کے بموجب اُس سریرِ سلطنت کے واقف کاروں کی خدمت میں بہ آئین شائستہ کہہ سنایا۔ التماس کیا، ہمارا شہزادہ جو ساتھ عزت و شان کے ختن کے ملک کے تاج و تخت کا وارث ہے، اس کو عالمِ خواب میں یہ حکم ہوا کہ تو صبح کو دریا پر جا اور شست لگا جو کچھ تیری شست کے ساتھ دریا سے نکلے، اس کا پیٹ پھاڑ۔ اور جو کچھ اس میں سے نکلے بے شرکتِ غیرے کے اپنے تصرف میں لا اور فلانے بادشاہ کے مقربوں کی خدمت میں بے دھڑک چلا جا۔

اتفاقاً پہلے ہی روز اس کی بنسی میں ایک مچھلی نہایت بڑی لمبی چوڑی چکلی لگی اور اس کے پیٹ سے ایک جڑاو پائے زیب بہت اچھی خاصی نئی گھڑت[1] کی سبک و مصفا کہ جس کا ہر ایک جواہر آبدار دمکتا تھا، نکلی۔ شہزادہ چار و ناچار اس پائے زیب کو لے کر وہاں سے اس آستانِ فیض نشان کے ملازموں کی خدمت میں حاضر ہونے کے واسطے اِدھر متوجہ ہوا اور جس قدر کہ غم و الم رنج و دکھ اس سفرِ مبارک میں اس دودمانِ خلافت نے اپنے اوپر گوارا کئے ہیں، نہ زبان کو طاقت کہ اُن کا بیان کرے، نہ قلم کو قدرت جو احاطۂ تحریر میں لاوے۔

یقین فرمائیے کہ ان اذیتوں کا خیال اب طبیعت پر رنج و ملال کا باعث اور خاطرِ نازک کی بیماری کا موجب ہوتا ہے الحمدللہ والمنۃ یعنی شکر ہے خدائے کریم کی درگاہ میں کہ وہ امانت بے جوکھوں یہاں تک آ پہنچی۔ اگر جہاں پناہ کا حکم ہو تو شہزادہ اُس امانت سمیت حضورِ پُرنور کی ملازمت سے سعادتِ دارین و دولتِ کونین حاصل کرے اور وہ امانت بادہ عالی جاہ کے ملازموں کو سونپ دے اور اپنے شہر جنت نشان کی طرف متوجہ ہووے۔

---

[1] درمتن: گراہت

جب وزیر بچے نے یہ پیام حضور فیض گنجور میں بخوبی احسن ادا کیا، بادشاہ کے چہرے پر خوشی وخرمی کے آثار ظاہر ہوئے، نہایت خشاش بشاش ہو کر فرمانے لگے۔ مصرع

مرحبا مرحبا، تعال تعال

پھر ارشاد کیا، اے جوان عالی شان والا خاندان! شہزادے کا اس جلدی کے ساتھ اپنے شہر پھر جانے کا کیا سبب ہے؟ اور یہ بات ہوشیاروں، دانش مندوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں کیونکہ ایسے عالی دماغ، بالغ رس، والا فش کو جو تختِ جہانداری کا زیب دینے والا، سریرِ سلطنت کا روشن کرنے ہارا ہے، اُسے ایسے کام میں مقرر کرنا اور ایسی راہ دور و دراز کا مسافر بنانا بے اس بات کے خالی نہیں شاید ایسے امرِ خطیر میں کوئی ایسا ہی کارِ مشکل پوشیدہ ہے۔

سچ جان کہ اس کارخانۂ ارادت میں کوئی کام خدائے کریم کارساز کی حکمت سے خالی نہیں، سوائے اس کے تمہارے آنے کے آگے یہاں ایک پیر مرد، بزرگ صورت، نیک سیرت حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کا بھیجا ہوا آیا تھا۔ وہی جناب باری کے حکم سے تمہارے آنے کی خبر کر گیا ہے اور اس چشمِ خلافت کے مردمک کی روشن کرنے والی عظمت کے ماتھے کی نور بخشے ہاری کے واسطے بھی کچھ کہہ گیا ہے۔ الحمد للہ کہ[1] تم بخوبی تمام اس مکان میں تشریف لائے۔ ہزاروں اللہ تعالیٰ کی عنایتِ لایزال سے دولتِ عظمیٰ یہ ہے کہ شہریاری کے آئنے کا گوہرِ بے بہا ہے۔ نہیں تو کسی صورت سے جناب باری تعالیٰ کے فرمانے کو کسی حال میں بشر کی مجال نہیں، جو اس کے قبول کرنے میں تامل کرے۔ یہ اس کا بڑا فضل ہوا جو ایسا گوہرِ غلطاں میرے ہاتھ لگا۔ میں اب ہرگز ایسے کارِ خیر کے انجام دینے میں کسی صورت سے دیر و درنگ نہ کروں گا۔

یہ بات سن کر وزیر بچے نے التماس کیا کہ ہمارا شہزادہ اگرچہ از بسکہ عالی دماغ و بلند فطرت، بالغ رس ہے اور عورتوں کی بے وفوفی کے باعث اس قوم کی صحبت و محبت سے نہایت احتراز کرتا ہے لیکن حق تعالیٰ کا فرمان جو اس کارِ خیر میں اس پر نازل ہوا، اُسے سوائے قبول کرنے کے کچھ اور چارہ نہ دیکھا۔

القصہ وزیر بچہ حضورِ معلیٰ سے رخصت ہو کر شاہزادے کی خدمت میں آیا۔ اور اس مراد کی

---

[1] درمتن: کی

خبرِ فرحت اثر سنا کر بُو سے اس کا دماغ دل مہکانے لگا۔ پھر التماس کیا کہ حضور پُرنور کو اس گوہر تمنا کا ہاتھ لگنا مبارک و سازگار ہو۔ اور اس بات کا چرچا اُس بادشاہ کے محل میں پھیل گیا کہ بادشاہ مہرور بانو کی شادی کسی مسافر سے کیا چاہتا ہے۔

اتفاقاً یہ بات مہرور بانو نے سنی، وہ تو ہمیشہ سے اپنی خاطرِ نازک پر ایک طرح کا وسوسہ رکھتی تھی۔ اس احوال سے واقف ہوتے ہی نہایت متفکر ہوئی۔ اس واسطے کہ اس راز کی ماہیت کماحقہ دریافت کرے۔ غرض سوچی کہ دیکھوں تو وہ میرے شوہر ہونے کے لائق اور مجھے اپنی زوجیت کے رشتے میں منسلک کرنے کے قابل ہے کہ نہیں اور یہ بھی معلوم کیا چاہیے کہ وہ طینت کیسی رکھتا ہے۔ جس کو حق تعالیٰ نے میرے ساتھ شادی کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اس پاتے زیب کو مچھلی کے پیٹ سے نکال کر اس کے حوالے کیا۔

وہ دل سے اس ڈھب کی باتیں کر رہی تھی اتنے میں وہ پیرزن اپنی بہن کے ساتھ ہو کر ایک خوان میں گجرے[1] طرح طرح کے پھولوں کے پھلواں دھرے ہوئے اس رشکِ گل کی خدمت میں آئی اور اپنی مکاری اور حیلہ پردازی سے اس ڈھب کے ساتھ بے غرض دلا پروا ہو کر باتوں باتوں [میں] اس جوان کا تذکرہ محلِ بیان[2] میں لائی۔

اے شہزادی! میں جو آج نسیم سحرگاہی کی طرح صبح کو فلانے باغ میں پھول چننے گئی تو ایک جوان ایسا حسین مہ جبین دیکھا کہ جس کے حُسن کی بات نہیں کہی جاتی۔ سچ جان اس کے سراپا سے شانِ شجاعت ظاہر ہے، قدوقامت سے شوکت و سخاوت عیاں، قیافے سے علمیت ہویدا، فصاحت و بلاغت میں مثلِ سحبان۔ ماتھے سے حشمتِ سروری نمود، پیشانی پر شوکتِ بزرگی مشہود، ستارۂ اقبال اس کے حُسنِ نورانی پر تاباں ہے، دبدبہ سرداری کا جلوہ گر۔

ہمراہی بھی اس کے یہی چرچا کرتے تھے کہ یہ شہزادہ ختن کی بادشاہت کے تخت و تاج کا زینت دینے والا، سریرِ سلطنت رونق بخشنے ہارا ہے۔ خدا جانے کس کام کے واسطے ایسے شہرِ جنت کو چھوڑا۔ جو اتنی منزلیں سخت و دشوار طے کیں اور اتنے درد و دکھ سفر و مسافرت کے سہ کر اپنے تئیں یہاں پہنچایا!

یقین فرمایئے کہ میری عمر قریب ساٹھ ستر برس کے ہونے آئی ہے، واری جاؤں میں نے تو ایسا

---

[1] درمتن: بگرے [2] درمتن: بیانِ محل

جوان دمہ جبیں جو ہر ایک خورد و کلاں کا دل و جان، خواص و عام دین و ایمان ہوا ہے، اپنی آنکھوں خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ بلکہ اور کسی نے بھی یقین ہے کہ نہ دیکھا ہو سنا ہو۔ اگر یہ سخن اس کی شان میں کہے تو پھبتا ہے کہ اس کے سامنے رستم سا پہلوان و جواں مرد مجھ پیر زال کی طرح کانپنے لگے اور اس کے ایوانِ عدالت کے آگے جو کوئی کسریٰ کے عدل و انصاف کا نام نہ لے، ہو سکتا ہے اسی کے آب بخشش نے سخاوت کا حرف حاتم کے صفحے سے دھو ڈالا۔ اسی کا پایۂ ہمت فلک پیوند عرش اعلیٰ کے پائے سے جا ملا، بیشک وہ شبہ وہ محبوبی کے چمنستان کا گل نو شگفتہ گنا جاتا ہے۔ خوبی کی جو بار کا سرو نو رستہ کہلاتا ہے۔

غرض ہر ایک طرح کے وصف کا پیراہن پسندیدہ ازل کے خیاط نے اُس کے اوپر قطع کیا ہے۔ ہر ایک کمال حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کو عطا فرمایا ہے۔ یقین فرمایئے یہ فرد اسی کی شان کے شایان ہے۔ فرد

گوہرِ پاکِ تو از مدحتِ ما مستغنی   دستِ مشاطہ چہ با حسن خداداد کند

مہرور بانو اس کے اوصافِ حمیدہ و کمالاتِ پسندیدہ سُن کر اگرچہ اپنے زعم میں لیلیٰ کردار تھی پر اس کی چاہ میں باول سی ہو کے مجنوں وار ہو گئی۔ ندان مارے شوق کے صبر و شکیبائی کی باگ ہاتھ سے دے کر اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں کہلا بھیجا[1] کہ بابا جان تم حضرت خواجہ خضر نبی علیہ السلام کے زمانے کو میری امید کے رشتے کا چراغ روشن سمجھ کر قبولیت کی راہ اختیار کرو۔

بادشاہ اِس بات کے سنتے ہی مارے خوشی کے اپنے پیراہن سے نکل چلا اور کہنے لگا کہ جلد خوشی و خرمی کی مجلس ساتھ آئین شہریاری و قوانین جہانداری کے بخوبی آراستہ کریں عیش و عشرت کی محفل اچھی طرح جما کر جاہ و جلال کی نوبت اقبال و سعادت کی چوب سے بجائیں اور ایک شبھ[2] گھڑی اور نیک ساعت ٹھہرا کر اس سرو چمن شاہی کو اس شمشاد خسروی کے ساتھ پیوند بخشیں۔

---

[1] درمتن: کہلا   [2] درمتن: شبھہ

قصّہ

خوشی وخرمی کی مجلس ازبس کہ آراستہ کرنے شادی و کامرانی کی محفل کے بے حد آرائش دینے یعنی اُس شہزادے کے ساتھ مہرور بانو کے بیاہے جانے کی بزم کے ساتھ آئین سعادت کے جمانے اور محفل اُس کے عقد بندھانے کی قوانین شائستہ سے سنوارنے کا

غرض وہاں زبان ہلانے کی دیر تھی[1] جمشیدی مجلس کے جاننے والوں، فریدونی محفل کے قوانین پہچاننے ہاروں نے اس بات کے سنتے ہی اس بارگاہ بادشاہی کو خوشی وخرمی فرش وفروش سے آراستہ کیا۔ شادی وکامرانی کے بچھونے کے باعث ازبسکہ جمکا دیا۔ طرب ونشاط کا اسباب جس قدر ضرور تھا اس سے بھی چوچند جمع کیا۔ ناچ ورنگ ہونے لگا۔ قلعہ[2] سے لے کر تمام شہر میں ایسی نوبتیں روح افزا بجیں کہ جن کی صدائے[3] دل کشا سن کر گنبد گردوں گونج اٹھا۔ خوشی وخرمی کا شہرہ جہان میں پھیل گیا۔ شادمانی کی شراب نے مبارک بادی کے پیالے میں جوش کھایا۔ بے غمی کی گنگری نے ستار کے تار سے مل کر اپنے تیئں فلک پر پہنچایا۔ بلکہ ڈھولک وطبلے، سارنگی وقانون وپکھاوج کی آواز سے دست وگریباں ہو کر پردۂ جاں میں گھر کیا۔

غرض چمن چمن لالہ ویاسمن، کیاری کیاری گل وریحاں، اس مجلس کے پھولوں کی کثرت سے نظر آتے تھے۔ ہر ایک قسم کا عطر وارگجا جو سَو سَو طرح سے مشک وعنبر پر فوقیت رکھتا تھا، اس کی محفل کے زیب دینے والوں کے دماغ دل معطر کرنے کے واسطے ہر ایک سقف ودیوار میں ملنے والے مل رہے تھے، گانے والوں، سحر سازوں نے قمری کی مانند اُس سرو نونہال کی شادی کے ترانے نہایت خوشی وخورمی سے ادا کیے۔ رامشگروں، سحر آہنگوں، زہرہ جبینوں نے "تانے لے" میں شروع کیں

---

[1] یہ عبارت عنوان سے قبل درج تھی لیکن اسی جگہ ہونی چاہئے۔ [2] در متن، قلع [3] صدائے دلکشاہ

ساقیوں سیمیں بدنوں نے شراب ارغوانی کے دور سے اس بزم نشاط کو آبرو بخشی، چمن کے چہچہے کرنے والوں نے اپنی خوش الحانی سے ہر ایک کے مرغ دل کو ناز و کرشمے کے جال میں گرفتار کیا، ہر ایک کے مزرعۂ دل میں اپنی محبت کا تخم بو دیا۔ مثنوی

مجلس سو اتری ایسی ہی راگ و شراب سے — مینو کو عرق آگیا جس کے حجاب سے
بیٹھے تھے ہر دیار کے وہاں بھانڈ و بھگتیے — اس طرف ہزاروں گائک ہر سمت جمع تھے
تھیں کتنی ہی طوائفیں ہر شہر کی وہاں — ہنستی تھیں نرت کاروں کے سازوں پہ ہر زماں
تانیں کلاوتوں کی یہ قانون سے چلیں — آوازیں جن کے تاروں کی گردوں پہ پھیل گئیں

جب اس جہان کی مجلس روشن کرنے والی دلہن نے اپنے جمال نورانی سے مغرب کا حجرہ جلوہ گر کیا مہر و ربانو کو ہزاروں طرح کی زیب و زینت سے بنی بنا کر اس عروسی تخت فلک مرتبت پر بٹھا دیا۔ اس شہزادے کو بھی کہ جس کے مکھڑے کی ملاحت سے چودھویں رات کا چاند لالہ کی مانند اپنے دل پر داغ رکھتا تھا شاہانی پوشاک سے بنا بنا کر فریدون کی سی شان و شوکت کیقباد کی سی عزت و حشمت کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے اُس تخت پر اس تخت پر اُس حور پری تمثال کے پہلو سے ملا کر بٹھلایا سر پر بادلے کا چندوا تانا۔ ان دونوں ماہ و مشتری کو آئینے کے برج مصفا میں قران السعدین کیا۔ اس سطحۂ خاک کی مجلس سنوارنے والوں کی مبارک سلامت کا شور آسمان کی محفل کے آراستہ کرنے ہاروں کے گوش دل تک پہنچا۔ تہنیت و خرمی کا غل جہان کی بزم روشن کرنے والوں کا زمین کے کان سے لے کر دماغ زماں تک پھیل گیا۔

غرض اس خوشی و خرمی میں یہاں تک زر و جواہران دونوں نونہالوں پر صدقے ہوا کہ جس کے بوجھ کا صدمہ سرے گائے تک پہنچا بلکہ فلک بریں بھی پشت دوتا ہو گیا۔ اتنے گل و پھول اس بزم رنگیں میں لٹائے اور اتنا عطر خرچ کیا کہ اس مجلس کے چمن کا صحن ختن کے صحرا کی بہار پہ طعن کرنے لگا جہان کے گلشنوں سے سبقت لے گیا۔ جس وقت بزم طرازی کے آئین و جلوہ افروزی کے قوانین نہایت فرخندگی و شائستگی کے ساتھ انجام کو پہنچے۔ جتنے ہوا خواہ اس چمن کے تھے سب کے سب ایک ایک بہانے کر کے جس طرح سے کہ طائران گلشن اڑ جاتے ہیں پرواز کر گئے۔ مثنوی

خواصیں جو تھیں روبرو ہٹ گئیں — بہانے سے ہر کام کے بٹ گئیں

جو نرگس کے دستے تھے واں بے شمار   لگے ڈھانپنے آنکھ بے اختیار

غرض اقبال وسعادت کے چمنستان کو انہی دونوں گل وبلبل کا خلوت خانہ کیا۔ صراحی مستوں کی مانند پیالے پر سر دھر کے رازِ دل ظاہر کرنے لگی اور شمعِ محرمِ راز نے از راہِ دل سوزی عیش وعشرت کے خلوت خانے کی دیدہ بانی کے واسطے ٹکٹکی باندھی۔ مباشرت کی شراب نے شہزادے کے ساغرِ دل میں جوش کھایا۔ اس گل اندام کا رخِ نازک جس طرح سے کہ دانۂ شبنم سے گل سرخ تر ہو جاتا ہے، عرقِ حیا سے بھر گیا۔ صحبت ناز ونیاز کی گرم ہوئی۔ خریدار کی طرف سے اضطرابی دکھلائی دی، صاحبِ مال کی طرف سے تحمل نظر پڑی۔ یہاں تک کہ آرزو کے ابر نے کامرانی کی ہوا میں مراد کی قنات گھیری اور وہ گل اندام پری دیدار شرابِ شوق کی بے حجابی سے اپنی عروسی پوشاک کے بند کھول کر اس بلبلِ شیدا کی گود میں جا بیٹھی۔ استقلال کی کلی امید کی ہوا سے کھل گئی۔ مقصد کا ابرِ نیساں گھر آیا۔ اور اس کی صدفِ سیمیں کو گوہرِ تمنا سے بھرنے لگا۔ مثنوی

لیا کھینچ پردہ انھوں نے شتاب   چھپے ایک جا[1] دو مہ و آفتاب

لگی ہونے بے پردہ جو چھیڑ چھاڑ   درِ حسن کے کھل گئے دو کواڑ

لگے پینے باہم شراب وصال   ہوئے نخلِ امید سے وہ نہال

لبوں سے ملے لب، دہن سے دہن   دلوں سے ملے دل بدن سے بدن

لگی آنکھ سے آنکھ خوش حال ہو   گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو

لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ   چلے ناز وغمزے کے آپس میں ہاتھ

کسی کی گئی چولی آگے سے چل   کسی کی گئی چین ساری نکل

اُٹھے پی کے باہم شرابِ امید   کوئی سرخ رُو اور کوئی روسفید

چھپر کھٹ سے رکھ اپنے باہر قدم   نکل آئے بھرتے محبت کا دم

نشے سے وہ لذت کے مدہوش ہو   گئے بیٹھ مسند پہ خاموش ہو

غرض شہزادہ کتنے رنج والم اُٹھا کر کنجِ راحت تک پہنچا۔ کتنی مصیبتیں تکلیفیں گوارا کر کے مراد کا گلدستہ تمنا کے گلشن سے اپنے ہاتھ میں لایا۔ شکرِ الٰہی ادا کیا۔ اُس کریم کارساز کی حمد وثنا کرنے لگا۔

---

[1] در متن: ہو

جب سلطان زریں قبا یعنی آفتاب جہاں تاب عروس عنبریں یعنی شبِ تار کے پہلو سے اٹھ کر صبح کے حجرے سے برآمد ہوا اور آوازہ اپنے نور بخشنے کا تمام جہان کے رہنے والوں کے گوش دل تک بطور گرمیوں مخبروں کے پہنچا کر اس زمانے کو زر افشاں کرنے لگا۔ شہزادہ بادشاہوں، سلاطینوں کے قاعدے سے خورشیدِ خاوری کی مانند عصمت کے حجرے اور عفت کے رنگ محل سے نکل کر جہان کا رونق بخشنے والا ہوا۔ بطور سلاطینوں، خواقینوں کے ایک عالم کو زر و جواہر خیرات کرنے لگا۔ خصوصًا اپنی مجلس کے لوگوں کو جواہر رنگا رنگ اور خلعتیں بیش قیمت چست و تنگ چمنستان کی بزم کے سنوارنے والوں کی طرح عطا کر کے یہاں تک شاد و خرم کیا کہ ہر ایک کا غنچۂ دل مارے خوشی کے گل کے مانند کھل گیا اور اس عورت ضعیف کو کہ جس کی تدبیر نیک کے باعث اس کے مقصد کے سر گنج سے طلسم ناامیدی کا ٹوٹا تھا اِس قدر اُس خدمتِ سعادت آگیں کے بدلے اور اس مہم مشکل [کے] عوض جواہر میں تول کر آرزو و نیاز کی تمنا سے بے نیاز کر دیا بلکہ اس عالمِ ضعیفی میں دربدر کے پھرنے اور کوچے کوچے کے بھیک[1] مانگنے سے باز رکھ کر صاحب گنج کر دکھلایا۔

آخر کار کتنے دنوں کے بعد جب عیش و عشرت سے خوب سیر ہوا اپنے شہر کی طرف جانے کا قصد دل میں[2] مصمم ٹھان کے رخصت ہونے کی خبر بادشاہ کے گوشِ مبارک تک پہنچائی اور اجابت کا دامن ہمت[3] کے ہاتھ سے پکڑ کر گھر جانے کے واسطے بہت سی منت سماجت کی۔

حاصل کلام چار و ناچار بادشاہ نے اس کی عرض کو کسی صورت سے قبولیت کی بارگاہ میں بار دے کر اپنے بزرگوں کے آئین سے ہمت کا گھوڑا جود و بخشش کے میدان میں جولاں کیا۔ بادشاہوں، سلاطینوں کے حوصلے سے بھی سوا ہزاروں گھوڑے ساز و یراق سے آراستہ کر کے سکڑوں ہاتھی بجھول دیائی جڑاؤ ہودج و عماری سے کسے کسائے جس پر بادلے کی جھولیں پڑی ہوئیں اور کتنے اونٹ نقدی سونے روپے کے محمل و کجاوے جن کے اوپر بندھے، بے شمار ناگوری بیلوں پر مشک و کافور کی گوندیں جن پر لدی ہوئیں۔ ان گنت چھکڑے زر و جواہر کے بھرے، کتنے چوپالے میانے جہان کی نادراتوں تحائفوں سے کسے، ہزاروں لونڈیاں خورشید دیدار، سیکڑوں غلام غلماں شعار کہ جن کے شمار کرنے کے وقت عقلِ مہندس بلکہ مہندس عقل عاجز و حیران ہو کر عرق انفعال کے باعث سر سے

در متن [1] بھیکھ [2] میں پر [3] ہمت

ے کر پاؤں تک دریائے سرم میں غرق ہو جائے۔ اس کے جہیز کے واسطے ہر ایک شہر و دیار سے منگوا کر اس کے ساتھ کر دیے۔

شہزادہ جو اس کر و فر اور اس عنایت و بخشش کے ساتھ اُس بادشاہِ جم جاہ کی جناب سے رخصت ہوا اور اس مہر سپہر جہاں داری کو ایک ایسی جھلا بور عماری میں کہ جس کی ادنیٰ صفت میں یہ بیت ہے۔ بیت

مرصع سقف او چوں چتر جمشید زر افشاں قبہ اش چوں گوئے خورشید

ہزاروں زیب و زینت کے ساتھ سوار کر کے' آفتاب کی مانند راہ چلنے کی دقیقہ سنجی میں گرم رو ہوا اور اپنے ملک کا رستہ پکڑ کر ماہ کی طرح منزلوں کے قطع کرنے میں سریع السیر ہو کے چل نکلا۔

داستان

تقدیر کی کمین گاہ سے شیر کی مانند ہوشنگ کے جست کر کے ایک بڑھیا کی مدد سے اُس دلبری کے رمنے کی ہرنی دبوچ کر لے جانے کی یعنی مہرور بانو کو غول بیابانی کی طرح شہزادے کے ہاتھ سے اُڑانے اور راہِ سخت و مشکل میں اس کو حیران و سرگرداں کرنے کی

سچ ہے کہ جو کام ہونے والے ہیں اگرچہ وہ پردۂ تقدیر میں بطور دلہنوں کے مخفی، و خواہش خدا کے حجرے میں عروسوں کی مانند پوشیدہ، تھوڑے دنوں پردۂ پنہانی میں چھپے رہتے ہیں۔ ان کا ظاہر کرنا وقت معین اور ساعتِ مقرری پر اس کون فساد میں ساتھ خیر و شر کے پردۂ غیب سے خدائے کریم کے فرمانے، اور جنابِ باری تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے، بے شک و شبہ، وہ جب چاہے اس ڈھب کے تماشے عجیب و غریب دکھلائے۔

حاصل کلام اِس احوال نادر بیان کی حقیقت اور اچنبھے کی تفصیل کی کیفیت اس طور سے ہے کہ ہوشنگ نام ایک جوان جو گروہِ بادشاہوں اور زمرۂ سلاطینوں سے معروف و مشہور تھا اور مرغ دل اُس کا ایک مدت مدید سے مہرور بانو کی زلفِ عنبریں کے دام میں گرفتار و مبتلا ہو رہا تھا اور جس قدر کہ اس نے وصل کے میدان میں دوڑ دھوپ کر کے درد و دکھ سہے، رنج و الم اپنے اوپر گوارا کئے۔ اور مطلب کی راہ میں گرم رَو ہو کر اپنے تلووں میں چھالے ڈالے، پر ہرگز منزل مقصود کی راہ تک اپنے تئیں نہ پہنچا سکا، اور اب تو صریح مراد کے دروازے اُس کے دل و جان کی آنکھوں کے سامنے بند و مسدود ہو گئے تھے۔

چار و ناچار عشق قہرمان کے فرمان سے، مجنوں کی طرح اپنے دل شیدا کے پیچھے ہو لیا۔ اس

در متن: تدبیر

امید پر کہ شاید میری معشوقہ کی کاکل مشک فام کی بو نسیم سحری میرے دماغ تک پہنچادے، یا یادِ صبا اس کے گل سے چہرے کو کسی طرح دکھلاوے، بگولے کی مانند ہوا کے کندھے پر سوار ہو کے گرتا پڑتا ہر ایک منزل پر اس کے پیچھے پیچھے جا پہنچتا تھا، اور ایک دُبلی پتلی اکبڑی، بوڑھی عورت کو، جو ہمیشہ سے اُس کی کٹنی و مددگار تھی، اُس کے اُڑا لانے کو تعینات کیا اس واسطے کہ وہ اپنے تئیں سر گنج تک پہنچادے، اور اس کا طلسم اپنے ہاتھوں توڑے۔

غرض وہ بڑھیا، عشق کی ناگنی کے پکڑنے کو اس جہاں میں لاثانی سپیرن تھی بلکہ وہ خود جادو ٹونے کی اُستاد بے بدل بنی تھی۔ اس بات کے سنتے ہی شہزادے کے حال کی تو تبرِی سے کچھ کچھ منتر اپنے مکر و فریب کے اس پر دم کرکے دونہی لاٹھی ٹیکتی اور لڑکھڑاتی اپنی پال سے نکل آئی۔ مہرور بانو کی راوٹی میں چلی گئی اور اس کے سامنے اپنی آنکھوں سے آنسو کا طوفان برپا کرکے رونے لگی، بلکہ اس زمانے کے ظلم و ستم کا گلا کرکے بے اختیار دہاڑیں مارنے اور اس روزگار بد شعار کے جور و جفا کا شکوہ زبان پر لانے[1]

آخر مہرور بانو نے اس کی بے کسی و بے بسی پر رحم کھا کے اپنی بخشش و عنایت کے سائے میں بٹھلایا۔ مہربان ہو کر فرمایا کہ اس بڑھیا کی حاجت روائی (کے) واسطے کچھ تھوڑا بہت خزانۂ بادشاہی سے روز ینہ مقرر کرو، اس لئے کہ اس چرخِ ناہنجار کا دستِ ظلم اس کی بے کسی کے گریبان تک نہ پہنچے۔

شہزادے نے مہرور بانو سے کہا "اے گوہرِ دریائے محبوبی! واے سروِ چمنستانِ خوبی!! میں جو اس عورتِ ضعیف کے چہرے پر خیال کرتا ہوں، یقین کہ کہ ہزار دل طرح کے طوفانِ بلا اس کے تنورِ شکم سے جوشاں و خروشاں پاتا ہوں۔ انواع و اقسام کے فتنہ و فساد اس کے قیافے سے دیکھتا ہوں۔ سچ جان کہ ایسی مکر ہائی عورت کو اپنی حمایت کے سایہ میں جا دینا، اور ایسی صورت پر رحم کھانا، مشہور مثل ہے کہ "سانپ کو آستین میں پالنا، بھیڑیئے کو پہلو میں جگہ دینا ہے"۔ جس سے صلاح نیک یہی ہے کہ اس مکر ہائی کو جلد سرِ یچے سے نکلوادے جو پھر یہ کبھی تیرے اقبال و دولت کے خیمۂ عالی شان میں نہ آوے۔ کیوں کہ اس قطامہ کی صورت دیکھ کر میرا دل بے اختیار گھبرایا جاتا ہے۔ کلیجہ منہ کو چلا آتا ہے۔

اس سخن کو بادشاہ کی زبانی سن کر مہرور بانو نے عرض کی "اے دولت و اقبال کے زیب دینے والے! واے سریرِ سلطنت کے رونق بخشنے ہارے!! ایسی بڑھیا سے کہ جس کا قد ضعف و ناتوانی کے

---

[1] در متن: لانے اوتار

باعث، اور فلک دوں پرور کے جور وستم کے سبب کمان کی طرح خم اور ہلال کی مانند پشت دوتا ہو رہا ہے، خوف وخطر کرنے کا مقام کونسا ہے۔ یقین فرمایئے۔ جو کوئی اپنا آسرا پکڑے اس کو اپنی دست گیری سے باز رکھنا، اور جو کوئی میدانِ غربت کا تھکا ماندہ ہو، اس کو اپنی رفاقت کے سایہ میں ہمراہ کرنا۔ یہ آئینِ اہلِ مروتوں سے دور ہے۔

حاصل کلام تقدیر کا معشوق شوخ وشنگ، غیب کے حجرے سے نہایت ناز وادا کے ساتھ نکل آیا۔ تدبیر کا پردہ عقل کے دروازے سے اٹھا کر جلوہ گر ہوا۔ مثل مشہور ہے کہ "اَن ہونی ہوتی نہیں اور ہونی ہوئے سو ہوئے"۔ آخر شہزادے نے مہرور بانو کی ہٹ کے ڈر اور روٹھ جانے کے خوف سے اس بات کو قبول کیا اور اپنا رستہ پکڑا۔

قضا کار ایک دن کسی ایسی سرزمین پر جا پہنچے کہ جہاں کوسوں تک طرح طرح کے درخت میووں سے لدے، برے بھرے، روح افزا نظر آتے تھے اور ہزاروں کھیت وہاں کے لہلہاتے دلکشا دکھائی دیتے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے چلنے اور ہری ہری گھاس مینا رنگ (کے) لہلہانے سے، بے شراب و کباب کے ہر ایک کا دل، جو سفر کے غم سے مضمحل ہو رہا تھا، مارے خوشی وخرمی کے گل کی طرح کھل گیا ہر ایک چھوٹا بڑا اس بہار کو دیکھ کر شادی وبے غمی کی شراب کے پینے سے مستوں، مخموروں کی مانند عیش وعشرت کے بچھونے پر لوٹنے لگا۔

شہزادہ بھی اُس مکانِ جاں بخش کی آب وہوا اور ایسی منزل دلچسپ کے گل وپھول کو دیکھ کر آپ میں نہ رہا۔ نہایت حشاش وبشاش ہوا۔ دو چار جام شرابِ ارغوانی کے نوش کر کے شکار کھیلنے کے واسطے ایک ایسے گھوڑے پر جو ہوا کو ٹھوکر مارتا تھا چڑھ بیٹھا۔ قصد کی باگ اِس بیابان کی طرف ڈھیلی کر کے اپنے بادپا کو کڑکا گیا اور اُس عورت ضعیف ومکار نے، جو ہمیشہ فرصت کا وقت ڈھونڈا کرتی تھی، تاب وہی کی گھات میں رہا کرتی تھی، اس وقت شہزادے کا شکار گاہ میں جانا دولت عظمیٰ جان کر ہوشنگ کو اس احوال سے آگاہ کیا۔

وہ بے دل مجنوں کیش، جو ایک مدت سے اپنی نقد جاں اُس لیلیٰ کردار کی راہ میں برباد کر چکا تھا اور اپنا سر تا حال اس کی جستجو کی راہ میں ہتھیلی پر دھرے پھرتا تھا، بلکہ رات دن مجنوں کی مانند اس کی

در متن ۔ ۔ چتر

یاد میں صحرا نورد تھا، اس خبر فرحت کے سنتے ہی ایک برق سے گھوڑے جہاں پیما پر سوار ہوا۔ غرض شہزادے کے خیمے تک جا پہنچا اور ایک گھوڑا گلگوں فام، بادپا، ایک سائیس چالاک و چست سمیت اُس بڑھیا کے ساتھ کر دیا۔

وہ پیرزن اس نفر کو گھوڑے سمیت خیمے کی قنات کے پاس کھڑا کر کے نہایت اضطرابی و اضطراری سے بادشاہی راوٹی میں چلی گئی اور ہاتھ جوڑ کر مہرو بانو کی خدمت میں عرض کرنے لگی واری جاؤں اس وقت تیرے شہزادے نے بہرام گور کی مانند اپنے تیر سے جو سنگ خارا کے دوسار ہوتا ہے، ایک ہرن شکار کیا ہے، اور ایک ایسے باغ مینو سواد میں جو فی الحقیقت فردوس بریں کا نمونہ ہے عیش و عشرت کی مجلس آراستہ کی ہے، لیکن تیرے جمال نور افشاں، جہاں افروز کے نہ ہونے سے یہ جہاں اس کی آنکھوں میں تنگ و تاریک نظر آتا ہے، بلکہ اس کے دل کی شبستاں بے تیرے رخ تاباں کی شمع روشن کے اندھیاری پڑی رہتی ہے .... اب آپ ہی اضطرابی و بیقراری کے گھوڑے پر سوار ہو کے تیرے لینے کو سراپچے کے قریب آ پہنچا ہے اور ایک گھوڑا نہایت چالاک ہوا سے باتیں کرنے والا تیری سواری کو بھیجا ہے۔ میں ابھی اس گھوڑے کو باہر قنات سے لگا کر کھڑا کروا آئی ہوں۔ لازم ہے کہ تو بھی اس کام میں دیر نہ کرے۔ نہایت جلد جا کر اپنے ناز و کرشمے کے پانی سے اس کی اضطرابی و بے قراری کی آگ بجھاوے، اور اس کی اضطرابی و اضطراری کے شعلے زیادہ نہ بھڑکنے دے۔

اس بات کے سنتے ہی مہرو بانو ہوشیاری و استقلال کے کوچے سے نکل کر اختیار کی باگ تحمل کے ہاتھ سے دے بیٹھی۔ بلاتحاشہ مسندِ راحت سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے چاند سے مکھڑے کو حجاب کے نقاب سے چھپا کر لونڈیوں، خواصوں، غلاموں، خواجہ سراؤں کو راوٹی میں چھوڑا، شیریں کی طرح اس گلگوں بادپا پر سوار ہوئی، پر اتنا نہ سمجھی کہ یہ چرخ ناہنجار فرہاد کی مانند غم کا تیشہ میرے سر پر مارا چاہتا ہے غرض ہو شتنگ کو اپنا بادشاہ جان کر سبک روی کے گھوڑے پر سوار ہوئی۔

جب اس بے دل نے دیکھا کہ یہ فلک دوں پرور میرا ہوا خواہ ہوا اور اقبال و دولت کا ہما مراد کے جال میں خود بخود آ پڑا؛ نہایت خوش ہو کر ہوا کی مانند اُڑ چلا اور مہرو بانو کا گھوڑا اپنے ہم عنان کر کے بادِ نسیم کی طرح سبک رو ہوا۔ یہاں تک کہ ایک ایسے دریائے متلاطم کے کنارے

جا پہنچا کہ جس سے بے کشتی پار ہونا ممکن نہ تھا۔ غرض بہرصورت ایک ڈونگی کہیں سے لایا اور اُس کے اوپر مہرور بانو کو لئے ہوئے گھوڑوں سمیت پار ہو گیا۔ اس (کا) سراغ نہ لگنے اور اس نقش کے مٹانے کے واسطے اس کشتی کو اسی کنارے ڈبو دیا۔[1] اپنے ملک کی طرف چل نکلا بلکہ راہ کے[2] نشیب و فراز پر مطلق دھیان نہ کرکے نہایت خوشی و خرمی[3] سے جنگلوں، پہاڑوں کی منزلیں طے کرنے میں از بسکہ تیز رو ہوا بیت

رنج کو راحت سمجھ کر ہے ترا[4] مقصد بڑا   خاک کو بھیڑوں کی سرمہ جانتا ہے بھیڑیا

جب راہ چلنے کا اندازہ حساب کے دائرے سے نکل گیا، اور قطع منازل شمار نے اپنا قدم قیاس کے حلقے سے باہر رکھا۔ ماندگی کے آثار مہرور بانو کے ہر ایک اعضا سے ظاہر ہوئے۔ پانوں رکابوں پر دھرے دھرے بھر گئے، طاقت طاق ہو گئی، بے اختیار رُو رُو کر کہنے لگی۔ اے شہزادے اس جلدی کے ساتھ کہاں لئے جاتا ہے؟ خدا کے واسطے قدرے سُستا کہ میرا تمام بدن مارے ماندگی کے درد کرنے لگا۔

ہوشنگ نے اس وقت بات کرنا مناسب نہ جانا چپ ہو رہا مطلق اس کا جواب نہ دیا۔ مہرور بانو کو اس بات سے اور بھی حیرانی و پریشانی ہوئی۔ دہشت و ہراس نے دل میں جگہ کی کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ غول بیابانی مجھ کو فریب دے کر اس موت کے جنگل میں لے آیا ہو۔

یہ سوچ کر وونہی اپنے چہرے سے برقعہ اٹھا دیا اور ہوشنگ کی طرف دیکھا اس لئے کہ یہ راز پوشیدہ کھل جاوے کہ یہ کون ہے اور یہ معاملہ کیا ہے جونہی[5] چشم غور سے دیکھا، ایک شخص ایسا اجنبی و ناآشنا صورت نظر پڑا کہ جس کے بشرے سے ہرگز دوستی و اپنایت کا آثار نہ پایا، نہایت ڈری۔ اس واسطے کہ کہیں یہ دن خدا[6] نہ دکھلائے کہ میرے سنبلستان کی لٹ اِس اُلو کے چنگل میں پڑ جائے، میرے گلشن کی سرو کی ڈالی پر کوا اپنا گھونسلا کرے۔ یہاں تک ڈری کہ بید کی طرح کانپنے لگی بلکہ اس دہشتِ جاں گداز سے بطور تصویر کے خشک ہو کر بے حس و حرکت ہو گئی۔

آخر ہوشنگ سے کہنے لگی اے شخص تو کون ہے؟ اور کس قوم سے، نام تیرا کیا ہے؛ جو تیری ہمراہی کے باعث مارے خوف کے میری جان چلی جاتی ہے۔ قریب ہے کہ میرا مرغ روح قفسِ[7] عنصری

درمتن۔ [1] ڈوبا [2] کی [3] خورمی [4] کر [5] تیرا [6] جوں [7] خدائے [8] قفص

سے پرواز کرجائے۔

ناچار ہوشنگ نے ہاتھ باندھ کر التماس کیا "اے عاشقوں کی جان بخشنے والی! ولے بے کسوں پر بساطوں کی راحت دینے ہاری!! میں تیرے بندوں میں ایک ایسا غلام بے درم و دام کے مول لیا ہوا ہوں کہ تیرے ملنے کی آرزو میں اپنے صبر و قرار کی دولت ایک مدت سے لٹا کر فقیر ہوگیا ہوں، اور تیری چاہ میں اپنی جان و زندگی سے کب کا ہاتھ دھوچکا ہوں۔ سچ جان کہ تیری غلامی کو بادشاہی پر ترجیح دے کر اسی جستجو میں تختِ جہانداری خاک میں ملا دیا۔ حال فقیری اختیار کیا تیرے کوچے کی خاک اپنی چشم زار میں بطور سرمے کے دیتا ہوں ہوں اور تیری بندگی کو دونوں جہان کا فخر جانتا ہوں۔ اگرچہ میں بادشاہ آزاد طبع ہوں پر تیری قید سے ایک دم رہا ہونے کو گوارا نہیں کرتا۔ مثنوی

تیرا ہی رنج و الم ہے میری قسمت میں لکھا | تیری ہی الفت کا ہے پودا مرے دل میں لگا
کردیا ہے تیرے ہی غم نے میرا دل داغ داغ | اور کیا ہے تیری ہی الفت نے مجھ کو باغ باغ
تیرا ہی رکھتا تھا میں کتنے دنوں سے انتظار | تیرے ہی غم میں گیا کب سے میرا صبر و قرار
گو تیرے ملنے کا رستہ تیغ کی ہو باڑھ پر | سر کے بل اس پر چلوں سچ جان بے خوف و خطر

پس اس حالت ملامت میں مجھ سے غریب و نیم جاں سے نفرت کرنے سبب کیا ہے؟ اور مجھ ایسے بادشاہ گیتی پناہ کو اپنی غلامی میں قبول نہ کرنے کا موجب کیا ہے؟

مہر دربانو جونہی اس احوال کی کیفیت سے آگاہ ہوئی مصلحت وقت سمجھ کر نہایت خوش دلی و کشادہ پیشانی سے کہنے لگی۔ اے میرے دل کی آرزو کے چمنستان کے سروِ خوش رفتار! وائے میری خاطرِ نازک کے مقصد کی ڈبیا کے گوہر آبدار!! یقین کر یہ وہ مقام ہے کہ میں اپنی عاجزی کا ماتھا خاکِ منت پر رکھوں اور اپنے دل و دیدہ کو تیرے پاؤں کی خاک پر نثار کروں۔ ایک مدت سے تیرے غم کا تیر میرے جگر کے دوسار ہے۔ اور تیرے عشق کی آگ میرے سینے میں شعلہ بار۔

اگرچہ اس جہان کے تمام بادشاہوں، سلاطینوں نے میرے واسطے اپنی اپنی ہمت کی کمر باندھ کر میرے بابا جان کو ہر ایک نے خط لکھے، پر میں نے ہر ایک کا خط پھاڑ ڈالا۔ تیرے نام کو اپنے دل کے نگینے پر نقش کا ابھر کیا لیکن میرے گوہر وجود کو تیری زوجیت کے رشتے میں منسلک نہ ہونے کا یہ باعث تھا کہ میرے ہاتھ میں اختیار کی پیچک کا سررشتہ کسی نے نہ دیا۔ ناچار لالہ کی طرح تمنا کا داغ اپنے

دل پر گوارا کر کے چپ ہو رہی پر میری خاطر غمگین تیری ہی جستجو میں سنبل کی مانند پریشان رہا کی۔

اب جو خدائے کریم کے فضل و کرم سے میرے بخت بیدار نے یاوری کی اور اس فلکِ کج رفتار نے مکر راستی پر باندھی۔ جو تیرے رخسار نورانی کے جمال سے میری آنکھوں کو نور ملا اور دل میرا وصل کی شراب کے نشے سے مست و مسرور ہو گیا۔ بیت

شکرِ خدا کہ جو کچھ میں نے خدا سے چاہا ہمت کی انتہا سے مقصد میرا بر آیا

لیکن ایک بڑی مشکل ہے کہ جس کے حل نہ ہونے کے باعث میرے دل بے تاب کو نہایت بیتابی ہے۔ اور میری خاطر نازک کو ازبس کہ اضطرابی۔ کیوں کہ میں نے اپنے کریم کارساز سے کہ وہ مایوسوں نا امیدوں کا مقصد بر لانے والا، حیرانوں پریشانوں کے زخم دل پر مرہم لگانے ہارا ہے۔ یہ عہد و پیمان کیا ہے کہ جس وقت میں اپنے بخت بیدار کی یاوری اور اپنے اختر کامگار کی مددگاری کے باعث امید کے گلشن سے مراد کے گل و پھول چنوں یعنی تیرا جمال آرا اپنی آنکھوں، اسی گھڑی سے چار مہینے تک ریاضت کے حجرے میں تن تنہا بیٹھ کر چلے کھینچوں، گوشۂ اعتکاف اختیار کروں۔ اپنے دہن کی ڈبیا پر روزے کی مہر کروں، ہر ایک شام کو افطاری کے وقت محتاجوں مسکینوں کو اس دولتِ عظمیٰ کے شکر کی عوض اچھے اچھے کھانے خاصے خاصے میوے قند و گلاب کے شربت سمیت بھر بھر پیٹ کھلاؤں۔

لیکن ڈر اس بات کا ہے کہ تو اس منت[۱] کے ادا کرنے میں میری مدد نہ کرے، اور اس مشکل کی اعانت میں دل نہ دے، اور اس عہد و پیمان تک تو مجھ سے جدا رہنے کی تاب نہ لا سکے، میرے باغِ وصال سے گل و پھول کے چننے میں مشغول ہوئے اور میرے دامن حال کو مباشرت کے پانی سے تر کرے۔ اس عہد شکنی کے باعث کہ یہ طریق وفاداروں، خدا پرستوں، کے مذہب میں کفر ہے، وفا پرستی کے بالا خانے کی بنیاد میں ایک خلل واقع ہووے، یکایک مقصد کی کشتی پر تباہی آوے۔ غرض کتنے دنوں کے بعد جو یہ رشتۂ مراد ہزاروں نیاز نیم شبی اور سینکڑوں دعائیں صبح گاہی کے وسیلے سے ہاتھ لگا ہے، اس بدعہدی کی کشمکش سے ٹوٹ کر ہاتھ سے جاتا رہے اور مقصد کا غنچہ شاخ امل سے کھلتے کھلتے مرجھا کر خاک مذلت پر وعدہ شکنی کی بادِ گرم کے بہ سبب گر پڑے۔

ہاں اگر قدرے تحمل و تامل کرے تو ظاہر ہے کہ اتنے دن عہد و پیمان کے پل مارتے گذر

---

[۱] در متن: نہ منت

جائیں گے۔ کیونکہ جس وقت یہ روز سیاہ اس ناامیدی کے ساتھ کٹ گئے، بے شک مراد بر آئی۔ پس اب تو تمنا کی ڈالی امید کے پھولوں سے لدی، آرزو کے نخل کی شاخ مراد کے پھل سے بار آور ہوئی ہے۔ اس مقام میں اضطرابی و بے قراری کرنا نامناسب ہے۔

ہوشنگ نے جو ایسے سخن مہر انگیز اور ایسے کلام دل آوا مہر و ربانو کی زبان نادر بیان سے سُنے، مارے خوشی و خرمی کے اپنے پیراہن سے نکل چلا۔ بلکہ جس طرح نسیم سحر کے باعث غنچہ کھل جاتا ہے، شگفتہ ہو گیا۔ اور اپنے عجز کا ماتھا خاکِ منت پر دھر کے اس قادر بیچوں کی درگاہ میں ہزاروں سجدۂ شکر بجا لایا اور کہنے لگا اے جان جہاں میری جان و دل، تیرے ایسے سخن دل آویز پر قربان اور میرا ملک و مال تیرے کلام مہر انگیز پر صدقے ہر آن یقین کر کہ میں تیرے عشق کی تیغ کا گھائل اور تیری کاکل مشکین پر قربان اور مائل ہوں۔ بس تو ہی بتلا کہ میں اپنا مال و اموال تجھ سے کیوں کر دریغ کروں گا اور کس صورت سے تیرے حکم کو نہ مانوں گا۔ بیت

عاشقوں کا سر نہیں رہتا ہے ان کے اختیار　　حکم جو ہوگا تیرا سر سے بجا لائیں گے وہ

خدا کے واسطے اتنی بات کے لئے اپنی خاطرِ نازک پہ ملال نہ لا بموجب اس کے مصرع

دعدے کو وفا کرنا ہر کام سے ہے بہتر

چنانچہ کہہ گئے ہیں کہ وفا کر اور تا مقدور اس کی جستجو میں رہ۔ سچ جان تو جو آرزو و تمنا رکھتی ہے اور جو بات تیرے دل میں آئی ہے بے حجابانہ[1] مجھ سے کہہ۔ خدا کی قسم جو کچھ تو اپنے زبان مبارک سے ارشاد کرے گی، میں بسر و چشم قبول کروں گا۔

آخر کار مہر و ربانو کو اپنے ملک لے گیا اور شہر کے کوس آدھ کوس کے فاصلے پر اس کے کہنے کے بموجب تن تنہا ایک گوشے میں بٹھلا دیا۔ ضیافت کا سر انجام اور مہمان داری کا اسباب سونے روپے کے باسنوں سمیت جس قدر کہ درکار تھا، مہیا کیا۔ محتاجوں فقیروں کے کھلانے پلانے کے واسطے بہت سے غلام و خدمت گار کار کردہ ہوشیار اس کی خدمت میں چھوڑے۔ کتنے سوار و پیادے اور کتنے ثابت خانی[2] میواتی اس کے حجرے کے گرد بٹھلائے۔ اس واسطے کہ وہ روز و شب نہایت ہوشیاری و خبرداری سے چوکی پہرے میں سرگرم رہیں۔ بلکہ یہاں تک قدغن کریں کہ پرندے کے نام سے بھنگے کو اس کے حجرے کی ....

در متن ۔ ۱ عجانہ

سے بھی نہ گزرنے دیں۔ چونکہ کی عوض ایک چوہے کو نہ چھوڑیں اور آپ اس غم والم کے کانٹے کو اپنے پائے دل سے نکال کر نہایت شاد و خرم ہوا۔ اور اپنے دولت خانے میں داخل ہو کر عیش و عشرت کی مجلس بڑی دھوم دھام سے آراستہ کی جشن کرنے لگا۔ ہر ایک کو انعام واکرام سے مالا مال کر دیا اور اتنے دن عہد و پیمان کے کٹنے کی خاطر بطور بادشاہوں، سلاطینوں کے سیر و شکار میں مشغول ہوا۔

اگرچہ وہ اپنے دل کے گوشے کو مہر و بانو کی چوگان مین رکھتا تھا اور مرغ دل اس کا اس آسمانِ نیکوئی کی زہرجبیں کے باز کے چنگل کا شکار ہو گیا تھا۔ لیکن مارے خوشی و خرمی کے ہر ایک طرف سے اپنے دل کو اٹھا کر نجومیوں رمالوں کی طرح ہی وعدے کے دن گنا کرتا۔ رات دن وعدے کے وقت کا منتظر رہتا۔

قصہ

شہزادے کے اپنے خرمنِ دل پر غضب کی برق کے پڑنے سے آگاہ ہونے اور غم کے شعلے سے پروانے کی مانند جلنے، مرغِ بسمل کی طرح خاک و خون میں تڑپنے، اور ہمراہیوں، رفیقوں کی مدد و یاوری کے باعث "مہرور بانو" کی صومعہ گاہ تک اپنے پہنچانے اور وہاں سے اپنے شہر کی طرف پھر متوجہ ہونے کا

جب وہ شہزادہ برگشتہ بخت وہاں سے پھر کر اپنی خاص راؤٹی میں آیا اور اس احوال پر ملال سے آگاہ ہوا کہ میرا آہوئے مشکیں، شیر کا شکار ہو گیا اور طاؤس طناز شہباز کے جنگل میں جا پڑا۔ اس واردات کے غم سے رنج و مصیبت کی آگ اس کے سر سے پاؤں تک بھڑک اٹھی۔ جنوں کی لَو دماغ دل تک پہنچی نہایت غمگینی و پریشانی سے کاہ خشک کی مانند خاک مذلت پر لوٹنے لگا۔ گل کی طرح اپنی قبا کا گریبان پھاڑ ڈالا بے قراری و بے ہوشی سے اپنے اوپر مصیبت کی خاک اڑانے میں مشغول ہوا اور چشم دریا بار سے اشک خونی بہانے لگا۔ کبھی بطور دیوانوں کے اس ماہ وش کے نقشِ پا پر اپنا سر دھرتا۔ کبھی مجنوں کی طرح اس لیلیٰ کی یاد میں آہ و زاری کرتا۔ کبھی بادِ نسیم سے ہزاروں طرح کی منتیں اور سماجتیں کر کے اس گل رخسار کی بوئے خوش طلب کرتا۔ کبھی بادِ سحری سے لاکھوں عاجزیوں و انکساریوں کے ساتھ اپنا احوالِ دل کہلا بھیجتا۔

نہ دان کھانا پینا سونا رات دن کا چھوڑ دیا آٹھوں پہر غش رہنے لگا۔ جب افاقہ ہوتا، اُسی غارت گرِ دین و ایماں کو یاد کرتا۔ اسی کے احوال کی جستجو میں رہتا کہ وہ اپنی زلفِ مسلسل مشکیں کو اب کیونکر تاب دیتی ہے اور وہ گل اندام شیریں کلام کس طرح اپنے غنچہ دہن کو مستی میں کھولتی ہے وہ نرگسی انکھڑیاں کس کے دید سے سیر ہوتی ہیں۔ اُس رشکِ قمر کے رخسار کا تل کس کے مرغ دل کے گرفتار کرنے کو دانا و دام ہوا ہے۔

خدا کے واسطے اے نسیم صبح گاہی اگر تو میری معشوقہ کے کوچے میں جاوے، تو مجھ سے دل سوختہ و خوں طپیدہ کے احوال پریشاں کی خبر اس تک پہنچادے۔ کہ وہ غریب و بے چارہ تیری آرزو میں تخت بادشاہی چھوڑ کر خاک مذلت پر لوٹتا ہے۔ قبائے خسروی کی بجائے غریبوں کی سی گدڑی پہن کر پتھروں کنکروں سے سر پھوڑتا ہے۔ کلاہ بادشاہی سر سے پھینک کر تیرے ہی نقش پا کے اوپر اپنی پیشانی دھرتا ہے۔ نعرے مارتا ہے۔ جیح جان کہ اب تو اس سے فریاد و فغاں کی بھی طاقت طاق ہوگئی اور یہاں تک تیری جستجو میں دوڑ دھوپ کی کہ چلنے پھرنے کی بھی قوت نہ رہی۔ ہے ہے اس دل افگار کی بے کسی پر رحم کر۔ ایک بار نہایت زیب و زینت کے ساتھ کسی گوشے سے نکل کر اس کے سامنے ناز و ادا کرتی ہوئی جلوہ گر ہو اور اپنے اس سرو ناز نین کے سائے کو اس غم و الم کی دھوپ کے جلے بھنے ہوئے کے سر پر ڈال۔ اس کا سر خاک ذلت سے اٹھا کر اپنے زانو پر دھر۔ کیوں کہ اب وہ نیم جاں گھڑی آدھ گھڑی کا اس جہانِ فانی میں مہمان ہے۔ یقین کر اگر کچھ دیر کرے گی تو سوائے خاک کے ڈھیر کے اور کچھ نہ دیکھے گی بلکہ بادِ صرصر اس کو بھی در در اُڑاتی پھرے گی۔ مثنوی

کدھر ہے تجھے کہاں میں پاؤں	طومار الم کسے سناؤں
نالاں ہوں تیرے ستم سے پیارے	بے تیرے ملے یہ داد کس سے
ناموس کا آہ میری شیشا	سنگِ ستم و جفا سے پھوٹا
آئینہ سبک میرا کہوں کیا	پتھر سے الم کے آہ ٹوٹا
ماٹی پہ گرا ہوں لڑکھڑا کے	تک بہرِ خدا مجھے اُٹھا لے

القصہ اس جاں بخش کا نام و نشاں مطلق نہ دیکھا۔ رونے لگا۔ جنوں نے ازبس کہ اس کی طبع نازک پر غلبہ کیا۔ اپنی پریشان دلی سے کلمۂ پریشانی زبان پر لایا، واہیات بکنے لگا۔ غرض یہاں تک دیوانہ بنا کہ اس کے حال پریشاں کو دیکھ کر اپنے بیگانے رونے لگے بلکہ اس کی بے کسی و بے بسی پر دوست و دشمن کے جگر پھٹ گئے۔

ناچار وزیر بچے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر عرض کی اے شہزادے اس دیوانہ پن سے کیا فائدہ اور اس آہ و زاری سے کیا ملے گا !! لازم ہے کہ اپنے دل بے قرار کو ڈھارس بندھا، صبر و شکیبائی

در متن نسخہ میں سرتہ پھر کے سے کے

کی باگ استقلال کے ہاتھ سے نہ دے کیوں کہ اس کون و فساد میں کہ یہ مکانِ معیبت و مشقت کا منبع ہے، اور سطحِ خاک کے دستر خوان کے آتش کھانے والوں پر اس روز گار ناہنجار کے ہاتھ سے بہت آفتیں پوشیدہ پڑتی ہیں۔ بہت سے حادثے اُن کے آگے آتے ہیں۔ سچ جان کہ اس فلک نیلی قبا کی ہر ایک گردش میں ہزاروں طرح کی اذیتیں سربستہ ہیں۔ سینکڑوں قسم کی معیبتیں پوشیدہ بے شک و شبہ اس چرخ چنبری کے دور میں لاکھوں مشکلیں پنہاں اور کروڑوں مشقتیں بے سر و پا بھری ہیں۔

لیکن جو مرد کار آزمودہ و صاحب استقلال ہیں اور تحمل و تامل کے مراتب بخوبی جانتے ہیں وہ پہاڑ کی مانند اپنے پاؤں کو صبر و شکیبائی کے دامن میں لپیٹ کر ہرگز اپنی جگہ (سے) جنبش نہیں کرتے مثل مشہور ہے "جو کچھ خدا دکھائے سونا چار دیکھنا"۔ بہتر یہی ہے کہ جب تک یہ رنج والم اپنے درپیش ہے بے استقلال ہو کر اپنے تئیں دریائے متلاطم میں نہ ڈبویا[1] چاہیئے بلکہ تدبیر کی کشتی بہم پہنچا کر درد والم کے بھنور سے نکلے اپنے تئیں عافیت کے کنارے پہنچائے۔ مثنوی

بادِ صرصر آفتیں گو سر پہ لائے	اہلِ دانش چاہیے ان کو اُٹھائے
ہاتھ سے دے کر تحمل کی عنان	کاہ کی مانند نہ چھوڑے وہ مکاں
ابر نیساں دُر بنے ہیں صبر سے	لعل، سنگ پیدا کرے ہے صبر سے
صبر کے باعث یہ قطرہ آب کا	رحم سے نکلے ہے ہو کر ماہ سا

بالفعل یہ عقل رسا جو گمراہوں کی رہبر و پیشوا ہے اس طور سے رہنمونی کرتی ہے کہ یہ جوان ملاح جو جہاں پناہ کے ہمراہ ہے رہبری کے پیشے میں استاد کامل، کارستانی کے پیشے میں عیار بے بدل نظر آتا ہے۔ یہ اس کام پر ہمت کی (کمر) باندھے اور ایک ایسی راہِ راست لے چلے کہ جس سے مقصد کی منزل کا سراغ ملے۔ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے جس وقت اس سرزمین پر جا پہنچیں گے، اس گھڑی جس صورت سے مناسب جانیں گے، تدبیر کی سیڑی لگا کر مراد کے کوٹھے پر چڑھ جائیں گے۔

شہزادے نے وزیر بچے کی عقل رسا کی خیر اندیشی پر اپنا تمام مال و اموال زر و جواہر جو بادشاہوں سلاطینوں کی طرح اپنے ساتھ رکھتا تھا فقیروں، محتاجوں، غریبوں، مسکینوں کو بنامِ مولا لٹا[2] دیا۔ اور آپ لباس خاکساری و کسوتِ گدائی پہن کر ہمراہیوں سمیت اس ملاح کے پیچھے پیچھے امید کی راہ

در متن [1] ڈبایا [2] لوٹایا

طے کرنے میں مشغول ہوا۔ تھوڑے دنوں میں ایک دریائے متلاطم کے کنارے جا پہنچا۔ جب دیکھا انھوں نے کہ اس دریائے جاں گداز سے بے کشتی پار ہونا ممکن نہیں، گھڑی آدھ گھڑی نقطے کی طرح توقف کے دائرے میں سر جھکائے پڑے رہے۔

آخر کار اس ملاح نوح کردار نے کسی درخت کی دو چار ڈالیاں لا کر ایک ایسی ڈونگی بنائی کہ جس کے وسیلے سے وہ سب کے سب اس دریائے شور سے پار ہو گئے۔ امید کی پگڈنڈی قدم دھرتے ہوئے ایک سمت کو چل نکلے۔ بعد کتنے دنوں کے جب بہت سی منزلیں طے کیں، از بس کہ مصیبتیں مہرو بانو کی صومعہ گاہ کی راہ پر چڑھے بلکہ اس مکان سعادت نشان کے دروازے پر جا پہنچے۔

نگہبان و دربان اُن محتاجوں، غریب زدوں کی ضیافت و مہمانداری کے واسطے بہ ہیر ہو کے غریب پروری کے آئین و مہمانداری کے قوانین کے ساتھ بادشاہی لنگر خانے میں لے گئے اور جس قدر کھلانے پلانے کے لئے درکار تھا اس سے بھی چوچند مہیا کیا۔ بطور میزبانوں کریم طبعوں کے مراسم دلداری و مراتب غریب نوازی بالکل بجالائے۔

جب وہ بے چارے درد دُکھ کے مارے بھوک پیاس سے آسودہ ہوئے اور آفتاب کی گرمی جو راہ چلنے کے باعث ان کی ہڈی ہڈی میں سما گئی تھی، قند و گلاب کے ٹھنڈے شربت کے پینے سے تمام کمال نکل گئی۔ راہ کی مصیبت سے جو ہوش و حواس ان کے منتشر ہو گئے تھے، ستانے سے قدرے جمع ہوئے۔ وزیر بچے نے باورچی خانے کے اہتمامیوں، ضیافت کرنے والوں کے سرداروں سے پوچھا کہ اس لنگر خانے کا بانی و مبانی کون شخص صاحب ہمتوں، غریب پروروں میں سے ہے؟ جو اس مسافر نوازی و مسکین پروری کے ساتھ تمام جہاں کے اہل توفیقوں، مخیروں سے سبقت لے گیا۔ یقین کرو کہ ہم فقیروں جہاں کے پھرنے ہاروں نے جہاں کی سیر کی پر ایسا سخی نیک نیت عالی طبع بادشاہوں، دولت مندوں میں سے آج تک نہیں دیکھا۔

یہ بات سن کر ان میں سے ایک جوان فرشتہ خو نے کہا۔ اے مسافر اس کار خیر کی مالک مہرو بانو نامی ایک بی بی جہاں پرور مشہور ہے۔ اسی کی جود و بخشش کا شہرہ اس کے جمال جہاں آرا کی مانند مشرق سے لے کر مغرب تک پہنچا ہے۔ اسی مہر لقا کے چاند سے رخسار کی تمنا میں جہاں کے بادشاہ گیتی پناہ اس دنیا کے گوشۂ بساط پر بیٹھ کر شہ مات ہوئے ہیں۔

شہزادے نے جونہی[1] اپنی معشوقہ کا نام جاں بخش سنا بے اختیار رو دیا۔ بلکہ دیوانوں کی طرح ہوش و حواس سے ہاتھ اٹھا کر سائے کی مانند سر کے بل[2] خاک مذلت پر گر پڑا اور بطور تصویر کے بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔ اتنے میں وزیر بچے نے اس لئے کہ راز ان لوگوں پر نہ کھلے[3] اور اس بھید کا حرف ان کے دل کی تختی پر نقش نہ باندھے، دانائی و ہوشیاری کو کام فرما کے ان لوگوں سے تھوڑا سا گلاب مانگ لیا اور اپنے اس شہزادے مت کھوئے کے منہ پر چھڑک کر دوبارہ ان سے پوچھا کہ یارو سچ کہو اس شہر میں کوئی ایسا حکیم یا بید کامل فن لقمانِ وقت مسیحا دم ہے جو اس فقیر کی مرگی کا مرض کھو دے؛

غرض اس طور کی گفتگو سے اس رازِ پوشیدہ کو ظاہر نہ ہونے دیا اور تجاہل سے کہا کہ مہرور بانو کون ہے؟ جس نے ایسی چلہ نشینی اختیار کرکے اتنی داد و دہش شروع کی اس کا کیا سبب ہے؟ اور اپنے چاند سے ٹکڑے کو تحت الشعاع میں بیٹھ کر ماند کئے دیتی ہے، موجب کیا ہے؟ یہ بات سن کر اس جوان سادہ لوح نے مہرور بانو کی حقیقت ابتدا سے لے کر انتہا تک کہہ سنائی۔

شہزادہ جب اس احوال سے آگاہ ہوا کہ خدائے کریم کے فضل و کرم سے اب تک میرے ناموس کے خزانے پر باوجود اس ہرج مرج کے اس چرخ ناہنجار کے دست ظلم سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا اور نہ اب تک میری عزت کا مال زمانے کے رہزنوں کے ہاتھ سے غارت ہوا، مارے خوشی و خرمی کے اپنے پیراہن نکل چلا بلکہ اس خبر جاں بخش سے دوبارہ زندہ ہو کر ناامیدی کی راہ سراسیمگی کے طے کرنے سے باز رہا۔ امید کے ہاتھ سے تمنا کا شکاربند پکڑ کر درگاہ الٰہی میں نہایت عاجزی و انکساری سے اپنا سرِ عجز، خاک منت پر دھر کے یہ بیت پڑھنے لگا۔ بیت

آرزو پوری خدا نے کی میری غیب سے مجھ کو یہ خوش خبری ملی

اور ان لوگوں نے جو لنگر خانے میں فقیروں، غریبوں کے کھلانے پلانے کے لئے مقرر تھے مہمانداری کے مراتب بجالانے، میزبانی کے مراسم ادا کرنے کے بعد اپنے قاعدۂ قدیم سے ان فقیروں، سیاحوں کے وارد ہونے کی حقیقت مہرور بانو کی خواصوں، اُردابیگنوں، کلماقنیوں کی خدمت میں بہ آئین شائستہ و قوانین پسندیدہ سے گزارش کی۔ اس عزت و عصمت کے

در متن [1] جوں [2] بھل [3] کھولے

باغ کے سروِ خوش خرام نے اس کیفیت سے آگاہ ہو کر ایک عورت سادہ لوح کشادہ پیشانی اس کام کے واسطے تعین فرمائی کہ وہ ان فقیروں، درویشوں کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ادب آداب، حرکت و سکنات، دریافت کرے اور ان کی نشست و برخاست سے آگاہ ہوئے بلکہ رات دن کی اوقات وہاں رکھے۔ خور و پوش کی ماہیت نظر کر کے اس شہزادی عصمت قبا کی خدمت میں گزارش کرے۔

غرض وہ عورت ان سیاحوں کی گزران سے کماحقہ آگاہ ہو کر اپنی شہزادی کی خدمت میں گئی۔ التماس کرنے لگی صدقے جاؤں وہ پانچوں فقیر جو تازہ وارد ہیں، یقین کیجیے کہ آپس میں اس صورت سے دوستی و اتحاد رکھتے ہیں جس طرح انسان کے حواسِ خمسہ متفق ہوتے ہیں اور ہر ایک ان میں سے فقیروں کی سی گدڑی پہن کر طریق ریاضت کی جستجو میں سرگرم ہے۔ کھانا، پینا، اٹھنا بیٹھنا، رات دن کی مجلس کرنا ان پانچوں کا یکساں ہے۔ لیکن ان میں سے ایک کچھ عزت و تمکنت زیادہ رکھتا ہے۔ جس طرح سے سعادت مند مریدوں میں پیر مرتبہ رکھتا ہے کیوں کہ وہ ان میں ہر ایک صورت سے بزرگ معلوم ہوتا ہے۔

مہر و ربا نو جب ان جوانوں کی اوضاع و اطوار سے آگاہ ہوئی، آشنائی و شناسائی کے کوچے میں خیال کا پاؤں دھر کے پہچان گئی، کہ اس عافیت کی گلی کے بھورے نے اپنے تئیں افتاں و خیزاں یہاں تک پہنچایا۔ نہایت جی خوش کیا۔ حاصل کلام دوسرے دن احتیاط و تحقیقات کے واسطے تھوڑا سا میوہ ایک جڑاؤ خوان میں رکھوایا اور اس اوڑھنی سے ڈھانک کر جس کو شہزادہ پہچانتا تھا، اسی عورت بے وقوف کے ہاتھ بھجوا دیا۔

شہزادے نے جوں اس رومالی کو دیکھا جس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں حضرت یوسفؑ کے پیراہن کو دیکھ کر روشن ہو گئی تھیں نئے سر سے جی اٹھا اور بے اختیار اپنی چشمِ خونبار سے سیلِ اشک بہانے لگا اور وزیر بچے نے دو نہی چنبیلی کے پھولوں کا ایک گجرائی وضع کا چھلوان نہایت عمدہ جس قدر کہ چاہیے اُس عورت کے منتظر[1] رہنے کی احتیاط سے بہت جلد گوندھا اور شہزادے کی انگوٹھی اس کی مہر میں چھپا کر اُس عورت کے حوالے کیا اور عذر خواہی کر کے کہنے لگا کہ ما ہم فقیروں کو سوائے اس کے اور کسی چیز پر دسترس نہیں، بموجب اس کے برگ سبز است تحفۂ درویش واز خرس موئے بس است اس کو قبول کیا چاہیے اور قطع نظر اس کے کہ یہ ہار میں نے ایسی ساعتِ نیک و وقتِ سعید میں کہ جس گھڑی

---

[1] در متن: منتظر

نظراتِ فلکی مسعود و مبارک تھی، بنایا ہے اور بہت سی دعائیں قبولیت سے بھری ہوئیں اس کے اوپر دم کی ہیں۔ لازم ہے کہ شہزادی اِس کو تبرکاً اپنے پاس رکھے اور درگاہ الٰہی میں اپنی حاجت روائی کی دعا مانگے، یقین ہے کہ آرزو اس کی برآوے۔

غرض وہ عورت اس ہار کو اپنی ملکہ کے پاس لے گئی اور اس گجرے کی تعریفیں کرنے لگی۔ شہزادی نے وہ ہار اپنے گلے میں ڈال لیا اور اس انگشتری کو دیکھ کر مارے اشتیاق کے چاہا کہ جس طرح سے کہ انگوٹھی پر نگینا ہوتا ہے اس کو اپنے حدقۂ چشم میں رکھ لے اور اس کی یاد میں اس قدر غمگین و ملول ہوئی کہ رونے کا ضبط نہ کر سکی آخر وہاں سے اُٹھ کر ایک کونے میں چلی گئی منہ ڈھانپ کر بے اختیار رونے لگی، بعد اس آہ وزاری کے قلم دان سے قلم و کاغذ نکالا آخر ایک خط میں یہ دو چار فقرے اس کی جدائی کے احوال سے لے کر اس وقت تک کی حقیقت اور کئی دن اُس کے وعدے کے باقی رہنے کی ماہیت اور اُس زمانے کے رہزنوں کے دستِ ستم سے اپنے ناموس کے بچ رہنے کی کیفیت لکھ کر خفیہ شہزادے کی خدمت میں ارسال کیا۔

شہزادے نے جوں اپنی معشوقہ کا نامہ فیض شمامہ اس عورت کے ہاتھ سے لے لیا۔ بارے شوق و محبت کے بے ہوش ہو گیا جب ہوش میں آیا اس خط مسرت نمط کو اپنی چھاتی اور آنکھوں سے لگا کر دیدۂ خوں بار کو روشن کیا اور اس کی مُہر توڑ کر ملاحظہ فرمایا دیکھا کہ اس نامہ مہر انگیز کے سرنامہ پر یہ لکھا ہے۔ مثنوی

گوہر مخزنِ اسرار وہ نہیں ہے اب تک	درجکِ مہر و وفا یار وہ نہیں ہے اب تک
پوچھے بادِ صبا سے کہ سحر سے تا شام	بوئے کاکل تیری غمخوار وہ نہیں ہے اب تک
اپنے کشتے کی ذرا آکے زیارت تو کر	کہ وہ مقتولِ دلِ افگار وہ نہیں ہے اب تک

اور یہ احوال بھی دریافت کیا کہ یہ زمانہ ہمیشہ اپنی گھات میں لگا رہتا ہے اور یہ چرخ کج رفتار سدا ایک شعبدہ تازہ دکھلانے کی تاک لگائے رکھتا ہے۔ فرصت وقت مانند بخت ہر آن کوتاہی کرتی ہے۔ اور بداختری ہر حال منہ دکھلاتی ہے۔ بالفعل شیوۂ جوانمردی و طریقِ خردمندی یہ ہے کہ جب تک تمہارا دشمن خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر ننگ و ناموس کا شیشہ سنگ رسوائی سے چور کرے چاہیے

در متن ؎ منظر

کہ اس کام سے پہلے ہی اپنی عزت و حرمت کی شبستان عصمت کی شمع روشن سے منور کرو کیونکہ اب تک تمہارے ناموس کا گل حادثے کی بادِ صرصر سے پژمردہ ہو کر خاکِ مذلت پر ہرگز نہیں پڑا۔ بلکہ اب تک تمہاری حرمت کا گوہر آبدار ستم کے برمے سے بیندھا نہیں گیا۔ چاہیئے کہ اس بات پر جناب باری تعالیٰ حمد و ثنا کے مراتب بخوبی بجالاؤ اور اس چرخ کی شکایت نہ کر کے اس کج رفتار کو فتنہ بیداری سے باز رکھو۔

شہزادے نے اُس خط کے اس مضمون کو دریافت کر کے ایک رقعہ آپ بھی اس کے جواب ان دو چار فقروں پر اکتفا کر کے لکھا کہ اگرچہ اس پُرنیائے نیلی لباس یعنی اس چرخ کبود رنگ نے میری شہانی پوشاکِ معطر کو اپنے نیل کے ماٹ میں ڈال کر لہسن کی سی بو باس دے کر شادی و شادمانی خاک میں ملا دی۔ یقین کر کہ اس سفلہ پروری کی اس قدر شکایت کرتا ہوں کہ جس کا بیان نہیں کر سکتا اور تم جو اپنی خود بینی خود آرائی سے ننگ و ناموس کی برباد کرنے والی ہو، تم کو اس امر میں کیا کہوں۔ کیونکہ تمہارے عشق نے میرے دل کی گردن میں جنون کا طوق ڈالا ہے۔ اور عقل مبارک نے میرے ہوش کے پانوں کو سنگِ بلا سے توڑ ڈالا ہے۔

سچ کہتا ہوں کہ اگر تم اس عورت شیطان کی خالہ، پھپھر دلالہ، ابلیس پیشہ کو جس کے زہر بھرے ہوئے نیش سے سانپ دبچھو جانبر نہیں ہو سکتے، اپنی مصاحب نہ کرتیں، اور اس کی بات گوش دل سے نہ سنتیں تو میں اس قدر ادبار کے میدان میں سرگرداں ہو کر کیوں ٹکراتا پھرتا اور اس بدبختی کے ساتھ اس رسوائی کے روزِ سیاہ کس لئے دیکھتا، لیکن اس مقام میں کہ قضا و قدر کا درمیان ہے، عمرو زید کی سی ردّو بدل کے شکوے کہاں تک کرتا رہوں اس لئے کہ عقل معاملہ شناس اس بات کو گوارا نہیں کرتی۔ فرد

پیتا ہوں میں لہو، یہ شکایت کی جا نہیں
روزی ازل کے خوان سے میری یہی ہوئی

خیر جو ہوا سو ہوا اب اپنے دل بیتاب کو ڈھارس بندھا اور خدائے کریم کے فضل و کرم کی دم بہ دم امیدوار رہو۔ دیکھو تو پردۂ غیب سے کیا میدانِ ظاہری میں جلوہ گر کرتا ہے۔ اس خط مسرت نمط پر اپنی مُہر کر کے اُس عورت کے حوالے کیا۔

جب وہ ماما اس خط فیض آگیں کو لے کر مہرور بانو (کے) پاس گئی، شہزادے نے اپنے

درستی نہ برمین لہ بیدھا سہ اب ٹہ فقروں ھہ کہا ٹہ ہوں ٹہ ہوں

ہمراہیوں میں سے اُس بڑھئی کو بلوا کر کہا "اے یار وفادار! اگرچہ اس سفر صعوبت اثر اور اس مسافرت پُرخطر میں جو کچھ کہ تم سبھوں دوستوں و مہربانوں نے مصیبتیں اپنے اوپر اٹھائی ہیں، تحریر و تقریر میں نہیں آ سکتیں[۱]۔ اس بات کو یقین کرو کہ تمھارے[۲] بارِ احسان سے میرے دل کی گردن ہلال کی مانند خم ہو رہی ہے، اور کمان کی طرح جھک گئی ہے۔ لیکن اب ایک آرزو میرے دلِ بیتاب کی، جو صرف تیری ہی دستگیری پر منحصر ہے سو یہ ہے کہ تو ایک کاٹھ کا اڑن کھٹولا جس طرح ہو سکے نہایت جلد اس ڈھب کا بنا دے، جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کی مانند ہوا پر اُڑے، جو اپنے وسیلے سے حضرت کو نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ان حادثوں کے دریائے تعر سے نکال کر کنارے پر پہنچا دے۔

وہ بڑھئی اس بات کے سنتے ہی ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگا۔ اے شہزادے! ہم سبھوں نے روزِ اول ہی سے اپنا گھر بار برباد کر کے تیری رفاقت کے واسطے ہمت کی کمر پر وفاداری کا پٹکا باندھا ہے، یقین کر کہ جب تک یہ پیکرِ ہیولانی اپنا خاک در خاک نہ ہوگا اور جب[۳] تک اس قالب خاکی کی ہڈیاں جدا جدا ہو کر سڑ نہ جائیں[۴] گی، تیری خدمت سے پہلو تہی نہ کریں گے۔

یہ کہہ کر ادب و آداب کے ہونٹوں سے زمین خدمت کی چومی۔ از بسکہ سبک رہی سے جنگل کی راہ لی اور اپنے میدان مطلب کے[۵] چاروں طرف امید کی جستجو کرنے میں بادِ صرصر کی طرح اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ غرض یہاں تک دوڑ دھوپ کی کہ اس درخت کے پاس جا پہنچا جس کے کاٹھ سے اگر اڑن کھٹولا بنائے تو وہ پرندوں کی طرح ہوائے آسمان میں پرواز کرنے لگے۔ لیکن ایک ایسا کالا سانپ جو سر سے دم تک زہر ہلاہل سے بھرا ہوا تھا، اس کی حفاظت و نگہبانی کے واسطے اس کے تمام تنے پر لپٹ کر پھنکاریں[۶] مار رہا تھا۔

بڑھئی نے جونہی[۷] اس سانپ کو اس درخت کا نگہبان و چوکیدار دیکھا، اپنے دونوں ہاتھ ادب و آداب کی رسن استوار سے باندھ کر اس کی ثنا و صفت میں زبان نادر بیان کھولی، اور یہاں تک تعریف کی کہ وہ سانپ ناطق ہو کر کہنے لگا۔ اے مسافر تو کون ہے؟ اور یہاں آنے سے کیا حاجت رکھتا ہے؟

یہ بات سن کر اس بڑھئی نے ابتدا سے لے کر انتہا تک اپنی حقیقت کہہ سنائی۔ بلکہ اپنے مقصد

درستی۔ ۱؎ آتیں ۲؎ تمھاری ۳؎ تب ۴؎ جائیں گے ۵؎ کی ۶؎ پھنکار ۷؎ جوں

برآنے کی اُسی سے مدد چاہی۔ حاصل کلام وہ سانپ جناب باری تعالیٰ کے فرمانے سے، کہ جس کے جلال کی بارگاہ کے سامنے مور و مار یکساں حکم رکھتے ہیں، وونہی اُس درخت سے جدا ہوا اور پروانگی دے کر کسی کونے میں چلا گیا۔

تب اُس نجار نے اپنی احتیاج کے موافق اس درخت کی ایک ڈالی کاٹ لی اور اپنے تیشۂ سحر پرداز سے ایک اڑن کھٹولا نہایت سبک و ستھرا ایسا جو تخت جمشیدی کا ہم پایہ ہو سکے، بنایا۔ تھوڑے ہی عرصے میں درست کر کے اپنے شہزادے کی خدمت میں لے آیا۔ اتفاقاً اس دن مہرو بانو کے دنوں میں سے وہی ایک دن باقی رہ گیا تھا اور شہزادہ ازبس کہ اضطرابی و بیقراری کے باعث جاں بلب ہو رہا تھا۔ اپنی چشمِ انتظار اسی نجار کی سرِ راہ رکھتا تھا بلکہ مارے غم و الم کے اپنا ہر ایک دم دمِ واپسیں شمار کر رہا تھا۔

اس بڑھئی کو دیکھتے ہی اور اس تخت عرش مُرتب کے ملاحظہ کرتے ہی خوشی و خرمی کا پانوں تمنا کی کرسی کے زینے پر دھر کے عاجزی و انکساری کا ماتھا خاکِ منت پر جھکا دیا۔ سجدۂ شکر بجا لایا۔ اور ایسے کار سعادت آثار کی مزدوری کے بدلے بہت سا زر جواہر اس بڑھئی بطور انعام کے عطا فرمایا۔

آخر کار جب دوسرے دن جب سلطانِ انجم نے اس آسمان کے تخت فیروز رنگ پر جلوس کیا۔ اور جشن جہاں افروز ترتیب دیا۔ ہوشنگ نے مہرو بانو کے ملنے کی خوشی میں ایسی مجلسِ جاں بخش کہ جس کے دیکھنے سے بزمِ بہار ڈاہ لے جاوے، نہایت دھوم دھام سے آراستہ کی۔ اپنی درگاہ کے امرائے عظام و خواقین کرام کو استدعا کر کے مجلسِ عیش جہانی، خوشی و خرمی کا اسباب، شادی و شادمانی لوازمہ، جو بادشاہوں، سلاطینوں کے لائق تھا، مہیا کر کے اس محفل نشاط میں ہر ایک خواص و عوام کے حاضر ہونے کا حکم فرمایا۔ اور آپ شکوہ بادشاہی اور شانِ جمشیدی سے تخت دولت پر جلوہ گر ہو کر خزانوں کے دروازے کھلوا دئے اور یہاں تک زر و جواہر بخشا کہ ہر ایک محتاج غنی ہو گیا۔ مثنوی

خوشی میں یہاں تک کیا زر نثار	جسے ایک دیتا تھا بخشے ہزار
امیروں کو جاگیر، لشکر کو زر	وزیروں کو الماس و لعل و گہر

در متن لہ عالم

ناچ[۱] و رنگ ہونے لگا اور دورِ جام جس طرح سے کہ یاقوت لبوں کی گردشِ چشم، عقل و ہوش کا اسباب غارت کرتی ہے ہر ایک کی متاعِ دل لوٹنے لگا۔ مبارک سلامت کی صدا جس صورت سے کہ قمری کی آواز خوش الحان جاں بخش ہوتی ہے، اس مجلس کی ہر ایک سمت بلند ہوئی۔ خوشی و خرمی محفل کے ہر ایک گوشے سے شراب کی مانند عشرت کے خم خانے میں جوش کھانے لگی۔ اور آوازِ خوش ستاروں، طنبوروں کی گھوڑیوں پر سوار ہو کے اپنے ترانوں، مسرت انگیزوں سے عقل و حواس کی رہزنی کرنے لگے۔ سچ ہے کہ اگر اس محفل مینو طراز میں غم کا گزر ہوتا مثل مشہور ہے کہ مارے خوشی کے شادی مرگ ہو جاتا ہے۔ مثنوی

کیا بھانڈ اور بھگتیوں نے ہجوم — ہوئی آہے آہے مبارک کی دھوم

لگے بجنے قانون و بین و رباب — بہا ہر طرف جوئے عشرت کا آب

جہاں تک کہ گایک تھے اور نرتکار — ہنر اپنا کرنے لگے آشکار

جہاں تک کہ سازندے تھے ساز کے — دھنی دست کے اور آواز کے

لگی تھاپ طبلوں[۲] کی[۳] مردنگ کی — صدا[۴] اونچی ہونے لگی چنگ کی

لگا کنچنی چونا پڑنی تمام — کہاں تک میں لوں نرت کاروں کا نام

ستاروں کے پردے بنا کر درست — بجانے لگے سب وہ چالاک و چست

گئی پائیں[۵] کی آسماں پر دھمک — اٹھا گنبدِ چرخ سارا اگمک

خوشی کی زبس ہر طرف تھی بساط — لگے ناچنے اس پہ[۶] اہل نشاط

جب شہزادہ اس بات سے آگاہ ہوا کہ ہوشنگ غرور کی بے ہوشی کے باعث اپنے کام سے شراب خواروں مستوں کی طرح مست و غافل ہو رہا ہے۔ اور کھانے پینے میں متوجہ ہو کر اپنی خبرداری کا نقد لٹا چکا ہے۔ بلکہ اپنے ہوش و حواس کے کان سُر بینا کی مانند غفلت کی روئی سے بند کیے ہے۔

فرصتِ وقت غنیمت جان کر خدائے کریم کی عنایات سائے کا اسرا کیا۔ اور توکل کا جھنڈا کہ وہ مقصد کے دروازوں کے کھولنے کا وسیلہ ہے، امید کے میدان میں گاڑ کے، اس تختِ پران چاروں ہمراہیوں سمیت کہ وہ چاروں اس کی دولت و عزت کے کارکن تھے، چڑھ بیٹھا اور ایک شخص وجود اقبال کو بمنزلہ چار عنصر کے اپنے آگے بٹھلا لیا۔ اور وہ اڑن کھٹولا عرش مرتبہ کہ فی الحقیقت ہمائے سعادت

در متن [۱] ناچ [۲] طنبوروں [۳] [۴] سدا اور [۵] بین [۶] پر

تھا، اس کریم کارساز کے حکم سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کی طرح اُڑ لاگا۔

اس وقت میں کہ جس گھڑی ان مشاطاؤں نو آیین کاروں نے بادِ سحر کی مانند گل و سنبل سے مہرور بانو کے رُخ و زلف کو آراستہ کیا تھا اور اس ناز و ادا کے آسمان کی زہرہ جبیں کو بہار کی دلہنوں کی طرح بنی بنا کر شہانے تخت پر نہایت عزت و تمکنت سے بٹھلا دیا تھا، پھولوں کے گجرے، موتیوں کے مالے اس کے گلے میں ڈال کر ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی تھی۔ اس کے دستِ رنگین کو پنجۂ مرگاں کی مانند گلگوں کیا تھا اور وہ عورت مکر ہائی بھی جو مہرور بانو کو اپنے مکر و فریب کے دام میں گرفتار کر کے اڑا لائی تھی، ایک بوڑھی بندریا کی طرح مارے خوشی کے اس غمگین کے سامنے ناچنے اور اُچھلنے میں مشغول ہو رہی تھی بلکہ اس کے سہاگ کے ٹونے اپنے پوپلے منہ سے گا رہی تھی کہ تخت فیروز بخت اس چلتے کے صحن میں ہوائے آسمان سے اُتر پڑا۔

لونڈیاں، باندیاں، ددا، دائیاں، نوکر چاکر، خواص و خوجے ایسے احوال عجیب و غریب کو دیکھ کر سہم گئے، از بسکہ پریشان خاطر ہو کر جھکے کی مانند حیرت زدہ سے نظر آنے لگے اور وہ مشاطہ حیرت کے بھنور میں ڈوب کر نقش دیوار کی طرح بے حس و حرکت رہ گئیں مگر مہرور بانو اپنے شہزادے کے جمال جہان کو دیکھ کر بے اختیار بادِ صبا کی مانند اپنی شہانی مسند سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس بڑھیا مکر ہائی کا ہاتھ پکڑ کر جس کے سفید چونڈے سے ایسی فتنہ و فساد کی آگ کے شعلے بھڑکے تھے، نہایت چستی و چالاکی کے ساتھ اس تخت بادِ پا پر چڑھ بیٹھی۔

غرض اُس کٹنی مکر ہائی نے ہر چند آہ و زاری کی شور و غل کیا پر کچھ فائدہ نہ دیکھا اور وہ اُڑن کھٹولا طائر فرخ بال کی مانند بلند ہو کر کرسی کی طرح عرش امید کی خواہش میں اُڑ لاگا۔ یکایک اس ہوشنگ سیہ اختر برگشتہ بخت کے سر پر خوشی و خرمی کی بزم میں نہایت ہنسی و خوشی و بے غمی بیٹھا ہوا مہرور بانو کے ملنے کی آرزو میں پسنے کی طرح مارے شادی و شادمانی کے اپنی باچھیں کھلی رکھتا تھا، اور گل کی مانند عیش و عشرت کے چمنستان میں از بسکہ خوش دلی و کشادہ پیشانی سے بیٹھا ہوا رنگ رلیاں منا رہا تھا، آ پہنچا۔

اہل مجلس اُس کو دیکھتے ہی نہایت حیران و متعجب ہوئے کہ یہ بلائے آسمانی اِدھر میں کیا ہے! اتنے میں وزیر بچے نے اس مکر ہائی و ناپاک کا سر اُس کے تن سے جدا کر کے لہو ٹپکتا ہوا آسمان سے زمین پر ڈال دیا۔ اتفاقاً وہ سر ہوشنگ کے سر پر جا پڑا اور دھڑ اہل محفل کے سامنے تڑپنے لگا۔

اس دہشت سے کتنے ہی[1] اہل مجلس بھاگ گئے کہ یہ بلائے عظیم آسمانِ غضب سے کیوں نازل ہوئی اور کتنے ہی[1] اس محفل سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر کونوں میں گھسنے لگے اور سوچنے کہ یہ عجیب وغریب معاملہ کیا واقع ہوا[2]۔ غرض ہوشنگ بھی اپنے تحمل وتامل کے پاؤں[3] استقلال کے دامن سے نکال کر تخت کے اوپر سے نیچے اُتر پڑا اور از بس کہ سہم ناک ہوگیا۔

اتنے میں اس چلّے کے نگہبان و چوکیدار آہ وزاری کرتے ہوئے نہایت بے قراری سے آئے۔ دہاڑیں مار مار کر رونے لگے اور کہنے کہ جہاں پناہ! پانچ شخص فقیر وضع ایک اُڑن کھٹولے پر بیٹھے ہوئے ناگاہ ہوائے آسمان سے حجرے کے صحن خانے میں اتر آئے اور مہروربانو مع اُس عورت وفاکیش کے اپنے تخت بادپا پر بٹھلا کر پھر آسمان کی طرف اُڑ گئے۔ یقین فرمایئے کہ اُن کا آنا جانا ایک بجلی کی سی چمک تھی کہ آنکھوں میں کوند گئی جو پرستاروں خواصوں کو بھی آگہی نہ ہوئی۔

ہوشنگ اس خبرِ دہشت اثر کے سنتے ہی دیوانہ ہوگیا۔ اضطرابی و اضطراری سے کہنے لگا کہ برق انداز برق آسا اور بان دار بادپا جلد چاروں طرف جائیں اور اپنے اپنے حربے سے اس تخت پر تیرِ باراں کریں۔ ہوائے آسمان سے زمین پر اتار لائیں۔ وہ تخت تو تیر کی مانند قضا کے چلّے سے چھٹ کر پرواز کرگیا تھا۔ ان بے چاروں نے جس قدر جستجو کی پر وہ پری ان کی تدبیر کے شیشے میں نہ اُتری۔ ناچار وہاں سے دستِ تاسف ملتے ہوئے پھر آئے اور اپنا سر قضا کے گریبانِ حیرانی میں ڈال کر حیرت کے ہاتھوں سے پیٹنے[4] لگے۔ غرض وہ خوشی وخرمی کی محفل غم والم کی مجلس ہوگئی۔ گانے بجانے کی جگہ آہ وزاری ہونے لگی۔ مثنوی

جہاں رقص کرتے تھے طاؤس باغ
لگے بولنے ان منڈیروں پہ زاغ
کہوں اس گھڑی کا میں کیا ماجرا
ہوئی بزمِ شادی وہ ماتم سرا

آخرکار ہوشنگ کے ساغرِ چشم سے شراب کے بدلے خونِ دل نے جوش کھایا اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ہر ایک سرِ مژگاں سے ٹپکنے لگا۔ قطعہ

درمتن ۱ ہیں ۲ ہو ۳ پاؤں ۴ پیٹنے

اس چرخِ دوں مزاج کا ٹک گرم و سرد دیکھ
سو سو طرح کی حالتیں گردش میں اس کی ہیں
رازِ جہاں کے دفترِ لا حل کو کھول کر
ہر رونگٹے کی آنکھ سے ٹک دیکھ اس کو تَنِیں
نقش و نگار دیکھ کر اس بے ثبات کے
حیراں تو خط کی طرح سے رہتا کھوں ہوں میں

حاصل کلام وہ شہزادہ نہایت خوش دلی و کامیابی وازبسکہ کشادہ پیشانی و فتح مندی سے اپنے شہر جنت بہر میں جا پہنچا اور خورشید کی طرح اپنے قدمِ نورانی سے اس شہر ختن کو بزمِ فلک کی مانند روشن و منور کر کے اپنے ہمراہیوں، مصاحبوں کو ہر ایک کے اخلاص و پیار اور ہر ایک کے ارادت و اعتبار کے موافق سرفراز کر دیا بلکہ ہر ایک کو اس کے حوصلے کے مطابق مرتبہ اور درجہ دے دے کر نہایت عجز و انکسار سے رخصت فرمایا۔

قصّہ

بہرام کے گرنے کا چاہِ بابل میں ہاروت کی مانند زہرہ نامی مہر لقا ماہ سیما کے عشق میں

مجلسِ سخن کی طوطی گویا نے یہ حکایت نو اس روزگار کہن کے دفتر سے نکال کر یوں بیان کی ہے کہ ہندوستان وسعت آباد جنت نشان کے ملکوں سے بنگالے کے شہر میں ایک ایسا بادشاہ عالی جاہ تھا کہ جس نے اپنی بارگاہ بادشاہی کی بنیاد عدل وداد کی کرسی پر رکھی تھی اور اس کے انصاف کے چمن سنوارنے والوں نے شاخ ستم تیغ فنا سے چھانٹ ڈالی تھی۔ حاصل کلام یہ اپنی رعیت وسپاہ پر مہر ومحبت کا آئین جاری رکھتا اور (ہر) ایک چھوٹے بڑے پر نوازش و مہربانی کے قوانین سے سلوک پر سلوک کیا کرتا۔

غرض ایک لڑکا "بہرام" نام حسین ومہ جبین رکھتا تھا اور وہ لڑکا استادِ کامل سے ہر ایک طرح کا فن سیکھتا معلمِ بے بدل سے علمِ عربی تحصیل کیا کرتا اور اپنے باپ کی وزیر کی بیٹی "زہرہ" نام جو اس کی ہم مکتب تھی، اپنی بمقتضائے خورد سالی، وبہ سبب طفل مزاجی کے جس وقت سبق پڑھ چکتا، اس کے ساتھ کھیلنے کودنے میں مشغول ہوتا۔ اور اسی لہو ولعب سے مہر ومحبت کے میدان میں الفت کا گھوڑا دوڑاتا غرض ہمیشہ کی موانست ومصاحبت کی زیادتی سے اخلاص وپیار کے دم بھرنے لگے

حاصل کلام رفتہ رفتہ دونوں طرف سے مہر ومحبت کا رشتہ مستحکم ہوا۔ پیار واخلاص کا چمن لہکنے لگا۔ جب اسی صورت سے ایک مدت گزری، عشق کا آفتاب اُن کے مطلع حال سے طلوع ہوا اور ان کے پردۂ دل سے محبت کی کرنوں نے جلوہ دکھلایا۔ پردۂ حجاب دونوں طرف کے ابواب چشم سے اٹھ گیا۔ رسوائی کا نقش ان کے سرنامۂ حال سے ظاہر ہوا۔ بموجب اس کے مصرع

نہ عشق چھپتا ہے ہرگز نہ مشک چھپتا ہے

جب تک بساطِ بلوغت پر انھوں نے نہ قدم رکھا تھا صفحۂ حال اُن کا ملامت وطراز گناہ سے پاک وصاف تھا جب کہ مراتب جہولیت ونادانی کے طے کر کے آغاز شباب کو پہنچے۔ اُن کے کلام مہر آمیز اور سخن محبت انگیز کا چرچا ہر ایک کرنے لگا۔ معنی معنی پند ونصیحت کا دروازہ اُن کے روئے حال پر کھولا۔

لیکن اس مقام میں کہ اُنھوں نے لڑکپن ہی سے رشتہ مہر و محبت کا اپنی گردن جاں میں ڈالا تھا، اور شراب عشق سے ساغر دل اُن کا بھر رہا تھا، نصیحت کے گوہر آبداران کی اجابت کے گوش تک نہ پہنچے ناچار ملامت سے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ رسوائی کی باتیں خلق کی زبان سے سنیں. تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں کے چرچے سے اس فتنۂ نہفتہ کی چشم کھلنے لگی اور دونوں طرف سے عشق کی زنجیر طرۂ دلدار کی مانند روز بروز تابدار ہونے' وزیر نے اس مقدمے سے کہ یہ معاملہ اُس کی ناموس کے گلشن کا برباد کرنے اور حرمت کے شیشے کے لئے سنگ مذلت تھا، واقف ہوتے ہی زہرہ کو مکتب خانے سے گھسٹوا منگوایا۔ اور جس صورت سے کہ موتی سیپ میں بند رہتا ہے' پردۂ حجاب میں بٹھلا دیا. اور جانا مکتب خانے کا کہ فی الحقیقت وہ جگہ عشق کے بیماروں کے واسطے دار الشفا ہے' ایک قلم بند کیا۔

بہرام جو ہمیشہ محبت کے دبستان میں اس کے ساتھ عشق کی بحث کیا کرتا تھا، جب کہ اُسے نہ دیکھا، عقل و خرد کا مضمون بھول گیا بلکہ جو کچھ علمِ عربی حاصل کیا تھا، اس سے بھی بے نصیب ہوا۔ آخر ایک عارضہ ظاہر کر کے بدحواس رہنے لگا اور اشکِ آتشیں بہانے۔ اسی صورت سے زہرہ صبر و شکیبائی کا پردہ پھاڑ کر دیوان پن کے قانون کی زیادتی[1] کے باعث بدحواسی کے ہاتھ سے اضطرابی[2] کا دامن پکڑ کر بیقراری آسمان سے اضطراری کی زمین پر گر کے لوٹنے لگی۔

آخر ایک دن مارے بے اختیاری کے فرصت پا کر لڑکوں کی طرح دوڑتی ہوئی مکتب خانے میں چلی گئی. غرض اپنے باپ کا منع کرنا اور پردے میں بٹھلانا کچھ دھیان میں نہ لائی' بہرام کے پاس بیٹھ کر سبقِ شوق پڑھنے لگی اور بہرام نے بھی جو اس کی جدائی کے باعث جور و ستم سہے تھے نئے سرے سے بیان کئے. آخر کار وہ دونوں جوش باطنی سے باہیں پھیلا کر گلے ملے۔ اپنے دل کی خرابی پر بے اختیار رو اُٹھے' چشمۂ چشم سے آنسو کا دریا بہا دیا. گوہرِ اشک ہر ایک نے ہر ایک پر نثار کیا. چوکیداروں نے اس احوال کی کیفیت اور اس شگفتہ دلی کی ماہیت کی خبر وزیر کے گوش گزار کی. آتشِ غضب خواہ نخواہ اس کے دل و جگر میں بھڑکائی۔

اس بات کے سنتے ہی اس کی آنکھوں میں عالم تاریک ہو گیا. مارے خفگی کے سانپ کی طرح

درمتن [1] زیادتی [2] اضطرابی

خود بخود پیچ وتاب کھانے لگا۔ ندان زہرہ کو مکتب خانے سے پکڑوا کر منگوایا اور ایک حجرۂ تاریک میں، جس صورت میں کہ فقیروں، محتاجوں کی روزی تنگ ہوتی ہے، ہزاروں اذیتوں کے ساتھ قید کیا۔ کتنے چوکیدار خونخوار، کتنے پیادے دکھ دہندے تعینات کرکے حکم کیا کہ کھانے پینے کی طرف سے بھی اس کو چین نہ دینا۔ فرش و فروش کے بدلے اس کی کوٹھری میں سوائے ایک ٹوٹے سے بوریے کے اور کچھ نہ بچھانا۔ بلکہ کسی طرح اس کی عزت وحرمت پر نظر نہ کرنا ہر آن درد دکھ ہی دیتے رہنا!

یہ کہہ کر آپ نہایت غم والم میں بھرا ہوا بادشاہ عالی جاہ کی خدمت میں چلا گیا۔ اور بہ سبب ادب اور باعثِ آداب کے چار ونا چار اپنے کارِ مقرری میں مشغول ہو کر احکام وزارت جاری کرنے لگا۔ بادشاہ نے اس کے چہرۂ حال پر آثار ملال اور پیشانی پر پریشانی کی چین ظاہر و آشکار دیکھ کر رنج وکدورت کا باعث، وآزردگی وغنچہ دلی کا موجب پوچھا۔

وزیر نے ادب وآداب کے پہچاننے والوں کے موافق سریر سلطنت کے پائے کو بوسہ دے کر عرض کی، جہاں پناہ کے وقت میں کہ وہ فی الحقیقت دولت واقبال مہد وسایۂ احد ہے۔ کیونکہ حضور پُر نور کے معمار عدالت نے ظلم وستم کی عمارت جہان سے کھدوا کر پھکوادی۔ عدل وانصاف کی بنیاد برپا کی۔ عالم پناہ کے خلق کی باد نسیم نے تمام عالم کے مقصد کی کلی کھولی۔ سچ ہے کہ اب عنقا کے پر و بال میں چڑیا اپنا گھونسلا بناتی ہے۔ بھیڑیوں کے پنجوں سے بھیڑ اپنے بالوں میں کنگھی کرتی ہے۔

باوجود اس کے شہزادہ عالمیاں نے رسوائی کے رخنے ننگ وناموس کی دیوار میں ڈالنے کی فکر کرکے خصوصاً میری عزت وحرمت کے برباد (کرنا) دینے میں اپنے تئیں دل وجان سے مصروف کیا۔ شاید اگلی خدمتوں اور پچھلی جاں نثاریوں کا حق اس ناسزا کے حق میں یہی سزاوار ہے! یقین فرمائیے کہ اگر جہاں پناہ کا انصاف بھی اس قدیم نمک خوار کے لئے اس بڑھاپے میں اس بے عزتی و بے حرمتی کی سیل کرے تو یہ دادخواہ اپنی فریاد کس کے پاس لے جاوے وادا پنی کس سے چاہے۔ بیت

شاکر ہوں اپنے بخت سیہ پر تو میں وے

انصاف شاہ چاہیے میری مدد کرے

اس حکایت پر شکایت کے سنتے ہی بادشاہ کا دریائے غضب اس قدر جوش میں آکر متلاطم ہوا کہ اس بات کے بے تحقیق کیے، وزیر کا کلام سچ جان کر بہرام کے شہر بدر کرنے کا حکم ناطق وفرمان

نافذ پہنچایا. بہرام بادشاہ کا حکم اپنے میں قضا و قدر کے برابر جانتا تھا، کسی طرح عدول حکمی نہ کر سکا. ناچار درد و دکھ کی مسافرت کا بوجھ اپنے دل کی گردن پر دھر کر حیرانی و پریشانی کے اسباب کا تہیہ کرنے لگا حاصل کلام غریبی و بے کسی کے بیابان میں رنج والم کا پاؤں دھر کے اس شہر کی رسم کے مطابق اپنے باپ سے رخصت کا بیڑا لیا. بسم اللہ کر کے سر بصحرا حل نکلا۔

اس احوال خرد سوز، حیرت اندوز کے صادر ہونے سے جتنے اس ملک کے تھے، کیا چھوٹے کیا بڑے، سب کے سب غمگین ہو کر غش کر گئے. آنکھوں سے اشک حسرت بہانے لگے اور وہ دائی بھی کہ جس کا دودھ بہرام نے "چھٹی"[1] کے دن پیا تھا بلکہ اسی کی گود میں پرورش پا کر اتنا ہوا تھا. ازبسکہ حیرانی و پریشانی سے آئی. اس کے گلے میں باہیں ڈال کر رونے لگی. ناچار اپنی چھاتی پر غم کا پتھر دھرا. امام ضامن کی ضامنی میں سونپ کر رخصت کیا۔

بہرام نے عالمِ رخصتی میں کہا اے مادر مہربان! اگرچہ قلم قضا نے روزِ ازل سے میرے ماتھے کے صفحے پر یوں لکھا ہے. بموجب اس کے. بیت

نہ کی جتنے روزی پہ اپنی قناعت
نہ سمجھا خدا نہ کی اُنے طاعت

خدا کی قسم اس بات پر بھی میں نہایت خوش و خرم ہوں. کیونکہ جو کچھ قسّام مطلق نے میرے نصیب کے دامن میں ڈال دیا[2] ہے، میں اپنے تئیں اس کا مستحق جانتا ہوں. کسی کی شکایت اپنی زبان پر نہیں لاتا. اس لئے. فرد

رنج یا راحت ہو تجھ پر تو نہ تو دکھیو عزیز
کیونکہ یہ ہر اک خدا کی طرف سے ہے از رنج پیچ

لیکن تیری مہربانی اور نوازش سے امیدوار اس بات کا ہوں کہ تو ایک بار زہرہ کی خدمت میں جاوے، اور اگر ہو سکے تو یہ پیغام اس کو پہنچا دے کہ اے جان جہاں تیری الفت روح افزا نے یہ روزِ سیاہ مجھ کو دکھلایا. اب میری عنانِ اختیار اس بختِ بد کے ہاتھ میں ہے، جدھر لے جاوے گا. ناچار چلا جاؤں گا لیکن آج ہی کے دن فلانے درخت کے تلے امید پر کہ شاید تیری کاکل عنبریں کی بو بادِ نسیم

در متن [1] چھٹی [2] دیتا ہے

میرے دماغ دل تک پہنچادے اور بادِ سحر گاہی تیرے کوچے کی خاک میری آنکھوں میں سرمے کی طرح لگادے سچ جان کہ شب سے سحر تک بیٹھا انتظار کھینچوں گا۔ صبح ہوتے ہی خواہ نخواہ بیابان کی راہ پکڑوں گا، جنگلوں، پہاڑوں میں تیری فرقتِ جاں کاہ سے رو رو کر نالۂ جگر سوز آہ حسرت اندوز کھینچا کروں گا۔

اگرچہ اپنے باپ کے کہنے سے کہ حکم اس کا میرے حق میں قضا و قدر کے برابر ہے، تیری جدائی پر دل دھر کے عزت و غریبی کا میدان اختیار کیا بلکہ جیتے جی گور میں جا پڑا۔ تو خوب جانتی ہے کہ تیرے عشق کا تیر بعد مرنے کے بھی میری تربت سے مہر گیاہ کی طرح پیدا ہوگا۔ ہر ایک پتا اس کا سوسن کی زبان کی مانند ہو کر تیری ثنا خوانی کے دم بھرا کرے گا۔ یقین کر کہ میں اپنا مرنا جینا تیری محبت میں یکساں جانتا ہوں۔

سچ ہے کہ اگر اس جنگل میں اس حیرانی و پریشانی سے مجھ کو مجنوں دیکھتا تو اس دیوانگی کے فن میں سب[ل] سے دانا جانتا بلکہ عشق کے ادب و آداب کا علم مجھ سے سیکھتا۔ پس اے بے دلوں کی راحتِ جاں! وائے مہجوروں کی تاب و تواں!! اگر عشق کا بوجھ اپنے اوپر گوارا کر سکتی ہے تو اپنے باپ کے ننگ و ناموس کو لئے گھر میں بیٹھی رہ اس آوارگی و رسوائی میں مجھے تن تنہا چھوڑ دے اور اگر عشق کا فصاد تیری رگِ جاں پر بھی محبت کے نشتر کی نوک چبھاتا ہے یا الفت کے ہیرے کی کنی سے تیرے دل و جگر کو پارہ پارہ کئے ڈالتا ہے تو اب دیر نہ کر جلد چلی آ کیونکہ تحمل کرنے کا وقت نہیں رہا۔ فرد

میں گیا پر درد و دکھ تو جانے ہے یا دل مرا
اب کدھرے جلئے دیکھوں آب و خور او بخت بد

یہ بات سن کر دائی نے بہرام کو حفظِ الٰہی میں سونپا اور وہاں سے پھر کر اس مقصد بر آنے کے لئے بہر صورت اپنے تئیں وزیر کے دولت خانے میں پہنچایا اور وزیر نے بہرام کے شہر بدر ہونے سے نہایت خوش و خرم ہو کر زہرہ کو محبوس خانے سے بلوا کر محل سرا میں داخل ہوا۔ دائی کو از بس کہ آسانی سے اس کی صحبت میسر آئی۔ جو بات بہرام نے کہہ دی تھی بخوبی اس کی خدمت میں گزارش کی۔

زہرہ نے کہا اے ماما تو جانتی ہے کہ جان میری میرے قالب میں ہے یا مجھے اس جینے سے راحت نظر آتی ہے! پر کیا کروں میرے اختیار کی لگام میرے قبضۂ اقتدار میں نہیں۔ سوائے اس بات کے کہ اس کی محبت کے شعلے اپنے تئیں جلاؤں یا اسی غم و غصے کو کھا کھا کر زمین میں سما جاؤں سچ جان

ل در متن، اب

ناچار ہوں۔ آہ کیا کروں۔ فرد

قالب یہاں ہے، جان ہے کوچے میں یار کے
خلقت کو یہ گمان ہے قالب میں جان ہے

میں خود چاہتی ہوں کہ فرہاد کی مانند اپنی جانِ شیریں اس کی راہ میں نثار کروں۔ جس صورت سے ہو ہو اپنے تئیں اس کی خدمت رنج پرور میں پہنچاؤں لیکن تجھ سے امید ہے کہ ایک گھوڑا ہوا سے زیادہ اڑنے والا۔ بجلی سے دونا کڑکنے ہارا جس طرح بنے جلد لاکر دروازے پر حاضر کر کہ میں اِس سفر سعادت اثر میں کسی چیز کا انتظار نہ کھینچوں بے رنج انتظار کے مقصد کی راہ میں مراد کا قدم رکھوں۔

دائی یہ بات قبول کرکے اُٹھ کھڑی ہوئی وونہی ایک گھوڑا آفتاب کی کرن کے طور پر جو ایک آن میں مشرق سے مغرب تک اس سطحۂ خاک کی سیر کرے اور خیال کے پیک کی طرح پل مارتے تمام جہان کی منزلیں طے کر جاوے۔ فرد

ایسا تھا گرم رَو جو عناں لے تو اس کی آج
پہنچائے پل میں واں تجھے فردا ہے جس جگہ

وزیر کی ڈیوڑھی پر لے آئی اور اندر جا کر اس سُہیلِ یمن کے حاضر کرنے کی زہرہ کو خبر پہنچائی۔

وہ مشتری غش عطارد کی مانند اسی گھوڑے پر مردانے باس سے آراستہ ہوکر چڑھ بیٹھی۔ اپنی عقل رسا کے باعث باپ کے جواہر خانے سے بہت سا جواہر زاد راہ لے کر آدھی رات کے وقت محل سرا سے نکلی اور اس فلک سیر کو چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوکے اس بے دل کی طرف جس کا دل اپنی زلفِ عنبریں کے طرۂ تابدار کی طرح اسیر و گرفتار رکھتی تھی جس صورت سے کہ بادِ سحری چمن کی سمت جاتی ہے اُڑا لا گی۔

بہرام جو اس اندھیاری رات میں کہ وہ شبِ تار اُس کے بخت بد سے بھی زیادہ تیرہ و تار تھی سرو کی مانند ایک پانوں سے اپنے شمشاد کی یاد میں بیقراری کے میدان میں کھڑا راہ تک رہا تھا، بادِ نسیم کی یاوری کے باعث اُس کے گھوڑے کے سُم کی آواز سن کر نہایت گھبرایا بلکہ ایک راہ دور و دراز طے کرکے اُس کے اقبال کی خاطر از بسکہ اضطرابی و بیقراری سے دوڑا چلا گیا۔

اس زہرہ ہلال ابرونے جو ٹھیک آدھی رات میں بیقراری میں آفتاب کی طرح ایک گھوڑے

آسمان کی سیر کرنے والے پر بہرام کو جلوہ گر دیکھا، تنہائی کے ہول تاریک سے اپنے دل بیقرار کو ڈھارس بندھائی۔ اسی جاگہ سے نہایت شوق و اشتیاق کے ساتھ باہیں کھول کر گھوڑے کی باگ لی۔ بات کی بات میں آ پہنچی۔ بہرام سے لپٹ گئی۔ وہ بھی اُس کی ملاقات سے باوجودکہ اس حیرانی و پریشانی کے ساتھ غربت و کربت میں گرفتار ہو رہا تھا نہایت خوش و خرم ہو کر گل کی طرح کھل گیا بلکہ یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سکندر ملک جم کا مرتبہ ملا۔ بلکہ میرے نام کا سکہ ہفت اقلیم میں جاری ہوا۔

آخر کار اس جگہ سے وزیر کی دہشت کے باعث بادسحری سے شرط باندھ کر نہایت تیز قدمی و سبک روی کے ساتھ ایک ڈیرے سے اپنے ان گھوڑوں جہاں نوردوں اور ان تیز قدموں گلگوں نژادوں کی باگیں اٹھائے ہوئے الغاروں چلے گئے۔ فرد

اس چرخ نے کیوں کیا چوب طلا سے جس دم
شب کی روانگی کا زریں دہل بجایا

چوتھے روز ایک ایسے چشمے پر جا پہنچے جس کے گرد کا سبزۂ مینا رنگ جس طرح مہر کا چشمہ سپہر کے کھیت میں جلوہ گر رہتا ہے، لہلہا رہا تھا۔ اور نیک بختوں کے آئینۂ دل کی مانند بے کدورت و مصفا مٹھاس میں شیریں دہنوں کے لب کی طرح میٹھا۔ روانگی میں فرہاد کی آنکھوں کے طور سے بہتا۔ بے شک و شبہ اگر خورشید خاوری اس کی خنکی کے باعث سر سے پاؤں تک تھرتھرانے لگتا۔ نیشکر اس کے میٹھے پن کے رشک سے سب کا سب پانی ......٭

٭ اصل نسخے میں آگے کی عبارت موجود نہیں۔ یہ قصہ یہاں نامکمل رہ جاتا ہے۔